مہلک
روحانی امراض
شہوت
غصہ
کینہ
حسد
بُخل
تکبّر
محبوبُ العُلماءِ والصُّلحاء
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہم
مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ، فیصل آباد
+92-041-2618003

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مہلک روحانی امراض

از افادات

مجبوب العلماء و الصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

ناشر

مکتبۃ الفقیر

223 سنت پورہ فیصل آباد

+92-041-2618003

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ اللہ اللہ

نام کتاب ———— مہلک روحانی امراض

ازافادات ———— حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

مرتب ———— ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی غفرلہ

ناشر ———— مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد

اشاعت اوّل ———— اکتوبر 2008ء

تعداد ———— 1100

کمپیوٹر کمپوزنگ ———— ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی غفرلہ

صلی اللہ علیہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم

بسم الله الرحمن الرحيم
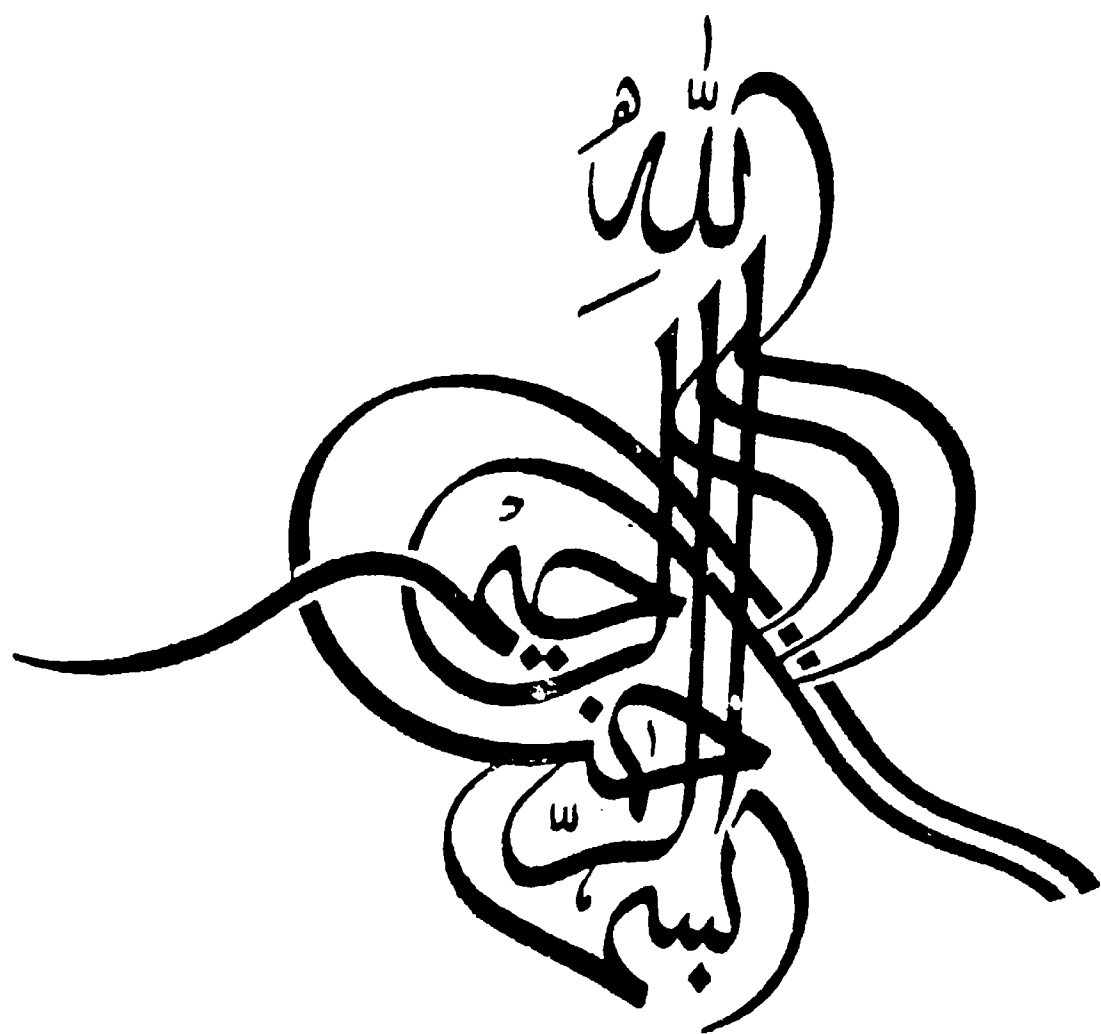
فہرست

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
150	معاف کرنے کا خلق	4.20
150	اللہ تعالیٰ کو نرمی پسند ہے	4.21
151	ہماری نصیحت	4.22
152	اصحابِ کہف کی نصیحت	4.23
153	زبان میں ہڈی نہیں	4.24
153	ریشم کی طرح نرم	4.25
154	سب سے برا بندہ	4.26
155	صبر کا انعام	4.27
156	اپنے بھائیوں کو معاف کر دینا چاہیے	4.28
157	معذرت قبول نہ کرنے کا وبال	4.29
157	نبی اکرم ﷺ کا حضرت عائشہؓ سے رویہ	4.30
158	اہلِ جنت کی نشانی	4.31
160	شب قدر میں کینہ پرور کی محرومی	4.32
160	نبی اکرم ﷺ کی سنت	4.33
161	بخل	5
162	اللہ سے غافل کرنے والی دو چیزیں	5.1
163	مال کے لیے دو قرآنی الفاظ	5.2
164	مال رحمت یا زحمت	5.3
164	دو طبقے	5.4
165	مال ایمان کے لیے ڈھال ہے	5.5
166	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا	5.6
166	صحابہ کی بڑی کرامت	5.7
167	دنیا جادوگرنی ہے	5.8
167	برائیوں کی جڑ	5.9

☆☆☆☆☆

پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

انسان دو چیزوں سے مل کر بنا ہے ایک جسم اور دوسری روح۔ جسم کی نشو و نما کے لیے اچھی جسمانی غذا کی ضرورت ہوتی ہے اور روح کی بالیدگی کے لیے اچھی روحانی غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب انسان کے جسمانی افعال (Functions) میں فتور واقع ہوتا ہے تو اسے جسمانی امراض لاحق ہو جاتے ہیں اور جب انسان کی نیت میں فتور واقع ہوتا ہے تو اسے روحانی امراض لاحق ہو جاتے ہیں۔ جسمانی امراض کا صحیح علاج نہ کیا جائے تو انسان قبر کے گڑھے میں پہنچ جاتا ہے اور روحانی امراض کا علاج نہ کیا جائے تو انسان جہنم کے گڑھے میں پہنچ جاتا ہے۔ جسمانی امراض کے علاج کے لیے حکیم اور ڈاکٹر کے پاس جانا پڑتا ہے اور روحانی امراض کے علاج کے لیے کسی مرشد کے پاس آنا پڑتا ہے۔

عجیب بات ہے کہ آج مادہ پرستی کے دور میں انسان جسمانی امراض کے لیے تو فکر مند ہے لیکن روحانی امراض کی اسے کوئی فکر نہیں۔ جسمانی امراض کے علاج کے لیے وہ اچھا اور تجربہ کار ڈاکٹر تلاش کرتا ہے پھر ڈاکٹر کو اپنے احوال بتاتا ہے، اس کی ہدایات پر عمل کرتا ہے، بیماریوں کا لٹریچر خود بھی پڑھتا رہتا ہے تاکہ Awareness (آگاہی) رہے۔ بیماریوں سے بچنے کے لیے وہ تمام ضروری احتیاطیں بھی اختیار کرتا ہے تاکہ بیماریاں لاحق نہ ہوں...... وہ یہ سب کیوں کرتا ہے؟ اس لیے کہ اسے

ان بیماریوں کے مہلک ہونے کا پتہ ہے۔اس کے برعکس، یہ روحانی امراض سے اتنا غافل ہے!اتنا غافل! کہ اکثر و بیشتر اسے یہ پتہ ہی نہیں ہوتا کہ اس کے اندر بھی یہ امراض موجود ہیں۔وہ مریض جسے اپنی مرض کا ہی پتہ نہ ہو بہت جلد تباہی کے دہانے پر پہنچ جایا کرتا ہے۔

مشائخ امت نے انسان کے اندر چند ایسے بنیادی امراض کی نشاندہی کی ہے جو اس کے لیے بہت مہلک ہیں۔ مثلاً شہوت، حرص، غصہ، بخل، حسد اور تکبر وغیرہ۔ اگرچہ روحانی امراض اور بھی کئی ہیں لیکن وہ ان کا ہی مرکب ہوتی ہیں یا ان سے ماخوذ ہوتی ہیں۔لوسا کا افریقہ میں ایک دفعہ دورانِ اعتکاف فقیر نے یہ کوشش کی کہ شرکاءِ اعتکاف کو ان بیماریوں کے بارے میں فکر مند کیا جائے۔لہٰذا ان امراض پر روزانہ بعد از تراویح مستقل ایک بیان کیا تا کہ ہر بیماری کی حقیقت اور اس کا علاج سمجھ میں آجائے۔ اگرچہ کہ مکمل علاج تو روحانی معالج (شیخ) کے پاس آنے اور اس کے ساتھ رہنے سے ہی ہوتا ہے۔ لیکن بندے کو ان بیماریوں کی فکر لگ جائے تو یہ بھی فائدے سے خالی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے کیا بعید ہے کہ وہ ہماری اس فکر کی وجہ سے ہمیں ان بیماریوں سے محفوظ فرمادیں۔ بعض دوستوں کی کاوش سے یہ بیانات اب کتابی صورت میں شائع ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کی کوششوں کو قبول فرمائے اور ہم سب کو جملہ روحانی امراض سے محفوظ فرمائے۔ آمین ثم آمین

دعا گو و دعا جو

فقیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی

كان الله له عوضا عن كل شيء

عرض مرتب

آج ہم جسمانی امراض کے لیے جتنے فکر مند ہوتے ہیں روحانی امراض کے لیے اس سے بھی زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت ہے، کیونکہ ہمارا ظاہری جسم جتنا بھی خوبصورت اور صحت مند ہو اگر روح بیمار اور باطن پراگندہ ہے تو کچھ فائدہ نہیں۔ جب ہم بیمار روح اور سقیم دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور جائیں گے تو بڑی شرمندگی ہوگی۔ خوش نصیب ہے وہ انسان جس کو کوئی ماہر روحانی معالج (مرشد) مل جائے اور وہ اس کی روحانی امراض کی تشخیص کر کے اصلاح کر دے تاکہ وہ باطن کی آلودگیوں سے پاک اپنے رب کا محبوب انسان بن سکے۔

ہمارے مرشد محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم اس وقت عالم اسلام کی ان چنیدہ ہستیوں میں سے ایک ہیں جو دعوت ورشد وہدایت کا کام کر رہی ہیں، ان کے کام کا انداز انتہائی مصلحانہ وحکیمانہ ہے۔ وہ ایک طرف تو اپنے متوسلین وسالکین کے قلوب کو محبت الٰہی کی گرمی سے گرماتے ہیں اور دوسری طرف نہایت مربیانہ انداز میں ان کے ''اندر کے روگ'' جو قربِ الٰہی کے حاصل کرنے میں ان کے لیے حجاب بنے ہوتے ہیں ان پر آشکار کرنے کی سعی فرماتے ہیں۔ ان کے میخانے میں تصفیہ اور تزکیہ کا یہ کام چلتا رہتا ہے اور یہاں آنے والا ہر طالبِ حق اپنے اپنے ظرف اور مقدر کے بقدر حصہ پاتا ہے۔

ان کی نگاہ ناز میں درد بھی تھا دوا بھی تھی
کتنے ہی غم نئے ملے، کتنے ہی زخم بھر گئے

ایسا ہی ایک میخانہ زیمبیا میں بھی رمضان المبارک کے آخری عشرے میں لگایا جاتا ہے۔ حضرت نور مسجد لوساکا میں آخری عشرے کا اعتکاف فرماتے ہیں، جہاں حضرت کی قلبی توجہات کے ساتھ ساتھ اصلاحی بیانات کا ایک سلسلہ ہر سال چلتا ہے۔ جب ایک صاحب دل اور صاحب نسبت کے بیانات ہوں، رمضان المبارک کے فیوض و برکات ہوں، اعتکاف کے لمحات ہوں تو بیانات کی اثر آفرینی دوآتشہ ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی ایک رمضان المبارک میں حضرت اقدس دامت برکاتہم نے ''روح کی بیماریوں'' پر متعدد بیانات فرمائے جن کا حاضرین مجالس کو کافی فائدہ ہوا۔ بیانات کی افادیت کے پیش نظر عاجز نے حضرت کی اجازت سے ان کو کتابی صورت میں ترتیب دیا ہے تاکہ غائبین کو بھی استفادہ ہو سکے۔ معہد الفقیر کے بعض اساتذہ کرام نے اس کی پروف ریڈنگ فرمائی اور مکتبۃ الفقیر نے اشاعت کا اہتمام کیا، اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کی کاوشوں کو قبول فرمائے اور کتاب کو ہمارے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین بحرمت سید المرسلین

دعاؤں کا طالب

ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی غفرلہ

خادم معہد الفقیر الاسلامی

بائی پاس ٹوبہ روڈ جھنگ صدر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیدِ قصور

ازافادات

پیرِ طریقت رہبرِ شریعت مفکرِ اسلام

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

دیدِ قصور

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o
بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ o وَلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَه o
(القیامة: ۱۴،۱۵)
سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ o وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ o
وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّم

دیدِ قصور کا مطلب:

آج کی گفتگو کا عنوان ہے دیدِ قصور۔ یہ ایک اصطلاح (Term) ہے جو امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں پہلی مرتبہ استعمال فرمائی۔ ''دیدِ قصور'' کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی نظر اپنے عیبوں پر رہے۔ اپنے عیبوں کو دیکھنا، اپنے عیبوں پر نظر رکھنا، اس کو دیدِ قصور کہتے ہیں۔ اس ٹرم کے الفاظ سے ہی مقصد کا پتہ چل جاتا ہے۔ یہ بڑا اہم عنوان ہے، اس لئے کہ اس میں انسان کی اصلاح کا دارومدار ہے۔

ہمارے مشائخ نے یہ بات لکھی کہ جب اللہ رب العزت کسی بندے سے راضی ہوتے ہیں تو اس کے عیوب اس کی نظر میں واضح فرما دیتے ہیں، اور جب اللہ تعالیٰ

کسی سے ناراض ہوتے ہیں، اس کے عیوب اس کی نظروں سے چھپا دیتے ہیں۔ عیب ہوتے ہیں، اس کو پتہ نہیں چلتا کہ میں کوئی گناہ بھی کر رہا ہوں۔ شیطان انسان کے عملوں کو ایسے مزین کر دیتا ہے کہ بندہ اپنے تانبے کو بھی اپنا سونا سمجھتا ہے، اپنے کھوٹے کو بھی کھرا سمجھ رہا ہوتا ہے تو یہ بہت اہم عنوان ہے کہ انسان کی نظر اپنے عیبوں پر پڑے۔

ہماری حالت:

آج گردنیں تنی رہتی ہیں، آنکھیں کھلی رہتی ہے۔ انسان دوسروں کے چہرے دیکھتا پھرتا ہے اور ان کے عیب گنتا پھرتا ہے۔ اے کاش یہ گردن جھک جاتی، یہ آنکھیں بند ہوتیں۔ یہ نگاہیں اپنے سینے پر پڑتیں کہ میرے اپنے اندر کیا عیب چھپے ہوئے ہیں۔

جس دور پہ نازاں تھی دنیا، ہم اب وہ زمانہ بھول گئے
غیروں کی کہانی یاد رہی، ہم اپنا فسانہ بھول گئے
منہ دیکھ لیا آئینے میں، پر داغ نہ دیکھے سینے میں
جی ایسا لگایا جینے میں، مرنے کو مسلمان بھول گئے
تکبیر تو اب بھی ہوتی ہے، مسجد کی فضا میں اے انور
جس ضرب سے دل ہل جاتے تھے، وہ ضرب لگانا بھول گئے

ایک وقت تھا کہ نوجوان رات کے آخری پہر میں اٹھتے تھے۔ لا الٰہ الا اللہ کی ضربیں لگاتے تھے۔ ان کے سینے میں دل کانپتے تھے۔

ے تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے
کھویا گیا ہے تیرا جذبِ قلندرانہ

آج وہ باطن کی نعمت ہم سے چھن چکی، وجہ کیا ہے کہ ہم اپنے عیب نہیں دیکھتے۔

ہمیں دوسروں کے عیب دیکھنے سے فرصت ہی نہیں ملتی ، ہر وقت دوسروں کے عیب ٹٹولتے پھرتے ہیں ، دوسرے کی برائی ہماری اچھائی تو نہیں بن سکتی تو کیا فائدہ دوسروں کے عیب دیکھنے کا؟

سب سے زیادہ خطرناک مرض:

کہتے ہیں وہ مرض سب سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے کہ جس کو مریض مرض ہی نہ سمجھے۔ کسی نے افلاطون سے پوچھا تھا کہ سب سے زیادہ خطرناک مرض کون سا ہوتا ہے؟ اس نے کہا کہ وہ مرض جسے انسان مرض ہی نہ سمجھے۔ جب مرض ہی نہیں سمجھے گا، علاج کی فکر ہی نہیں کرے گا تو مرض کو پھیلنے کا موقع مل جائے گا، اسی طرح جو انسان اپنی خامی کو خامی ہی نہیں سمجھے گا، وہ عادت بن جائے گی، راسخ ہو جائے گی اور بالآخر انسان کے گمراہ ہونے کا سبب بن جائے گی، اس لیے اپنے عیبوں پر نظر رہنی چاہیے۔ یہ انسان اپنی کوتاہیوں کو کوتاہی نہیں سمجھتا، جیسے درخت کو اپنے پھل وزنی نہیں لگتے، ایسے ہی انسان کو اپنے عیب بھی برے نہیں لگتے۔ اگر کوئی برے کام کر رہا ہوتا ہے تو اسے وہ برے نہیں لگ رہے ہوتے۔

وَ قَيَّضۡنَا لَهُمۡ قُرَنَاءَ فَزَيَّنُوۡا لَهُمۡ مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ

(فصلت: ۲۵)

[مسلط کر دیئے ہم نے ان پر شیاطین اور انہوں نے ان کو ان کے اگلے اور پچھلے اعمال عمدہ کر کے دکھائے]

قرین کی جمع ہے قرناء اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پھر ہم نے ان پر ان کے ساتھی شیطان مسلط کر دیئے اور ان شیطانوں نے کیا کیا کہ ان کے جو کچھ آگے پیچھے تھا، اس کو مزین کر کے پیش کیا کہ تم ٹھیک کر رہے ہو۔

تو انسان کے عمل شیطان مزین کر کے پیش کرتا ہے، مثلاً کوئی صاحب نماز مسجد

میں جماعت کے ساتھ نہیں پڑھتے ، شیطان ذہن میں ڈالے گا، امام صاحب اچھے نہیں اس لئے میں گھر ہی پڑھ لیتا ہوں ۔او جی! مولوی ایسے ہی ہوتے ہیں ۔ اپنی حالت کا پتہ نہیں کہ مجھے پانچ فرض نمازیں بھی نصیب نہیں ہوتیں، علماء پر اعتراض۔ بزنس میں غلط کام ،خلافِ شریعت کام کرے گا۔ او جی کیا کریں سبھی کرتے ہیں۔شیطان مزین کر دیتا ہے اعمال کو۔

آنکھوں کی پٹی:

ایک حکایت مشہور ہے کہ ایک چور تھا اس کا بیٹا بھی چور بنا۔ایک دفعہ وہ اپنے والد کا کوئی سیاہ کارنامہ بیان کر رہا تھا،کوئی چوری کی واردات سنا رہا تھا۔تو بات کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ابو بہشتی نے جب فلاں گھر کا دروازہ کھولا تو آگے وہ بدمعاش کھڑا تہجد کی نماز پڑھ رہا تھا۔نقب لگانے والا ابو بہشتی اور تہجد پڑھنے والا آدمی بدمعاش...... یہ ہوتا ہے آنکھوں پر پٹی بندھ جانا۔یہ جب بندھ جاتی ہے تو پھر انسان نیکی اور بدی کی تمیز کھو بیٹھتا ہے۔

انجینئر صاحب کا احساسِ معصومیت:

ہمیں خود بھی اس کا بعض دفعہ تجربہ ہو جاتا ہے۔ایک دوست تھے ہمارے انجینئر اور زندگی ان کی بالکل عامیانہ تھی۔سنت سے محروم...... پانچ فرض نمازوں سے بھی محروم......کبھی نماز جمعہ پڑھ لیا تو پڑھ لیا......سگریٹ کی عادت تھی......ویڈیو فلمیں اور ٹی وی دیکھتے تھے...... بدنظری کے مرتکب ہوتے تھے......جھوٹ بھی بولتے تھے۔ جھوٹی قسمیں بھی کھاتے تھے......غرض کہ ایک عام غافلانہ زندگی تھی ۔ایک دن کچھ موقع مل گیا تو اس عاجز نے ان کے سامنے توبہ استغفار کے عنوان پر کچھ گفتگو کی، مقصد تھا کیا پتہ اللہ تعالیٰ دل توبہ کی طرف موڑ دے۔خیر بات تو انہوں نے بڑے غور

سے سنی اور غور سے سننے کے بعد کہنے لگے کہ جی آپ نے بڑی اچھی باتیں سنائیں دل میں اتر گئیں ہیں، بڑا اثر ہوا میرے اوپر، ویسے ایک بات ہے اپنے ارادے سے تو کبھی کوئی گناہ کیا نہیں، غیر ارادی طور پر کوئی ہو گیا ہو تو اللہ معاف کرنے والا ہے۔ اس وقت مجھے اپنے پاؤں کے نیچے سے زمین سرکتی نظر آئی۔ یا اللہ! اتنا بھی انسان اندھا ہو جاتا ہے کہ یہ زندگی ہے اور اس کے بعد یہ بات کہہ رہا ہے کہ ارادے سے تو کبھی کوئی گناہ کیا نہیں۔ نہ پانچ نمازوں کا چھوڑنا گناہ...... نہ بدنظری گناہ...... نہ گانا بجانا فلمیں دیکھنا گناہ...... پتہ نہیں پھر گناہ اس کی نظر میں کیا ہوگا؟ تو یوں آنکھوں پر پٹی بندھ جاتی ہے کہ انسان پھر کبیرہ گناہوں کا بھی مرتکب ہو جاتا ہے اور وہ اسے ٹھیک سمجھتا ہے، اس لئے کہ شیطان کوئی نہ کوئی بہانہ بندے کو پیش کر دیتا ہے۔

ایک رشوت خور کی کٹ حجتی:

ایک رشوت لینے والے صاحب نے کہا کہ جی بات یہ ہے کہ ہم نے تو دو ہی روٹیاں کھانی ہوتی ہیں، باقی پھر بیوی بچوں کا پیٹ پالنا بھی تو فرض ہے نا۔ رشوت لینے کے لئے شیطان نے اس کے دل میں دیکھو کیا بہانہ ڈال دیا تو نتیجہ یہ نکلا کہ انسان اپنے عیبوں کو عیب ہی نہیں سمجھتا، جب عیب ہی نہیں سمجھتا تو پھر توبہ کی توفیق بھی نہیں ملتی۔

اولیاء کی صفت:

تو اپنے عیبوں پر نظر ہونا، یہ اولیاء کی صفت ہے۔ دوسروں کے عیبوں پر نظر ہونا، یہ فساق کی عادت ہے۔ اور آج پہلی عادت ہمارے اندر نہیں دوسری عادت زیادہ ہے۔ اس لئے آج کا عنوان رکھا گیا ''دیدِ قصور'' کہ ہمیں اپنے عیوب پر نظر ڈالنے کی عادت پڑ جائے۔

کئی لوگوں کو دیکھا بات کرتے ہوئے زبان سے گالیاں بہت بکتے ہیں، بات

بات پر گالی اور جب کہو کہ بھئی یہ کیا کر رہے ہو تو کہتے ہیں بھئی! ہم نے تو گالی نہیں دی، خود اپنی زبان سے ایک بات نکلتی ہے، اپنے کان نہیں سنتے، اتنا بھی بہرہ ہو جاتا ہے انسان۔ اور یہ بات تو آج بہت عام ہے، اپنی بات کو اپنے کان تھوڑے ہی سنتے ہیں۔ انسان بات سناتا ہے دوسروں کے لئے تبھی تو دوسروں پر اثر نہیں ہوتا۔ اس زبان سے نکلی ہوئی بات سننے کے لئے سب زیادہ قریب اپنے کان ہوتے ہیں، اگر ان کانوں نے یہ بات نہ سنی تو وہ کان کیسے سنیں گے، جو اتنا دور بیٹھے ہوئے ہیں۔ تو لوگوں کا قصور نہیں اپنا قصور ہے، ہم ہی نہیں اپنی بات سنتے کہ کیا کہہ رہے ہیں؟ آخر ہم نے بھی تو اس پر عمل کرنا ہے۔ مصلح بننا آسان ہے اور صالح بننا بڑا مشکل کام ہے۔ دوسروں کو روک ٹوک کر لیتا ہے بندہ کہ یہ نہ کرو وہ نہ کرو۔ یہ ایسے کرو وہ ایسے کرو۔ بڑی کمال کی تنقید کر لیتا ہے لیکن خود صالح بن کر رہنا یہ بڑا مشکل کام ہے۔ تو واعظ کو فقط مصلح ہی نہیں ہونا چاہیے صالح بھی ہونا چاہیے، تب دوسروں پر بات اثر کرتی ہے۔

پہلے عمل پھر نصیحت:

ہمارے بزرگ تو اس کا اتنا خیال کرتے تھے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک عورت بچہ لائی کہ اسے منع کریں کہ یہ گڑ نہ کھایا کرے۔ فرمایا، کل لے آنا۔ وہ اگلے دن لے کر آگئی، آپ نے سمجھایا کہ بچے گڑ نہ کھایا کرو۔ عورت جانے لگی مگر جاتے جاتے ذہن میں خیال آیا وہ کہنے لگی، امام صاحب یہ بات تو آپ کل بھی فرما سکتے تھے، آپ نے مجھے آج کا چکر کس مصلحت کے تحت لگوایا۔ فرمانے لگے کہ کل یہ بات کیسے کرتا کہ کل میں نے ہی گڑ کھایا ہوا تھا، اس لئے آج کا کہا کہ میں نہیں کھاؤں گا پھر بچے کو منع کروں گا کہ بچے تم بھی گڑ نہ کھایا کرو۔ تو ہمارے حضرات تو پہلے عمل کرتے تھے پھر بات کرتے تھے، پھر اس کا اثر ہوا کرتا تھا آگے۔

اپنی نظر میں چھوٹا دوسروں کی نظر میں بڑا:

اس لئے ہمارے اکابرین یہ دعا مانگتے تھے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی دعا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ فِیْ عَیْنِیْ صَغِیْرًا وَّ فِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ كَبِیْرًا

[اے اللہ مجھے اپنی آنکھوں میں چھوٹا بنا دے اور لوگوں کی نظروں میں بڑا بنا دے]

اپنی نظر میں چھوٹا کا مطلب یہ ہے کہ میرے سامنے میرے عیب واضح ہوں۔ مجھے اپنی اوقات کا پتہ ہو میں کہ کیا ہوں؟ تاکہ میرے اندر تواضع پیدا ہو، عجب نہ ہو، خود پسندی نہ ہو، تکبر نہ ہو۔ اور دوسروں کی نظر میں مجھے بڑا بنا دے کا کیا مطلب۔ کہ جب دوسروں کے دل میں عظمت اور محبت ہوگی تو دوسرے پھر بات مانیں گے۔ تو دوسروں کی نظر میں مجھے پر وقار بنا دیجئے تاکہ میں دین کی بات کروں تو لوگ بخوشی اس کو قبول کرلیں۔

دورنگی دور ہونی چاہیے:

اس لئے ہمارے اکابرین فرماتے تھے کہ خود کو ایسے ظاہر کرو جیسے ہو یا پھر ویسے بن جاؤ جیسے اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہو۔ دورنگی تو ختم ہونی چاہیے، یا تو جیسے ہیں ویسے اوپر سے بھی بنیں اور اگر نہیں تو پھر جیسے اوپر سے بنے ہوئے ہیں، اندر سے بھی ایسے ہی بن جائیں۔

اپنے عیب پہچاننے کے طریقے

اپنے عیب پہچاننے کے چند طریقے ہیں۔ ان طریقوں کے ذریعے سے انسان اپنے عیب پہچان سکتا ہے:

پہلا طریقہ

صحبت شیخ

اس میں سے ایک طریقہ کسی شیخ کامل کی صحبت میں رہنا ہے، شیخِ کامل کے زیرِ نظر رہنا۔ یہ جو شیخ کے ساتھ تعلق ہوتا ہے، یہ اصلاح کا تعلق ہوتا ہے، کوئی شعبدے اور کرامتیں دیکھنے کا تعلق نہیں ہوتا۔ سالک اپنے آپ کو اصلاح کے لئے پیش کرتا ہے اور شیخ پھر اس کو پیار محبت سے اور کبھی ڈانٹ کر غلطیوں کی نشاندہی کرتا ہے اور یہی نہیں بلکہ ان غلطیوں سے جان چھڑانے کے طریقے بھی بتاتا ہے۔ یہ نہیں کہ نقاد ہوتا ہے کہ غلطیوں پر تنقید کر دی بات ختم نہیں...... اسے لے کر چلنا ہوتا ہے، پھر سمجھاتا بھی ہے کہ اس برائی سے ایسے جان بچائیں اور اس کو ایسے چھوڑیں، اور پھر ان کے لئے تہجد کی نماز میں دعائیں بھی کرتا ہے۔ کہتا ہے، اے اللہ! ان گناہوں سے اس کو محفوظ فرما لیجئے۔ نتیجہ کیا ہوتا ہے کہ اخلاص سے مانگی ہوئی وہ دعائیں انسان کے کام آتی ہیں، اللہ تعالیٰ اصلاح کا راستہ ہموار فرما دیتے ہیں۔ یہ مشائخ کی دعائیں بڑے کام آتی ہیں۔

؎ دور بیٹھا کوئی تو دعائیں دیتا ہے
میں ڈوبتا ہوں سمندر اچھال دیتا ہے

انسان ڈوبنے لگتا ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت پھر اچھال دیتی ہے۔ تو یہ روک ٹوک کا تعلق ہوتا ہے۔ اسی لئے ہمارے اکابر فرماتے تھے کہ ہمارے مشائخ چپ شاہ نہیں ہوتے۔ چپ شاہ کہتے ہیں اس پیر کو کہ بس منہ بند کر کے بیٹھا رہے۔ مریدین سمجھ رہے ہیں، پیر صاحب بہت پہنچے ہوئے ہیں۔ ہمارے ہاں چپ شاہ نہیں ہے۔ روک ٹوک چلتی ہے، کبھی محفل میں اور کبھی تنہائی میں۔ کبھی گرمی سے بات سمجھاتے ہیں اور

کبھی نرمی سے بات سمجھاتے ہیں۔ نرمی بھی اللہ کے لئے ہوتی ہے اور گرمی بھی اللہ کے لئے ہوتی ہے، مقصد ہوتا ہے اگلا بات سمجھ جائے۔ تو مشائخ پھر بات سمجھاتے ہیں اور اس میں بھی بڑی حکمت کا خیال کرتے ہیں۔

حضرت مرشد عالمؒ کی حکمت:

ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ دو بچوں کے بارے میں کوئی شکایت سنی کہ یہ سبق کی طرف دھیان نہیں دیتے اور کلاس میں بھی بیٹھے شرارتیں کرتے رہتے ہیں، ان کو سمجھانے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ حضرتؒ کی حکمت دیکھئے کہ آپ درس کے بعد کمرہ جماعت میں تشریف لائے اور استاد سے پوچھا کہ بتائیں، آپ کی کلاس کے بچے کیسے پڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ بہت اچھا پڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ بھئی میں پھر کسی بچے کی منزل سنوں۔ انہوں نے کہا ہاں جی ضرور۔ تو حضرت نے جن بچوں کی شکایت ملی تھی، ان میں سے ایک کو کہا آپ فلاں فلاں پارہ یاد کر لو اور پھر مجھے ذرا کمرے میں آ کے منزل سنا دینا۔ پھر چلتے چلتے کہا، ایک ہی سنانے آئے گا، پوری کلاس میں دوسرا کوئی نہیں سنائے گا۔ اچھا تم بھی سنا دینا، دوسرے بچے کو بھی اشارہ کیا۔ ان دونوں کو کہہ دیا، نہ استاد کو خبر نہ کلاس کو خبر کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ اب وہ دونوں بچے جب سنانے کے لئے آئے تو حضرت نے پہلے علیحدہ علیحدہ تنبیہہ فرمائی پھر دونوں کو بٹھا کر تنبیہہ فرمائی۔ غلطی کی اصلاح بھی ہو گئی اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی۔ یہ مشائخ کے اصلاح کا طریقہ ہوتا ہے۔

شیخ کی نظر میں رہنے کا فائدہ:

اور کبھی کبھی کچھ ایسی باتیں ہوتی ہیں کہ بھری محفل میں کھال اتارنی پڑتی ہے۔ اس کے بغیر کام جو نہیں چلتا۔ اعلانیہ غلطی کی روک ٹوک بھی اعلانیہ اور جو چھپی غلطیاں

ہیں ان کی روک ٹوک بھی چھپ کر کرتے ہیں۔ اسی لئے تربیت کے معاملے میں یہ سسم (کیوں) جو ہے انتہائی ضروری ہوتی ہے۔ تو انسان اپنے آپ کو شیخ کی نظر میں رکھے تا کہ شیخ اس کو دیکھے کہ اس کی زندگی کیسی گزر رہی ہے۔ اور آجکل تو یہ حال ہے کہ قریب تو اس لئے نہیں ہوتے کہ روک ٹوک نہ کر دیں۔ خواب بھی سناتے ہیں تو خواب کا وہ حصہ سناتے ہیں جو اچھا سمجھتے ہیں اور دوسرے حصے کو وہ گول کر جاتے ہیں، ادھورے خواب سناتے ہیں۔ صرف اتنا خواب سنائیں گے کہ جس کو پڑھ کے شیخ تعریف کر دیں کہ بڑا اچھا خواب دیکھا۔ یعنی ایک مریض ایسا ہے جو کوشش کر رہا ہے کہ ڈاکٹر کو میری مرض کا پتہ نہ چلنے پائے۔ اب اگر وہ کامیاب ہو بھی گیا تو نقصان کس کا ہے۔ مریض کا ہی نقصان ہے حالانکہ اپنے عیب تو کھولنے چاہئیں، بتانے چاہئیں تا کہ ڈاکٹر اس کا علاج کر سکے۔ تو شیخ کامل کی نظر میں رہنا یہ بھی اپنے عیبوں کو پہچاننے کا بہترین طریقہ ہے۔

شیطان کے سبز باغ:

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید تھا، روز خواب میں جنت کے باغات دیکھتا تھا...... روز خواب میں جنت کے مناظر دیکھتا۔ چنانچہ یہ بات اس نے لوگوں میں بتا دی اور کمیونٹی میں پھیل گئی۔ ایک دن وہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا تو حضرت نے اس سے فرمایا کہ بات یہ ہے کہ اب اگر تم جنت دیکھو تو لاحول پڑھ دینا۔ اس کو بڑا غصہ آیا کہ میرے شیخ میرے درجات پر جیلسی فیل (حسد) کرنے لگ گئے ہیں۔ خیر گھر آ گیا۔ اللہ تعالیٰ کی شان، جب اس نے رات پھر وہی منظر دیکھا، شیخ کی توجہ تھی، شیخ کی اخلاص بھری دعائیں تھیں۔ چنانچہ خواب میں ہی اسے یاد آ گیا کہ مجھے تو شیخ نے کہا تھا لاحول پڑھنا، چلو میں پڑھ دیتا ہوں۔ جیسے ہی اس نے لاحول

پڑھا تو جو منظر تھا سب کا سب ختم ہو گیا۔ آنکھ کھل گئی۔ حیران ہوا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ اب شیخ کے پاس آ کر بات بتائی۔ شیخ نے فرمایا یہ شیطان تمہیں دنیا کا کوئی خوبصورت باغ دکھا کر تمہارے دل میں ڈال رہا تھا کہ تم تو جنت کی سیر کرتے ہو۔ تمہارے اندر عجب اور خود پسندی پیدا کر رہا تھا تا کہ اس ذریعے سے تمہیں تباہ کر دے۔ تم نے میری بات مان کر ایسا اچھا عمل کر لیا کہ اللہ نے تمہیں شیطان سے نجات عطا فرما دی۔ اب اگر وہ شیخ کو نہ بتاتا تو اپنے آپ میں پتہ نہیں کیا بنا پھرتا۔

شیطانی جال:

تو شیطان کے جال ہیں، کبھی ظلمانی ہیں اور کبھی نورانی ہیں۔ انسان سوچ بھی نہیں سکتا۔ چنانچہ شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جنگل میں بیٹھے خلوت میں مراقبہ کر رہے تھے۔ یک دم ایک نور کی طرح روشنی ظاہر ہوئی اور اس میں سے ایک آواز آئی۔ عبد القادر جیلانی! تمہارے اعمال قبول کر لیے گئے اب تم سے قلم اٹھا لیا گیا، جو چاہے تم کرتے پھرو۔ اب جب یہ پیغام سنا تو دل میں فوراً خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو فرماتے ہیں۔

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (الحجر:۹۹)

عبادت میں لگے رہیے حتیٰ کہ آپ کو موت آ جائے۔ اس دنیا سے آپ انتقال کر جائیں تو میرا کہاں سے مقام آ گیا کہ جیتے جاگتے ایسے درجے پر پہنچ گیا کہ قلم اٹھا لی گئی۔ تو آپ نے فرمایا **لا حول و لا قوۃ الا باللہ**، جب آپ نے کہا تو وہ تو شیطان تھا بھاگا وہاں سے مگر بھاگتے بھاگتے ایک بیک فائر کر گیا، دوسرا وار کر گیا۔ کہنے لگا، عبد القادر جیلانی! میں نے اس ذریعے سے سینکڑوں اولیاء کو دھوکا دیا مگر تو اپنے علم کی وجہ سے بچ گیا۔ اگر آپ کہہ دیتے ہاں تو آپ اس سے دوسرے دھوکے میں آ جاتے۔ آپ نے جیسے ہی اس کی بات سنی، آپ نے پھر کہا **لا حول و لا قوۃ**

الا بـالـلـه ، او مردود! میں اپنے علم کی وجہ سے نہیں بچا میں اپنے رب کے فضل کی وجہ سے بچ گیا۔

شیخ آئینے کی مانند ہے:

اب بتائیے کہ اس کے ہتھکنڈے ایسے ہیں تو پھر اس سے تو اللہ کی رحمت کی سے ہی بندہ بچ سکتا ہے، ہمارے بس میں تو نہیں ہے۔تو شیخ کامل کی نظر میں رہنے کا مقصد یہ ہے کہ شیخ آئینے کی مانند ہے، اس بندے کو اس کا چہرہ دکھا دیتا ہے۔ چنانچہ استاد کے بغیر انسان کی اصلاح نہیں ہوگی۔

ایک چھوٹی سی مثال...... جو طالبِ علم پرچہ کرنے بیٹھتا ہے، وہ جب ان کا جواب لکھتا ہے تو اس کے ذہن میں اس کے سارے جواب بالکل ٹھیک ہوتے ہیں۔ لیکن جب ممتحن کے ہاتھ میں جاتے ہیں تو وہ بتاتا ہے یہ ٹھیک ہے، یہ غلط ہے۔ اور طالب علم کہتا ہے، ہاں مجھ سے غلطی ہوگئی۔اب دیکھیں کہ خود جب اپنی رائے دینے کا موقع تھا تو اس کی نظر میں اس کا سارا پیپر بالکل ٹھیک تھا لیکن استاد کے ہاتھ میں گیا اب اسے معلوم ہوا کہ واقعی میں غلطی کرر ہا ہوں۔اسی طرح انسان اپنے عیبوں کی اصلاح خود کرنا چاہے تو وہ غلطی کر جاتا ہے۔اس لئے شیخ کامل کی صحبت میں رہنے سے اس کو اپنے صحیح عیوب کا پتہ چل جاتا ہے۔

اس لئے ہم نے اکثر دیکھا، ڈاکٹر جو بیمار ہوتے ہیں وہ اپنی دوائی خود نہیں لیتے، وہ اپنی نبض کسی اور سے چیک کرواتے ہیں، کسی دوسرے ڈاکٹر سے مشورہ لیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اپنے بارے میں اپنی رائے ٹھیک نہیں ہوتی، ناقص رائے ہوتی ہے بندے کی، تھرڈ پرسن کی رائے اچھی ہوتی ہے۔اسی طرح شیخ کی رائے سالک کے بارے میں ایسی ہوتی ہے کہ اس بندے کے عیوب اس کے سامنے کھل جاتے ہیں۔

دوسرا طریقہ

نیک دوستوں سے اصلاح کروانا

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ دین دار دوستوں کو یہ بتانا کہ بھئی اگر مجھ میں کوئی غلطی دیکھیں تو بتا دیا کریں۔ شیخ کی صحبت میں رہنا ہر وقت تو حاصل نہیں ہوسکتا، تو پھر جو دین دار دوست ہیں ان سے ایسی Understandging (ذہنی مطابقت) قائم کر لیں کہ انہیں کہہ دیا جائے کہ بھئی اگر آپ مجھ میں کوئی خامی دیکھیں تو مجھے بتا دیا کریں۔ ہمارا حال آجکل الٹا ہے، ہم دوست اسے سمجھتے ہیں جو ہماری تعریفیں کرے اور اگر کوئی غلطی کی نشاندہی کردے تو ہم اسے اپنا دشمن سمجھنے لگ جاتے ہیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ

''میں اس شخص کے لئے مغفرت کی دعا کروں گا، جو شخص میرے پاس میرے عیبوں کا تحفہ لائے گا۔''

تو ہم اپنے دوستوں سے برملا کہہ دیں کہ بھئی! اگر مجھ میں آپ کو کوئی کوتاہی نظر آئے، کوئی بات نظر آئے تو مجھے آپ نصیحت فرما دیا کریں، آپ کی مہربانی ہوگی۔ تو نیک اور دیندار دوست بھی بندے کی اصلاح میں معاون ہوسکتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگر کوئی ایسی بات دیکھتے تھے تو فوراً تنبیہ کردیتے تھے اور اس کی وجہ اخلاص ہوا کرتی تھی۔

صحابہ کرام کا طریقہ:

امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دو چادریں لے کر مسجد میں آئے تو ایک صحابی کھڑے ہو گئے کہ جی سب کو ایک چادر ملی آپ کو دو چادریں کیسے ملیں؟ تو آپ نے عبداللہ رضی اللہ عنہ، اپنے بیٹے کی طرف اشارہ کیا! اور کہا بیٹے اس کا جواب دو۔ تو وہ کھڑے ہوئے

کہنے لگے، ایک ایک چادر ہی سب کو ملی تھی، ابو کو بھی ایک چادر ملی تھی، ایک چادر مجھے ملی تھی، میں نے اپنی چادر اپنے ابو کو ہدیہ کر دی۔ اس لئے میرے ابو کے پاس اب دو چادریں موجود ہیں۔ تو یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معاملہ ہے۔

تنقید کرنے والے کی قدر:

ایک بادشاہ تھا۔ علماء کا بڑا قدر دان تھا، لیکن ایک عالم جب آتے تو ان کو تو وہ تخت پر بٹھاتا اور خود ان کے سامنے دوزانوں ہو کر بیٹھتا۔ وہ عالم بھی بڑے سادہ سے تھے، دیہات کے رہنے والے تھے، کوئی ایسی پھوں پھاں بھی نہیں تھی۔ دوسروں کو یہ بات بڑی محسوس ہوتی کہ ہم تو ان سے بڑے عالم اور زیادہ رتبے اور درجے والے ہیں، لیکن بادشاہ ان کی جو قدر کرتا ہے، وہ ہماری نہیں کرتا۔ تو ایک دن پوچھ ہی بیٹھے کہ جی کیا وجہ ہے آپ نے اپنی مسند پر کبھی کسی کو نہیں بٹھایا، فقط اسی کو بٹھاتے ہیں؟ اس نے کہا، بنیادی فرق یہ ہے کہ آپ لوگ آتے ہو تو آپ کو میری تعریف سے فرصت ہی نہیں ملتی، جتنی دیر بیٹھتے ہو میری تعریفیں کر کے الٹا میرے نفس کو اور بگاڑتے ہو۔ یہ خدا کا بندہ ایسا ہے کہ میرے اندر جب بھی کوئی عیب دیکھتا ہے فوراً اچھے انداز سے تنبیہہ کر دیتا ہے، لہٰذا یہ میرے استاد کی مانند ہے، میں اسے تخت پر بٹھا کے دو زانوں ہو کے اس کے سامنے بیٹھتا ہوں۔

تو یہ بات ذہن میں رکھنا کہ ڈاکٹر جب آپریشن کرتا ہے، بندے کا جسم کاٹتا ہے اوراس کے اندر سے گند نکالتا ہے، ٹانکے نکالتا ہے، تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن جب اس بندے کو صحت ملتی ہے تو وہ اسی سرجن کا بڑا احسان مند ہوتا ہے کہ جی آپ نے میرے اوپر بڑا احسان کیا۔ اس نے چھریاں چلائیں اس کے جسم کو کاٹا وہ اس کو احسان مان رہا ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح جب سالک کی اصلاح ہوتی ہے اور اس کو شریعت پر استقامت نصیب ہوتی ہے۔ سالک اپنے شیخ کا احسان مانتا ہے کہ آپ نے میری

اصلاح فرمائی، میں ساری زندگی آپ کا احسان اتار نہیں سکتا۔ تو اپنے دوستوں کو کہنا چاہیے کہ وہ بھی بندے کی اصلاح کریں اچھے طریقے سے۔

ایک بڑے میاں کی اصلاح:

حسنین کریمین دونوں نے ایک دفعہ ایک بڑے میاں کو دیکھا کہ وضو میں غلطی کر رہے ہیں۔ اب سوچا کہ بڑے میاں کو کیسے بتائیں؟ تو ان میں سے ایک آئے اور ان سے کہنے لگے کہ میں نے وضو کرنا سیکھا ہے اور مجھے یقین نہیں کہ میں پوری طرح ٹھیک وضو کرتا ہوں یا نہیں، آپ میرا وضو دیکھیں۔ چنانچہ انہوں نے بیٹھ کر وضو کیا، جب انہوں نے ٹھیک وضو کیا تو بڑے میاں کو غلطی کا احساس ہو گیا۔ کہنے لگے بچو تم نے مجھے بڑے اچھے انداز سے نصیحت کر دی۔ تو ہمارے اکابرین کا یہ ماحول تھا چھوٹا بڑا جو کوئی یہ بات دیکھتا تھا، اچھے انداز سے پیار کے انداز میں اس کی اصلاح کر دیا کرتا تھا۔

مخلصانہ محاسبہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو گورنر مقرر کیے گئے تھے، آپ ان کے بارے میں خیر خبر رکھا کرتے تھے، اس معاملے میں بہت ٹائیٹ تھے کہ یہ کام ٹھیک کر رہے ہیں یا نہیں کر رہے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ حمس کے گورنر تھے، ان کے بارے میں رپوٹ ملی کہ لوگوں کو ان سے بڑی شکایتیں ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ بڑے حیران کہ میں نے تو ان کو رکھا اس لیے تھا کہ نیک متقی پرہیز گار آدمی ہیں لیکن پتہ نہیں لوگوں کو کیا شکایت ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ عمر رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے کہا کہ بھئی بات یہ ہے کہ لوگوں کو آپ سے بہت اعتراض ہے۔ چنانچہ لوگوں کو بھی بلا لیا اور گورنر صاحب کو بھی بلا لیا۔ لوگوں سے پوچھا آپ کو کیا اعتراضات ہیں۔ لوگوں نے کہا جی ہمیں ان سے تین اعتراض ہیں۔ بھئی کون کون سے؟ جی پہلا اعتراض تو یہ ہے کہ یہ صبح کے وقت اپنے گھر سے دیر سے آتے

ہیں ۔فرمایا، آپ اس کا جواب دیجئے ۔ وہ کہنے لگے کہ جی دیر سے میں اس لئے آتا ہوں کہ میرے گھر میں کوئی کام کرنے والی خادمہ تو ہے نہیں ۔ بیوی اکیلی ہے بچے بھی ہیں تو کام کاج میں اس کی مدد کرنی پڑتی ہے ۔ میں بچوں کو سنبھالنے میں مدد دیتا ہوں، میری بیوی کھانا بنالیتی ہے، پھر وہ کھانا کھا کر میں اپنے کام کے لئے آجاتا ہوں، اس لئے مجھے کچھ دیر لگ جاتی ہے ۔ کہا یہ تو پھر جائز بات ہے ۔

دوسرا اعتراض، کہنے لگے جی یہ رات کو بالکل کسی کی بات سنتے ہی نہیں ۔ منع ہی ہے کسی کا ان کے گھر کی طرف جانا ۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس کا جواب دیں ۔ وہ کہنے لگے کہ بات یہ ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں یہ نیت کی تھی کہ یہ راز میں کبھی نہیں کھولوں گا ۔ اب آپ امیر المومنین ہیں تو مجھے بتانا پڑ رہا ہے کہ میں نے دل میں نیت کی کہ میرا دن اللہ کے بندوں کے لئے اور میری رات ان بندوں کے خالق کے لئے ہے ۔ تو میں ساری رات اپنے گھر میں عبادت کرتا ہوں اور میں نہیں چاہتا کہ میری عبادت میں کوئی مخل ہو ۔ اس لئے دن کا وقت میں نے بندوں کے لئے متعین کرلیا ۔ رات کا وقت اپنے خالق کے لئے اس لئے میں گھر کے اندر ہی رہتا ہوں ۔

اچھا بھئی تیسری بات کہنے لگے کہ ہفتے میں ایک دن تو گھر سے نکلتے ہی نہیں ہیں، دن میں بھی نہیں نکلتے ۔ سعید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ امیر المومنین! بات یہ ہے کہ میرے پاس یہی ایک کرتہ ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں، میرے پاس دوسرا لباس نہیں ہے ۔ جمعہ کے دن میں فجر کے بعد اپنے ان کپڑوں کو دھو کے لٹکا دیتا ہوں اور خود کوئی تہبند باندھ لیتا ہوں ۔ جتنی دیر میں کپڑے خشک ہوتے ہیں، میں نہا لیتا ہوں ۔ پھر کپڑے بدل کے جمعہ کی نماز کے لئے آتا ہوں ۔ جتنا وقت مجھے کپڑوں کے دھونے میں لگتا ہے ۔ اتنا وقت میں کام سے چھٹی کرلیا کرتا ہوں ۔ یہ اس وقت کے گورنر تھے ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ الحمدللہ، اللہ تعالیٰ نے جو میرا انتخاب تھا وہ صحیح نکالا اور

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر رحمت فرمادی۔تو گورنروں کے بھی حالات کا کھوج رکھا کرتے تھے۔تو اس طرح اگر کوئی نیک دوست ہوگا تو وہ بندے کے اتار چڑھاؤ کو دیکھے گا، روز وشب کو دیکھے گا تو وہ پھر اخلاص سے بتائے گا کہ آپ یہ ٹھیک کرر ہے ہیں اور آپ یہاں پر ٹھیک نہیں کرر ہے۔

مومن مومن کا آئینہ ہے:

اسی لئے کہتے ہیں:

المرء علیٰ دین خلیله

(انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے)

فلینظر احدکم من یجالس

(دیکھو کہ کون کس کے پاس بیٹھتا ہے)

کہ تم دوست کے دین پر آجاؤ گے، تو نیک دوست اگر بنا لیئے جائیں تو وہ انسان کو نیکی کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔حدیث پاک میں فرمایا گیا

المومن مرء ة المومن (مشکوۃ شریف: ۴۲۴)

[مومن مومن کا آئینہ ہے]

آئینہ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح آئینے میں انسان اپنی شکل دیکھتا ہے تو انسان کو اپنا چہرہ نظر آتا ہے۔اسی طرح انسان کو اس کا دوست اس کی شکل دکھا دیتا ہے۔ آج تو اگر دوست کوئی بات کر دے تو اس کو دشمن سمجھنا شروع کر دیتے ہیں۔میرے دوستو! اگر آئینہ بتائے کہ تمہارے چہرے پر سیاہی لگی ہوئی ہے تو کبھی کسی نے آئینے کو توڑا کہ کیسا واحیات آئینہ ہے۔میرے چہرے کے اوپر یہ سیاہی دکھا رہا ہے۔ہر بندہ کہتا ہے شکر ہے آئینہ دیکھ لیا مجھے پتہ چل گیا داغ لگا ہے۔فوراً جا کر داغ کو دھوآتا ہے۔اسی طرح اگر کوئی دوست اس کو اس کی غلطی بتا دے تو وہ برانہیں ہوتا، وہ تو

آئینے کی طرح اس کو حقیقت دکھا رہا ہوتا ہے۔ اس لئے غلطی بتانے والے کو کبھی بھی دشمن نہیں سمجھنا چاہیے۔ ہمیشہ اپنا محسن سمجھنا چاہیے کہ اس نے میری اصلاح میں میری مدد کی۔ یہ ہے دوسرا طریقہ۔

تیسرا طریقہ

اپنے دشمنوں سے اصلاح

تیسرا طریقہ اپنے عیب جاننے کا یہ ہے کہ انسان اپنے دشمنوں سے اپنے بارے میں رائے معلوم کرے۔ دشمن انسان کے اوپر بڑا بہترین تبصرہ کرتے ہیں۔ ان کی بھی باتیں سنیں ہوسکتا ہے کہ وہ کوئی باتیں ٹھیک کر رہے ہوں۔ کئی مرتبہ اللہ تعالیٰ بندے پر تھانیدار فٹ کر دیتے ہیں۔ یہ رو رو کے دعائیں مانگتا ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْم

(اللہ مجھے سیدھا راستہ دکھا دیجئے)

اللہ تعالیٰ کچھ مخالف پیدا کر دیتے ہیں، وہ تنقید کرتے رہتے ہیں اور بندہ ڈر کے مارے برے کام سے بچ کر بالکل سیدھا چل رہا ہوتا ہے۔ یہ اس کی اپنی دعائیں ہوتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تھانیدار فٹ کر دیئے۔ ذرا سی کوئی بات ہوتی ہے، وہ فوراً اس کو اچھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو یہ ڈر کے مارے غلطی کرنے سے بچا ہوتا ہے۔ تو کئی مرتبہ دشمنوں کا تبصرہ بھی بندے کے کام آجاتا ہے۔

مخالفین کے بارے میں اکابر کا طرز عمل:

☆ ...... حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ علیہ جن دنوں نابینا ہو گئے تھے۔ اپنے شاگردوں کو فرماتے تھے کہ ذرا ہمارے مخالفین کا بھی لٹریچر پڑھو اور دیکھو کہ ہمارے بارے میں وہ کیا کہتے ہیں۔ شاگرد کہتے ہیں کہ حضرت کیا پڑھنے کی ضرورت ہے،

انہوں نے آپ کے خلاف مغلظات بکی ہوں گی۔ فرماتے تھے کہ ممکن ہے کوئی بات ایسی بھی لکھی ہو کہ جس میں ہمارے لئے اصلاح کی گنجائش نکل آتی ہو۔ ہمارے اکابر کا یہ حال تھا۔

☆...... بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ جا رہے تھے۔ ایک عورت نے کہا او ریاکار!، تو حضرت کہنے لگے اللہ تیرا بھلا کرے مدت کے بعد تو نے میری اصلیت کو پہچانا ہے۔

☆......ایک بزرگ تھے ان کو کسی نے بھری مجلس میں طعنہ دیا کہ تمہارے اندر تو یہ بھی عیب ہے...... یہ بھی عیب ہے۔ اصل میں تو وہ ان کو لوگوں کے سامنے بے عزت کرنا چاہتا تھا۔ تو جب اس نے کہا کہ تمہارے اندر یہ بھی عیب...... یہ بھی عیب ہے۔ تو وہ مسکرا پڑے۔ میرے بھائی تم نے تو تھوڑے بتائے، میرے اندر تو اس سے بھی زیادہ عیب موجود ہیں۔ چنانچہ وہ جو مقصد تھا اس کا کہ آپ کو غصے میں لائے اور کوئی فتنہ پھیلائے تو وہ مسئلہ ختم ہو گیا۔

☆...... چنانچہ مطرف بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مخالف ملا اور اس نے جلی کٹی سنانی شروع کر دیں۔ وہ اپنی بستی کی طرف جا رہے تھے یہ بھی ساتھ ساتھ چلتا جا رہا تھا اور ان کو گالیاں اور الٹی سیدھی کہتا جا رہا تھا۔ جب وہ اپنی بستی کے قریب پہنچ گئے تو کھڑے ہو گئے اور کھڑے ہو کر کہنے لگے، اے بھائی! بستی میں جو لوگ ہیں وہ میرے ساتھ محبت اور عقیدت رکھتے ہیں۔ اگر میرے خلاف باتیں سنیں تو ہو سکتا ہے تمہیں ماریں یا کچھ اور کریں میں اس لئے کھڑا ہو گیا کہ تمہیں اور جو کچھ کہنا ہے وہ ادھر ہی کہہ لو۔ آگے نہ جاؤ کہیں وہ تمہیں نقصان نہ پہنچائیں۔

تو ہمارے مشائخ اپنے دشمنوں کی بھی بات تحمل مزاجی سے سن کر سوچتے تھے کہ کہیں کوئی ایسی بات تو نہیں کہ واقعی جس میں سے اصلاح کا پہلو نکلتا ہو۔ تو یہ تیسرا طریقہ ہے اپنے عیب پہچاننے کا۔

چوتھا طریقہ

دوسروں سے عبرت پکڑنا

چوتھا طریقہ اصلاح کا ہے کہ دوسروں کی غلطیوں سے عبرت پکڑنا۔ اگر کوئی بندہ کوئی غلطی کرے تو انسان عبرت پکڑے کہ میں نے آج کے بعد ایسا کام نہیں کرنا۔

السعید من وعظ لغیرہ

(سعید وہ ہوتا ہے کہ جو دوسروں سے عبرت پکڑے)

اور شقی وہ ہوتا ہے کہ جو خود اس پر گزرتی ہے تب اس کو سمجھ آتی ہے کہ مجھے یوں کرنا ہے، اپنے سے عبرت پکڑتا ہے۔

حضرت لقمان علیہ السلام سے کسی نے پوچھا تھا کہ حضرت آپ دانا کیسے بنے؟ توجہ طلب بات ہے۔ اس نے پوچھا، آپ نے حکمت کہاں سے سیکھی؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ ''میں نے حکمت بے وقوفوں سے سیکھی''۔ وہ حیران ہوا کہ حکمت اور بے وقوفوں سے۔ فرمانے لگے، ہاں، جب میں کسی بے وقوف کو بے وقوفی کرتے دیکھتا۔ میں فوراً نوٹ کرتا کہ مجھے یہ کام ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔ تو میں نے دوسروں سے عبرت پکڑی اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے وقت کا دانا اور حکیم بنا دیا۔

مزاجِ شریعت:

اس لئے جب شریعت کی حدود قائم ہوتی ہیں اور سزائیں دی جاتی ہیں تو شریعت نے حکم دیا کہ تم میں سے ایک مجمع اکٹھا ہو جائے اور لوگوں کو اکٹھا کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اکٹھے ہونے والے عبرت حاصل کریں کہ اس نے چوری کی ہے تو ہاتھ کٹوا لیے ہیں۔ ہم نے آج کے بعد چوری نہیں کرنی۔ فلاں نے جرم کیا سزا ملی، ہم نے جرم نہیں کرنا۔ تو شریعت بھی چاہتی ہے کہ انسان دوسروں سے عبرت پکڑے اور

اپنی کوتاہیوں سے معافی مانگے۔

کوے اور کتے کی مثال:

کہتے ہیں کہ کوا عبرت پکڑتا ہے، کتا عبرت نہیں پکڑتا۔ چنانچہ کتا اگر کسی مردار کو کھا رہا ہو اور اس کتے کو کوئی مار دے تو دوسرے دن کوئی نیا کتا آ کر کھڑا ہو گا مردار کو کھانے کے لئے، تو کتا عبرت نہیں پکڑتا۔ لیکن اگر کہیں کسی جگہ کسی کوے کو مار دیا جائے تو پھر کوے ایسا شور مچا کے Message (پیغ[illegible] دیتے ہیں کہ اس علاقے میں کچھ عرصے کے لئے کوے آنا ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ تو کوا عبرت پکڑتا ہے، کتے کے اندر گوشت کی اتنی محبت ہوتی ہے کہ یہ عبرت نہیں پکڑتا۔ اسی طرح دنیا دار بھی عبرت نہیں پکڑتے۔ روز دیکھتے ہیں کہ فلاں بندے نے سود پر پیسے لیے اس کا کاروبار ڈوب گیا، پھر بھی یہ لے رہے ہوتے ہیں۔ پتہ بھی ہے کہ فلاں ڈوبا پھر خود بھی لے رہے ہوتے ہیں۔ پتہ بھی ہے کہ فلاں بندہ صدر بنا تو ملک بدر ہوا پھر اس کے بعد نیا آدمی کھڑا ہوتا ہے جی مجھے صدر بنا دیجئے۔ عبرت نہیں پکڑتے کہ پہلوں کا کیا بنا۔ عبرت پکڑنا عقلمند انسان کا کام ہوتا ہے۔ اس لئے کہتے ہیں کہ عقل مند دوسروں کی غلطیوں سے سبق سیکھتا ہے اور بے وقوف انسان اپنی غلطیوں سے سبق سیکھتا ہے۔

اپنا محاسبہ ضروری ہے:

اپنا محاسبہ روزانہ کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرنی چاہیے کہ رب کریم ہماری غلطیاں ہماری نظر میں واضح فرما دے، یہ محاسبہ انتہائی ضروری ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔

حَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا

[تم اپنا محاسبہ کرو اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے]

اپنا محاسبہ انسان خود کرلے۔ ایک عالم تھے حضرت خواجہ برھان الدین رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ وہ حضرت کے پاس آئے اور کہنے لگے حضرت جس قدر اپنے نفس کے عیوب دور کرتا ہوں، اسی قدر اور زیادہ مجھے نظر آتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا انسان کامل کی یہی پہچان ہے۔تو انسان کامل کی یہی پہچان جتنے عیب وہ نکالتا ہے اس کو اپنے اندر اس سے بھی زیادہ عیب نظر آرہے ہوتے ہیں۔

تصوف وسلوک کی محنت کا بنیادی مقصد:

یہ جو تصوف وسلوک کی محنت کروائی جاتی ہے، ذکر اذکار اور اسباق کروائے جاتے ہیں، ان کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ انسان پر اس کے عیوب واضح ہوجائیں اور اس کی روحانی بیماریوں کی اصلاح ہوجائے، اس کی رگ رگ سے گناہوں کا کھوٹ نکل جائے۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو عیب زدہ اور گناہ گار دیکھتا ہے لہٰذا اس کی طبیعت میں نرمی پیدا ہوکر اخلاق خود بخود دسنور جاتے ہیں۔ ہمارے مشائخ یہ جو لطائف کا ذکر اور مراقبے کرواتے، دراصل ہر لطیفے کے ساتھ کوئی نہ روحانی مرض وابستہ ہے، جب یہ لطیفہ ذکر کے نور سے منور ہوجاتا ہے تو اس روحانی مرض کی اصلاح ہوجاتی ہے۔ مثال کے طور پر......

لطیفہ قلب سے پر ذکر کرنے سے شہوت کی اصلاح ہوتی ہے۔
لطیفہ روح پر ذکر کرنے سے، غصہ اور حسد کی اصلاح ہوجاتی ہے۔
لطفیہ سر پر ذکر کرنے سے بخل کی بیماری سے نجات مل جاتی ہے۔
لطیفہ خفی پر ذکر کرنے سے حرص وطمع کی بیماری دور ہوجاتی ہے۔

اور لطیفہ اخفی پر ذکر کرنے سے تکبر جیسی مہلک مرض سے جان چھوٹ جاتی ہے۔
پھر انسان دوسرے سب لوگوں کو اپنے آپ سے بہتر اور اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھنے لگتا ہے۔

اپنے آپ کو کمتر سمجھیں

..... ہر چھوٹے اور بڑے سے:

چنانچہ ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ آدمی اپنے آپ کو دوسروں سے کمتر سمجھے۔ یہ بات ذرا توجہ طلب ہے، حضرات ذرا دل کے کانوں سے سنیں، فائدہ ہوگا۔ ہے سادہ سی بات مگر اہم بات ہے۔ ہمارے مشائخ نے لکھا کہ انسان اپنے آپ کو دوسروں سے کمتر سمجھے۔ دوسروں سے کیا مراد تمام لوگ وہ بڑی عمر کے لوگ ہوں یا چھوٹی عمر کے۔ بڑی عمر کے لوگوں سے کمتر کیسے سمجھے کہ دل میں یہ سوچے کہ یہ عمر میں بڑے ہیں۔ ان کو اللہ نے لمبی عمر دی ..... زیادہ وقت دیا..... انہوں نے زیادہ نیکیاں کی ہوں گی اور ان کی نیکیاں تو میری نیکیوں سے زیادہ ہیں۔ لہٰذا یہ مجھ سے بہتر ہیں اور میں ان سے کمتر ہوں۔ اور اگر عمر میں چھوٹا ہو تو اس کو یہ سمجھیں کہ یہ چھوٹا ہے۔ اس نے تھوڑی عمر گزاری تھوڑے گناہ کیے۔ اس کے گناہ تھوڑے ہیں، میرے گناہ زیادہ ہیں۔ لہٰذا مجھ سے یہ چھوٹی عمر کا لڑکا زیادہ بہتر ہے۔ تو بڑی عمر والے کو بھی اپنے سے بہتر سمجھیں اور چھوٹی عمر والے کو بھی اپنے سے بہتر سمجھیں۔

...... ہر عالم اور جاہل سے۔

آگے ایک اور پوائنٹ۔ عالم کو بھی اپنے سے بہتر سمجھیں اور بے عمل غافل کو بھی اپنے سے بہتر سمجھیں۔ اب یہ بات ذرا عجیب ہوگی۔ عالم کو تو بہتر سمجھنا آسان کہ انسان یہ سمجھے کہ بھئی اللہ نے اسے علم دیا، نبی علیہ السلام کا وارث بنایا۔ لہٰذا یہ ہم سے بہتر ہے۔ لیکن جاہل کو بھی بہتر سمجھیں اس کی کیا وجہ۔ بات یہ ہے کہ اللہ نے اگر ہمیں علم دے دیا اور ہم پھر بھی عمل نہ کریں تو یہ علم روز قیامت ہمارے اوپر حجت ہوگا اور ہماری پکڑ زیادہ سخت ہوگی بنسبت اس شخص کے کہ جس میں علم کی کمی تھی۔

......ہر فاسق وفاجر سے:

عالم کا بہتر ہونا، یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے۔لیکن یہ سمجھنا کہ یہ فاسق بندہ جو کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہو رہا ہے، بے نمازی بندہ یہ بھی مجھ سے بہتر ہے۔اس کے لئے نفس آمادہ نہیں ہوتا۔نفس کہتا ہے جی کیسے وہ ہم سے بہتر ہے؟ ہم بہتر ہیں۔مگر بزرگوں نے کہا کہ نہیں اس کو بہتر سمجھو۔وہ کیسے؟ اس لئے کہ اگرچہ اس وقت وہ آدمی گناہ کر رہا ہے اور اس کے گناہ بہت زیادہ ہیں۔شریعت یہ کہتی ہے کہ جب کوئی بندہ سچی توبہ کر لیتا ہے۔

﴿ أُولَئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنَاتٍ ﴾ (غفران:٧٠)

[اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیتا ہے]

لہٰذا اس بات کے چانسز موجود ہیں کہ وہ بندہ کسی وقت بھی سچی توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دے گا اور اس کی نیکیاں پھر ہماری نیکیوں سے زیادہ ہو جائیں گی۔لہٰذا چانس موجود ہے کہ وہ ہم سے زیادہ بڑھ جائے۔تو اس لحاظ سے یہ سوچنا کہ جو گناہگار ہے وہ بھی ہم سے بہتر ہے، یہ سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

......کافر سے بھی کمتر:

لیکن ایک بات بڑوں نے اور لکھی وہ فرماتے ہیں۔کافر کو بھی اپنے سے بہتر سمجھیں۔اب یہ بات سمجھنی اور مشکل کہ کیسے کافر کو بھی اپنے سے بہتر سمجھیں؟ اس کے لئے تو نفس آمادہ نہیں ہوتا۔وہ کہتا ہے جی کلمہ گو مومن ہے اور وہ کافر ہے۔ہم کافر کو اپنے سے بہتر کیسے سمجھیں؟

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات میں لکھا ہے کہ سالک

اس وقت تک اللہ کا قرب نہیں پا سکتا جب تک وہ اپنے آپ کو کافر فرنگ سے بھی بدتر نہ سمجھے۔اب یہ بات سمجھنی بڑی مشکل چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کسی نے یہ مسئلہ پیش کیا۔کسی نے کہا حضرت حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیت اور انہوں نے ایسی بات لکھ دی ہے کہ اپنے آپ کو کافر سے بھی بدتر سمجھے تو حضرت نے بات کھول کر سمجھا دی۔فرمانے لگے کہ دیکھو۔

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِیْمِ.

[اعمال کا دارومدار تو انجام کے اوپر ہے]

احتمال ہے کہ زندگی میں ہم سے کوئی غلطی ہو جائے اور ہم ایمان سے محروم ہو جائیں اور کوئی قبولیت کا وقت آجائے اور یہ بندہ ایمان کو قبول کر لے اسے ایمان پر موت آجائے اور ہم فتنے میں الجھ جائیں۔اس لئے سمجھے کہ مجھ سے تو یہ بھی بہتر ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ یہ بات کہتے تھے کہ ''مومن کو حالاً اپنے سے بہتر سمجھو اور کافر کو احتمالاً اپنے سے بہتر سمجھو'' مومن کو حالاً اپنے سے بہتر سمجھو کہ وہ اس وقت بھی مجھ سے بہتر ہے جس حال میں ہے۔اور کافر کو احتمالاً اپنے سے بہتر سمجھو کہ احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ایمان عطا فرما دیں۔

الاسلام یھدم من کان قبلہ

[اسلام اپنے سے پہلے سب گناہوں کو دھو دیتا ہے]

چنانچہ وہ گناہوں سے پاک ہو کر جائے گا مجھ سے تو پھر وہ بہتر ہو جائے گا۔تو اب یہ مسئلہ سمجھنا آسان ہو گیا۔

......خسیس کتے سے بھی بدتر:

بلکہ امام صاحب نے امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب بات لکھی۔وہ فرماتے ہیں، اپنے آپ کو خسیس کتے سے بھی بدتر سمجھے۔دیکھا نفس کو ایسا

رگڑا دیا ہے ہمارے مشائخ نے کہ مزہ آجاتا ہے۔ اپنے آپ کو خارش زدہ کتے سے بھی بدتر سمجھے۔ اب نفس آمادہ نہیں ہوتا کہ جی ہم انسان ہیں، اشرف المخلوقات ہیں، ہم کیسے برے ہو گئے اور کتا بہتر ہو گیا۔

ہمارے مشائخ نے بات سمجھائی۔ وہ کہتے ہیں کہ کتے کا اپنے مالک سے تعلق دیکھو اور اپنا اپنے مالک سے تعلق دیکھو تو تمہارا دل گواہی دے گا کتا اپنے مالک کا زیادہ وفادار ہے، ہم اپنے مالک کے اتنا وفادار نہیں۔ تو بات تو بالکل ٹھیک ہے۔ مثلاً کتا اپنے مالک کا گھر چھوڑ کر کبھی نہیں جاتا۔ کتے کو ڈنڈے مارے جوتے مارے اس کا مالک جو مرضی کرے۔ وہ ذرا سا آنکھ سے اوجھل ہو گا پھر دروازے پر آ کر بیٹھ جائے گا۔ کتا اپنے مالک کا در چھوڑ کے کبھی نہیں جاتا۔ مگر مومن کا حال دیکھو ذرا سی کاروباری پریشانی آئی اور یہ مسجد کا دروازہ بھول گیا۔ ایک مہینے سے مسجد ہی نہیں آ رہے۔ ارے صاحب! کیا ہوا؟ او جی کچھ کاروباری پریشانی ہے۔ ذرا ٹھیک ہو جائے تو مسجد آؤں گا۔ کاروباری پریشانی پر مسجد کا دروازہ ہی بھول گئے۔ تو ہم سے تو کتا ہی بہتر ہے کہ جس کو جوتے پڑتے ہیں اور اس کے باوجود وہ مالک کا در نہیں چھوڑتا۔ ہمیں ذرا سی کوئی پریشانی آتی ہے ہم اپنے مالک کا در اسی وقت چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ تو واقعی اگر ہم اپنی اوقات دیکھیں تو بات اسی طرح ہے کہ ہم سے کتا اپنے مالک کا زیادہ وفادار ہے۔

ایک نکتے کی بات:

ایک نکتے کی بات یاد رکھیے یہ عاجز اپنی بات سمیٹ رہا ہے۔ نکتے کی بات یہ ہے کہ انسان اپنے بارے میں ہمیشہ خوش فہمی میں مبتلا ہوتا ہے۔ جبکہ مشائخ کی صحبت میں آتا ہے تو مشائخ اس کو اپنے بارے میں بدگمان کر دیتے ہیں۔ دوسروں کے بارے میں خوش فہمی اپنے بارے میں بدگمانی۔ جبکہ عام بندہ اپنے بارے میں خوش فہمی

اور دوسروں کے بارے میں بدگمانی۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں:

مرا پیر دانائے مرشد شہاب
دو اندر سے فرمود بر روئے آب
یکے آں کے برخیر بد مین مباش
دگر آں کے برخیش خود بین مباش

میرے شیخ نے دریا کے کنارے دو لفظوں میں مجھے تصوف سمجھا دیا، معرفت کا نچوڑ سمجھا دیا۔ وہ کیا تھا کہ دوسروں کے اوپر بد بین نہ ہونا اور اپنے اوپر خود بین نہ ہونا، بس دو باتیں جس نے سمجھ لیں، اس نے گویا پوری معرفت کو سمجھ لیا۔ دوسروں کے اوپر بد بین نہ ہونا یعنی دوسروں کی غلطیاں تلاش نہ کرنا اور اپنے بارے میں خوش فہمی میں نہ رہنا۔ بلکہ اپنے بارے میں بد بین ہونا اپنی غلطیاں دیکھنا کہ میرے اندر کیا کوتاہیاں ہیں۔ اور کتنی عجیب بات ہے کہ انسان کو دوسروں کی غلطیوں کا اگر شک بھی پڑ جاتا ہے انسان ان سے نفرت کرنے لگ جاتا ہے۔ جب کہ اپنی غلطیوں کا یقین ہوتا ہے پھر بھی اپنے نفس کے ساتھ محبت کرتا ہے۔

آخری بات:

آج کا موضوع بے مزہ سا تھا۔ چونکہ اپنی غلطیاں ماننے کو دل نہیں کرتا، لیکن آپ حضرات چونکہ تشریف لائے، بڑے صبر کے ساتھ آپ بیٹھے رہے اور اپنے خلاف باتیں سنتے رہے، اب آخری بات اس کے بعد دعا۔ اور یہ بات توجہ طلب ہے بالخصوص علماء کے لئے صبح یہ بات دل میں آئی تھی لیکن پہلے سوچا کہ نہ کہیں تو اچھا ہے لیکن اب یہاں بیٹھے ہیں، امانت کا تقاضا یہ ہے کہ دل میں جو متعلقہ بات آرہی ہو وہ کہہ دینی چاہیے۔ قرآن مجید کی ایک آیت ہے:

لَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ کِتَابًا فِیْهِ ذِکْرُکُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (الانبیاء:۱۰)

[تحقیق ہم نے آپ پر کتاب نازل کی جس میں کہ تمہارا ذکر موجود ہے۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے]

تو قرآن مجید کی آیت بتا رہی ہے کہ قرآن مجید میں ہمارا بھی تذکرہ موجود ہے۔ معلوم ہوا کہ اگر ہم قرآن مجید کی طرف رجوع کریں، تو ہمارا تذکرہ قرآن مجید میں کہیں نہ کہیں موجود ہے۔ کس آیت میں موجود ہے؟ وہ آیت ڈھونڈنی پڑتی ہے کہ کس آیت کے ہم مصداق ہیں۔ اس عاجز نے آج اس آیت کو مدنظر رکھتے ہوئے جب قرآن کا آئینہ دیکھا تو ایک آیت بالکل اپنے اوپر فٹ ہوتی نظر آئی۔ علماء ترجمہ سمجھتے ہیں، وہ سمجھ جائیں گے اور اصل میں ان کو ہی اشارہ کرنا کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک جگہ ایک بندے کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اس عاجز کو قرآن کے آئینے میں وہ بندہ اپنی ذات نظر آتی ہے۔ ہو بہو وہ آیت فٹ ہوتی ہے اور جب اس کو پڑھتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ہمارا تذکرہ بھی کر دیا۔ بس اس آیت کو ذرا تنہائی میں بار بار پڑھیں تو اپنی اوقات کا پتہ چل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ﴾ (النحل: ۷۶)

اور اللہ تعالیٰ مثال بیان فرماتا ہے دو میں سے ایک بندے کی جو غلام ہے لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ کسی چیز پر اس کی قدرت نہیں، پلے اس کے کچھ بھی نہیں۔ مگر حالت کیا ہے وَهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰهُ اپنے مالک کے اوپر بوجھ بنا ہوا ہے۔ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ جہاں بھی جاتا ہے کہیں سے خیر نہیں لے کر آتا۔ ذرا تنہائی میں اس آیت کو پڑھ کر دیکھنا کہ کہیں ہم بھی بوجھ تو نہیں بنے ہوئے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان اور جنوں میں سے جو کبائر کے مرتکب ہیں، ان کو اپنی زمین کا بوجھ کہا ہے۔

فرمایا:

﴿ سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَا الثَّقَلَانِ ﴾ (الرّحمٰن:۳۱)

[اے میری زمین کے بوجھو، ہم اپنے آپ کو تمہارے لئے فارغ کر رہے ہیں]

جو کبائر کے مرتکب ہوتے ہیں، وہ اللہ کی زمین پر بوجھ ہوتے ہیں، تو ایسا تو نہیں کہ کہیں ہم بھی بوجھ بنے ہوئے ہیں ۔ تو اس آئینہ میں ہمیں اپنی شکل نظر آئے گی۔ اب اگر ہماری یہ حالت ہے تو ہمیں پھر اپنے آپ کو بدلنا کیسے ہے؟

نہ تھی اپنی برائیوں کی جو خبر
رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پہ جو نظر
تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

جب اپنی برائیوں پر نظر پڑتی ہے، پھر بندے کو سب اچھے لگتے ہیں ۔ بس اس کو اکیلا ایک بندہ اپنا آپ برا لگ رہا ہوتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اچھا بننے کی توفیق عطا فرما دے۔

و آخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

طمع، حرص اور شہوت

از افادات

پیر طریقت رہبر شریعت مفکر اسلام

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

طمع، حرص اور شہوت

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِo بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا o (الاحزاب:۴۱)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَo وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o

وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّم

طمع ایک مہلک بیماری:

باطنی بیماریوں میں سے ایک بیماری طمع اور حرص ہے۔ اس کو لالچ بھی کہتے ہیں۔ یہ بھی مہلک بیماریوں میں سے ایک بیماری ہے۔ یہ حرص کبھی حب دنیا کی صورت میں، کبھی کھانے پینے کی صورت میں اور کبھی جنسی شہوت کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔

طمع......خلود جنت کا سبب:

انسان جنت سے جو زمین پر اتارا گیا تو بھول ہونے کی جو بنیادی وجہ تھی وہ طمع تھی۔ اماں حوا کے دل میں یہ طمع پیدا ہوئی کہ میں ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہوں۔

شیطان نے قسمیں کھا کر یقین دہانی کروادی۔قرآن مجید میں ہے:

وَ قَاسَمَهُمَا اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ (الاعراف:۲۱)

[اوران دونوں سے قسمیں کھا کر کہا کہ بے شک میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں]

دونوں کے سامنے شیطان نے قسمیں کھائیں کہ تم اگر یہ کام کرگزرو گے تو تمہیں ہمیشہ جنت میں رہنا ملے گا۔

و ملك لایبلیٰ جنّٰت الخلد

چنانچہ اس طمع میں کہ ہم ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں یہ بھول گئے کہ پروردگار نے تو اس درخت کے قریب جانے سے بھی منع فرما دیا تھا۔ان کے دل میں یہ بات آئی کہ جس درخت کے پاس ہم تھے اس درخت کا پھل کھانے سے منع کیا تھا، اس قسم کے باقی درختوں سے تو منع نہیں کیا۔ہم خاص اس درخت کا پھل تو نہیں کھا رہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

فَلَمْ نَجِدْ لَهُمَا عَزْمًا (طٰہٰ:۱۱۵)

[ہم نے ان میں ارادہ نہیں دیکھا]

تو جان بوجھ کر نافرمانی نہیں کی، غلط فہمی ہوگئی، سہو ہوگیا۔اس خطا کا نتیجہ کیا نکلا کہ جنت سے نکال کر اس دنیا میں بھیج دیا گیا۔تو گویا جنت سے زمین پر اترنے کا سبب طمع بنی۔

طمع سے گناہوں کا دروازہ کھلتا ہے:

اس لئے اولادِ آدم جب طمع میں گرفتار ہوتی ہے، تو گناہوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔اگر طمع نہ ہوتی، تو کوئی پرندہ جال میں نہ پھنستا......اگر طمع نہ ہوتی تو کوئی مچھلی شکاری کے ہاتھ نہ آتی......طمع نہ ہوتی، تو شیر کبھی پنجرے میں بند نہ ہوتا......طمع نہ ہوتی تو انسان کبھی جسم فروشی والا گناہ نہ کرتا...... یہ سارے گناہ اسی حرص اور طمع کی

شاخیں ہیں۔

لالچ بری بلا ہے:

اس طمع کی وجہ سے انسان زیادہ کے شوق میں تھوڑے سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ چھوٹے بچوں کی کتابوں میں ایک کہانی لکھی ہوتی ہے کہ ایک کتے کے منہ میں گوشت کا ٹکڑا تھا۔ وہ کہیں تالاب کے کنارے جا پہنچا۔ پانی میں دیکھا، تو ایک کتا گوشت کا ٹکڑا منہ میں لئے کھڑا تھا۔ وہ دراصل اس کا اپنا عکس تھا۔ یہ سمجھا کہ یہ دوسرا کتا ہے۔ اب دل میں، خیال آیا کہ دوسرا ٹکڑا بھی لے لو۔ اس نے دوسرے کتے کو بھونکنے اور کاٹنے کے لیے منہ کھولا، تو جو ٹکڑا اپنے منہ میں تھا، وہ بھی تالاب کے پانی میں گر گیا۔ اس لئے کہتے ہیں کہ

A Bird in hand is better than two birds on tree.

ایک پرندہ جو اپنے ہاتھ میں ہو وہ ان دو پرندوں سے بہتر ہے جو درخت پر ہوں اس لیے کہتے ہیں کہ لالچ بری بلا ہے۔

لالچ کا انجام:

اور یہ لالچ کئی مرتبہ انسان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ ایک آدمی نے ساؤتھ افریقہ میں ایک واقعہ سنایا کہ ایک نوجوان اپنی بیوی کو لے کر ایسی جگہ چلا گیا جہاں جوا کھیلتے تھے۔ جوا کھیلا، اس کو پچاسی ہزار ڈالر کا اس رات نفع ہوا۔ بیوی نے کہا چلو چھوڑو اب گھر چلیں، چنانچہ گاڑی میں بیٹھا۔ بچے نے کہا ابو مجھے پیاس لگی ہے پانی چاہیے۔ کہتا ہے، تمہارے لئے ابھی بوتل لے کر آتا ہوں۔ وہ بوتل نکالنے جو گیا تو دل میں خیال آیا کہ ایک بازی اور لگالوں۔ اور دس منٹ کے اندر پچاسی ہزار ڈالر پورے ہار کے خالی واپس آ گیا۔ گیا تھا بوتل لینے، سب لٹا کے آ گیا ...... یہ ایسا بیہودہ کھیل

ہے۔ اس لئے شریعت نے اس کو حرام قرار دے دیا۔ راتوں رات ملینر (لکھ پتی) بننے کا چکر یہاں تک کہ جواری بسا اوقات اپنا گھر بیچ دیتے ہیں۔ ایسی مثالیں بھی ہیں کہ بسا اوقات اپنی بیویاں بیچ دیتے ہیں۔ اب بتائیں کہ یہ کتنی بڑی مہلک بیماری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا کہ ایسی بیماریوں کی شدت سے پہلے ہی خبردار کر کے ان کو حرام قرار دے دیا۔ تجربے کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ تو حرص، طمع اور لالچ سے بچنے کی دعائیں مانگنی چاہیں۔

طمع انسان کی کشتی کو ڈبو دیتی ہے:

یہ حرص کشتی کے سوراخ کی مانند ہے۔ کشتی کے پیندے میں سوراخ چھوٹا ہو یا بڑا، بند نہ کریں تو کشتی کے ڈوبنے کا سبب بنتا ہے۔ طمع تھوڑی ہو یا زیادہ، اس کا علاج نہ کریں تو انسان کی کشتی ڈوبنے کا سبب بن جاتی ہے۔ اور طمع کا تعلق آرزوؤں کے ساتھ ہے۔ یہ دنیا ایسی ہے کہ آرزوں کو جوان کرتی ہے۔ انسان کے جسم کو بوڑھا کرتی ہے۔ دنیا انسان کی آرزوں کو جوان کرتی ہے اور اس کے جسم کو بوڑھا کرتی ہے۔ بندے کو قبر کے قریب کرتی ہے اور پروردگار سے دور کرتی ہے۔

ایک حریص آدمی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا کہ میرے لئے دعا کریں کہ میں جانوروں کی بولی سیکھ جاؤں۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ میں ویسے تو فائدے اٹھاتا ہی ہوں، جانوروں کی بولیاں سمجھ لوں گا، مجھے اور فائدے ہو جائیں گے، اس کے اندر طمع تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کر دی، اللہ تعالیٰ نے اس کو جانوروں کی بولیوں کا علم عطا کر دیا۔

ایک دن صبح اٹھتے ہی اس نے رات کی بچی ہوئی کھانے کی ہڈیاں وغیرہ اور روٹی کا ٹکڑا باہر پھینکا۔ اسے کھانے کے لئے کتا بھی دوڑا اور مرغا بھی دوڑا۔ مرغا ذرا تیزی سے اڑا تو اس نے جا کر ٹکڑا اٹھا لیا۔ اب کتے نے اس سے گفتگو کی کہ بھائی میں ساری

رات جاگتا رہا ہوں، نائٹ ڈیوٹی پر تھا، سیکورٹی والے کو نائٹ ڈیوٹی دینی پڑتی ہے۔ ساری رات میں نے مالک کے گھر کا پہرہ دیا ہے، اب میرا سونے کا وقت تھا، تم مجھے یہ ٹکڑا کھانے دیتے تو میں میٹھی نیند سو جاتا، تمہارے لئے تو سارا دن پڑا ہے۔ اس نے کہا تو فکر نہ کر، یہ جو مالک کے گھر میں ایک گدھا ہے نا، یہ آج مرے گا، تمہیں بہت کچھ مل جائے گا، تمہارے مزے ہو جائیں گے۔ کتا چپ ہو گیا۔

اب جو مالک نے سنا کہ گدھے نے مرنا ہے، اس نے سوچا کہ بھئی جلدی سے گدھے سے جان چھڑاؤ۔ اسی وقت گدھے کو لے کر مارکیٹ میں گیا اور جا کر گدھے کا سودا کر دیا۔ گھر آ کر بڑا خوش ہوا بیوی کو بتایا کہ دیکھو میں کتنا سمارٹ آدمی ہوں۔ پھر دوسرا دن ہوا، اس نے پھر اسی طرح رات کا بچا ہوا ٹکڑا باہر پھینکا، کتا بھی دوڑا مرغا بھی دوڑا۔ مرغا ذرا لمبی چھلانگ لگا کر پہلے پہنچا اور اس نے پھر اٹھا لیا۔ کتے نے پھر کہا بھئی کل بھی تو نے میرے ساتھ زیادتی کی آج پھر میرے ساتھ زیادتی کر رہا ہے، بڑا بے لحاظ ہے۔ اس نے کہا فکر نہ کر آج اس کی گائے مرے گی، تیرے وارے نیارے ہو جائیں گے۔ کتا چپ ہو گیا۔ مالک نے جا کر گائے کا بھی سودا کر لیا، بڑا خوش ہوا کہ میں نے یہ پیسے بھی بچا لیے۔ اگلے دن پھر یہی واقعہ پیش آیا۔ آج مرغے نے کہا کہ فکر نہ کر آج اس کا گھوڑا مرے گا۔ کتے نے کہا، دیکھ! تو دو دفعہ جھوٹ بول چکا ہے۔ آج تمہارا جھوٹ ثابت ہو گیا تو پھر دیکھنا۔ مالک نے جب یہ بات سنی تو وہ گھوڑا بھی بیچ آیا۔ جب اگلا دن ہوا اور مالک نے ٹکڑا پھینکا تو مرغے نے لپک کر پھر اٹھا لیا۔ آج تو کتے کو بڑا غصہ تھا۔ وہ اس سے جھگڑ پڑا۔ کہنے لگا کہ تو بڑا بے انصاف اور بے مروت ہے، تجھے کسی کی کوئی پرواہ ہی نہیں، تو پرلے درجے کا جھوٹا ہے۔ مرغے نے کہا دیکھو! میں جھوٹ نہیں بول رہا، میں پرندوں کی دنیا کا مؤذن سمجھا جاتا ہوں، مجھے زیب نہیں دیتا کہ میں جھوٹ بولوں، میں جو باتیں کر رہا ہوں سچ کر رہا ہوں، آج فکر

نہ کر، مالک خود مرے گا اور لوگ اکٹھے ہوں گے، ان کی دعوت ہوگی اور کھانے ہوں گے اور ہڈیاں ہوگی تیرا کام بنے گا۔

اب جب مالک نے یہ سنا کہ وہ خود مرے گا، تو اس کو فکر ہوئی۔ اب بھاگا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس۔ حضرت! بات یہ ہے کہ مرغا کہہ رہا ہے کہ آج مالک مرے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ مقدر میں لکھا ہوا تھا کہ تیرے گھر میں کسی نفس کو موت آنی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے گدھے کیلئے موت لکھی۔ تو سمارٹ بنا، گدھے سے جان چھڑائی، اللہ تعالیٰ نے اس کی بجائے گائے کو دے دی۔ تو نے اس کا بھی سودا کرلیا، اللہ نے گھوڑے پر ڈال دی۔ تو گھوڑے کا سودا کر آیا، اب تیرے اوپر پڑ چکی ہے۔ دیکھ! ملک الموت آرہا ہے۔ کہتے ہیں کہ ملک الموت پہنچ چکا تھا اس نے بندے کی گدی دبائی اور اس کی روح نکال کے چلا گیا۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ یہ حکایت ایک جگہ بیان کر کے فرماتے ہیں کہ انسان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے کاموں میں دخل اندازی نہ کرے۔ قدرت جو کرتی ہے اسی میں خیر ہوتی ہے، قضا پہ راضی رہے۔ اگر یہ قضا پر راضی ہو جاتا تو گدے کی موت سے مصیبت ٹل جاتی۔

فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ

دانا کا کوئی بھی کام دانائی سے خالی نہیں ہوتا

تو پروردگار نے ہمارے لئے جو مقدر میں لکھا ہے وہ ہمارے لئے بہتر ہے۔ بندے کو چاہیے کہ صبر شکر سے اس کو قبول کرلے۔ اس لئے جو بندہ قضا پر راضی ہو جاتا ہے، پروردگار عالم اس بندے پر راضی ہو جاتے ہیں، لیکن حریص یہ چاہتا ہے کہ نہیں، نقصان سے بچوں، فائدے زیادہ سے زیادہ حاصل کروں اور پھر اس کا انجام یہی ہوتا ہے۔

دو فتنے:

دنیا میں دو فتنے ہیں، ایک جمال اور ایک مال۔ عموماً مردوں کو تو جمال کے فتنے نے تباہ کر دیا اور عورتوں کو مال کے فتنے نے تباہ کر دیا۔

جمال کی حرص:

چنانچہ مرد جمال کا بھوکا ہے، جمال کی حرص میں مبتلا ہے۔ جہاں ذرا دیکھا جمال، وہیں دل ہو گیا بے حال، وہیں دل دے بیٹھا۔
حالانکہ اللہ رب العزت کی نظر میں حسنِ ظاہر کی کوئی قیمت نہیں۔ قرآن مجید میں ہے، حضرت یوسف علیہ السلام جب بکے پہلی مرتبہ تو فرمایا گیا:

وَ شَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَة (یوسف:۲۰)

چند کھوٹے سکوں کے بدلے میں بکے، حالانکہ لڑکپن کی عمر تھی اور اس عمر میں تو ویسے ہی بچے کے چہرے پر معصومیت ہوتی ہے، بچے کا چہرہ زیادہ جاذب نظر ہوتا ہے۔ اور یوسف علیہ السلام تو مادر زاد حسین تھے۔ اس وقت تو حسن کی معراج تھی مگر بکے کتنے میں؟

وَ شَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَة .

قیمت لگی تو چند سکے اور وہ بھی کھوٹے۔ تو معلوم ہوا کہ اللہ رب العزت کے نزدیک حسنِ ظاہر کی قیمت چند کھوٹے سکوں کے سوا کچھ نہیں۔ حسن کے پیچھے بھاگنے والو! تم چند کھوٹے سکوں کی خاطر اپنے رب کو ناراض کر رہے ہوتے ہو......!!!

مال کی حرص:

ایک فتنہ مال ہے، اس مال کی حرص بھی انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتی، اللہ تعالیٰ

وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌo (عادیات:۸)

[اور بے شک وہ مال کی محبت میں بڑا سخت ہے]

وَ تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا o (الفجر:۲۰)

[اور مال کی محبت میں بڑے شدید ہو]

یہ مال کی محبت ایسی ہوتی ہے، حالانکہ مال ایک ڈھلتی چھاؤں ہے، ڈھلتی چھاؤں سے کیا محبت کرنی۔

طالبِ دنیا کتے کی مانند:

یہ مال کی حرص اور دنیا کی حرص انتہائی بری خصلت ہے، اسی لیے نبی علیہ السلام نے دنیا کے حریص کو کتے کی مثل قرار دیا، ارشاد فرمایا:

الدنیا جیفة و طالبوها کلاب

کہ دنیا مردار ہے اور اس کے طلب کرنے والے کتے ہیں۔

یعنی دنیا کو مردار کہا اور طلب کرنے والوں کو کتے سے تشبیہ دی۔ ذرا توجہ فرمایئے۔ علماء نے لکھا ہے کہ کوا بھی مردار کھاتا ہے کتا بھی مردار کھاتا ہے۔ کوے سے تشبیہ نہیں دی کتے سے تشبیہ دی، اس کی بنیادی وجوہات ہیں

ایک تو یہ کہ کوا جب کسی مردے کو دیکھتا ہے تو شور مچاتا ہے تاکہ اور بھی آئیں اور ہم سب مل کے کھا سکیں لیکن کتا بڑے سے بڑے مردار کو بھی خاموشی سے اکیلا کھاتا ہے۔ دنیادار بندہ بھی اسی طرح خاموشی کے ساتھ سب مال خود حاصل کرنا چاہتا ہے، اسی لئے کتے کے ساتھ زیادہ مشابہت۔

نمبر دو کوا باقی جانوروں کا گوشت تو کھاتا ہے مگر مردہ کوے کا گوشت نہیں کھاتا۔ یعنی کوے کو مار کر لٹکا دیں کوئی کوا اس کا گوشت نہیں کھائے گا، لیکن کتے کے اندر حرص ہے لہٰذا وہ مردہ کتے کو بھی کھالیتا ہے۔ دنیادار کے اندر بھی یہی عادت ہوتی ہے، وہ

عبرت نہیں پکڑتا، وہ اپنے بھائی کا گوشت کھا رہا ہوتا ہے۔ دونوں کاروبار میں شریک ہیں، جان بوجھ کر ایک بندہ دوسرے کا پیسہ ناجائز طریقے سے کھا رہا ہوتا ہے تو یہ کتے سے مشابہت ہے۔

تیسری بات فرمایا کہ ایک کوے کو کہیں مار دیا جائے تو باقی کوے، وہاں نہیں آتے لیکن کتے کو کسی جگہ مار دیں دوسرا کتا وہاں آتا ہے، عبرت نہیں پکڑتا۔ دنیا دار کا بھی یہی حال کہ وہ دیکھتا ہے کہ غلط کام کرنے والوں کا انجام کیا ہوا لیکن پھر بھی سبق نہیں سیکھتا، وہی کام کر کے وہ بھی تباہی میں پڑ رہا ہوتا ہے۔ تو دنیا دار بندے کو گویا کتے سے زیادہ مشابہت ہے۔

پھر چوتھی بات یہ کہ کوا دن میں تو کھاتا ہے مردار کا گوشت مگر رات کو وہ گھونسلے میں چلا جاتا ہے۔ جب کہ کتے کی عادت دن میں گوشت کھاتا ہے رات کو اس پر بیٹھ کر پہرہ دیتا ہے کہ کوئی اور کتا آ کر نہ کھائے۔ اسے دن رات اسی مردار کی فکر رہتی ہے۔ اور یہی دنیا دار کی مثال کہ سارا دن کاروبار میں لگا رہتا ہے اور جب رات آتی ہے تو کاروبار کے حساب میں لگا رہتا ہے، یہ ہے کتے سے مشابہت۔

پھر پانچویں بات کہ کوا ملائم گوشت کھاتا ہے، ہڈیاں نہیں کھاتا۔ لیکن کتا ملائم گوشت بھی کھاتا ہے اور ہڈیاں بھی چبا جاتا ہے۔ یہی حال دنیا دار کا ہے فقط اصل زر واپس نہیں لیتا، قرضہ دیا تو سود بھی مانگتا ہے بلکہ سود در سود مانگتا ہے۔ سود کے اوپر سود مانگتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ دنیا دار کی مشابہت کوے سے نہیں کتے سے زیادہ ہے۔ صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے محبوب نے سچ فرمایا۔

الدنیا جیفۃ وطالبوھا کلاب

کتے کی دس صفات:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ کتے کے اندر دس صفات ایسی ہیں

کہ اگر ان میں سے ایک صفت بھی انسان کے اندر پیدا ہو جائے تو وہ ولی اللہ بن سکتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ

۱) کتے کے اندر قناعت ہوتی ہے، جو مل جائے یہ اسی پر قناعت کر لیتا ہے، راضی ہو جاتا ہے، یہ قانعین یا صابرین کی علامت ہے۔
۲) کتا اکثر بھوکا رہتا ہے، یہ صالحین کی نشانی ہے۔
۳) کوئی کتا اس پر زور کی وجہ سے غالب آ جائے تو یہ اپنی جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جاتا ہے، یہ راضیین کی علامت ہے۔
۴) اس کا مالک اسے مارے بھی سہی تو یہ اپنے مالک کو چھوڑ کر نہیں جاتا۔ یہ مریدان صادقین کی نشانی ہے۔
۵) اگر اس کا مالک بیٹھا کھانا کھا رہا ہو تو یہ باوجود طاقت اور قوت کے اس سے کھانا نہیں چھینتا، دور سے ہی بیٹھ کر دیکھتا رہتا ہے۔ یہ مساکین کی علامت ہے۔
٦) جب مالک اپنے گھر میں ہو تو یہ دور جوتے کے پاس بیٹھ جاتا ہے، ادنیٰ جگہ پہ راضی ہو جاتا ہے یہ متواضعین کی علامت ہے۔
۷) اگر اس کا مالک اسے مارے اور یہ تھوڑی دیر کے لئے چلا جائے اور پھر مالک دوبارہ اسے ٹکڑا ڈال دے تو دوبارہ آ کر کھا لیتا ہے اس سے ناراض نہیں ہوتا۔ یہ خاشعین کی علامت ہے۔
۸) دنیا میں رہنے کے لئے اس کا اپنا کوئی گھر نہیں ہوتا، یہ متوکلین کی علامت ہے۔
۹) رات کو یہ بہت کم سوتا ہے، یہ مُحِبِّین کی علامت ہے۔
۱۰) جب مرتا ہے تو اس کی کوئی میراث نہیں ہوتی۔ یہ زاہدین کی علامت ہے۔

غور کریں کہ کتے میں اتنی صفات ہوتی ہیں اور یہ سب اولیا اللہ والی صفات ہیں۔ کیا ان صفات میں سے کوئی ہم میں بھی موجود ہے؟ مگر ایک بات یہ کہ جانوروں میں سب سے زیادہ حرص کتے میں ہوتی ہے اور اس حرص کی ایک بری

عادت نے اس کی تمام صفات کے اوپر پانی پھیر دیا۔ اس کا مطلب ہے کہ اگر کوئی بندہ دس اولیاء والی صفات رکھے گا لیکن اس کے ساتھ اس کے اندر حرص ہے تو یہ حرص کی عادت اس کی دس صفات کے اوپر پانی پھیر دے گی۔

قناعت پیدا کریں:

حرص کے بالمقابل قناعت ہوتی ہے۔ قناعت کہتے ہیں تھوڑے پر راضی ہو جانا۔ پتنگوں میں سب سے زیادہ قناعت مکڑی کے اندر ہوتی ہے اور سب سے زیادہ حرص مکھی میں ہوتا ہے۔ مکھی ہر جگہ پر بیٹھ کر کچھ نہ کچھ لینے کی کوشش کرتی ہے لیکن مکھی مکڑی کی غذا بن جاتی ہے۔ اللہ نے اسی لئے مکھی کو مکڑی کی غذا بنا دیا کہ تمہارے اندر طمع زیادہ ہے، اس کے اندر صبر زیادہ ہے، اب تمہیں اس صبر والی کی غذا بنا رہا ہوں۔ چنانچہ مکڑی مکھی کو کھا جاتی ہے۔ اس لئے ہمیں چاہیے ہم طمع دل میں نہ پیدا ہونے دیں بلکہ اپنے دل میں قناعت پیدا کریں۔ اپنے مالک سے راضی رہیں، وہ ہمیں جس حال میں بھی رکھے، زیادہ دے ہم اللہ کا شکر ادا کریں، کم دے ہم صبر کریں۔ صبر کرنے والا بھی جنتی، شکر کرنے والا بھی جنتی۔ پروردگار رزق کی پریشانیوں سے ہمیں محفوظ فرما دے۔

مجھے ایک مرتبہ امریکہ جانے کا موقع ملا، اس وقت یہ عاجز فیکٹری کے اندر جنرل منیجر تھا اور کسی مائیکرو پراسیسر بنانے والی کمپنی کے ہاں وزٹ تھی۔ خیر وہاں جا کر ٹھہرے۔ ان کے جنرل منیجر شام کو میرے پاس آئے اور کہنے لگے میں آپ کو ذرا شہر کی سیر کروانے کے لیے آیا ہوں۔ ہم نے کہا ٹھیک ہے ہم بھی دیکھیں گے شہر کیسے ہوتے ہیں۔ تو منی آپلس اور منی سوٹا ایک Twin Cities (جڑواں شہر) ہیں۔ اس میں اس نے مجھے کچھ جگہیں دکھائیں۔ بڑی بڑی عمارتیں تھیں، پارک تھے، یہ وہ تھے۔ ایک جگہ سے گزرتے ہوئے اس نے مجھے کہا کہ یہ شاپنگ سنٹر ہے، لیکن یہ بہت

مہنگا ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ اور وزیر امیر، وہ یہاں آ کر شاپنگ کرتے ہیں، یہاں قیمتیں بہت زیادہ ہیں۔ میں نے اس کو مسکرا کر کہا، اچھا بہت مہنگا ہے۔ اس نے کہا بہت مہنگا ہے۔ میں نے کہا، مجھے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جب میں نے یہ کہا تو وہ بڑا حیران ہوا، مجھے کہنے لگا کہ کیا آپ اتنے زیادہ امیر ہیں کہ آپ کو قیمتوں کے کم زیادہ ہونے کا کوئی فرق ہی نہیں پڑتا۔ تو میں نے ہنس کر کہا، میں امیر نہیں ہوں لیکن مجھے شاپنگ ہی نہیں کرنی اس لیے مجھے کیا فرق پڑتا ہے؟ قیمت زیادہ ہے یا کم۔ مقصد یہ کہ جب انسان بے طمع ہو جاتا ہے تو اسے دنیا کے مال، دنیا کی رنگینیوں اور لذتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

کھانے پینے کی حرص:

حرص کا تعلق کھانے پینے کے ساتھ بھی ہے۔ طبیعت میں جب حرص ہوتی ہے تو انسان پھر کھانے کا چٹورا بن جاتا ہے...... خوب کھاتا ہے۔ یہ بسیار خوری بہت بڑی غلطی ہے، کیونکہ زیادہ کھانے سے نقصانات بہت زیادہ ہیں۔ نوجوان اس بات کو یاد رکھیں کہ چالیس سال تک انسان کھانے کو کھاتا ہے اور چالیس سال کے بعد کھانا انسان کو کھاتا ہے، اس لیے آج کے دور میں فاقے سے مرنے والوں کے نسبت، زیادہ کھا کر مرنے والوں کی تعداد زیادہ ہے۔ جسے دیکھو زیادہ کھانے کی بیماریوں میں مبتلا ہے۔ بلڈ پریشر، شوگر، ہارٹ پرابلم، یہ سب زیادہ کھانے کی بیماریاں ہیں۔ ان میں سے کوئی فاقے کی بیماری نہیں۔ تو زیادہ کھا کر مرنے والی بیماریاں آج زیادہ ہیں۔

کم کھانا عقل کو بڑھاتا ہے:

زیادہ کھانے کے نقصانات میں سے ایک نقصان یہ ہے کہ انسان کے عقل پر

پردہ پڑ جاتا ہے۔آپ نے دیکھا ہوگا کہ انسان جب خوب پیٹ بھر کر کھانا کھاتا ہے، تو پھر نیند آتی ہے۔ جو ڈٹ کے کھاتا ہے، وہ جم کے سوتا ہے۔ وہ جو اونگھ آتی ہے وہ اصل میں بدنی طور پر جسم کو سلا رہی ہوتی ہے۔جس طرح انسان بدنی طور پر سوتا ہے، اسی طرح اس کی عقل بھی سو جاتی ہے۔زیادہ کھانے والے کی عقل ہمیشہ سوتی ہے، اس لئے کہ وہ Lazy (سست) ہوتا ہے، کھا کے پڑا رہتا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے میں نے اپنی زندگی میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ جو موٹے بھی تھے اور عقل مند بھی تھے۔فرمانے لگے میں نے اپنی زندگی میں کبھی موٹے شخص کو عقل مند نہیں دیکھا۔ عام طور پر آپ دیکھیں گے کہ موٹا بندہ بھولنے کا عادی ہوگا۔ وہ چربی فقط جسم پر ہی نہیں چڑھتی وہ عقل پر بھی چڑھ جاتی ہے۔اس لئے انسان کے آئی کیو (ذکاوت) کے بارے میں موازنہ کیا گیا۔معلوم ہوا کہ سب سے زیادہ آئی کیو ان لوگوں کا ہوتا ہے جن کے ویٹ (وزن) تھوڑے ہوتے ہیں۔ان کے دماغ میں سوچنے کی صلاحیت سب سے زیادہ ہوتی ہے۔

ہم نے ایک سائنسدان آئن سٹائن کی لاش دیکھی جو ممی فائی کر کے رکھی گئی تھی۔جیسے اٹھارہ سال کا لڑکا ہوتا ہے، ایسے اس کا جسم تھا، لیکن کیا دماغ پایا؟ اس نے نظریہ اضافت پیش کیا۔سائنس کی دنیا میں آج مادہ پرست لوگ اس کی ایسے عزت کرتے ہیں جیسے دین کی دنیا میں ہم لوگ پیغمبروں کی عزت کرتے ہیں۔اس کا اتنا مختصر جسم تھا کہ بندہ ایک ہاتھ سے اٹھا لے۔ بات کو جلدی سمجھ جانا یہ ایک صفت ہے اور عموماً ان لوگوں میں ہوتی ہے کہ جن کے وزن ذرا کم ہوتے ہیں۔

اسی لئے محدثین کی حالات زندگی پڑھیں، سارے کے سارے کم کھانے والے تھے۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کتابوں میں لکھا ہے کہ صرف سات باداموں پر چوبیس گھنٹے گزارلیا کرتے تھے، پندرہ سال انہیں سالن کھانے کا موقع نہ

ملا۔ایک مرتبہ بیمار ہو گئے تو انہوں نے حکیم سے اپنا چیک اپ کروایا،حکیم نے کہا کہ اس بندے کے ٹیسٹ سے لگتا ہے کہ اس نے تو کبھی زندگی میں مرچ کھائی ہی نہیں۔ جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ پندرہ سال سے میں نے سالن کبھی نہیں کھایا۔پوچھا،کیا کھاتے ہیں؟ فرمانے لگے کہ بس سات بادام کھا کر گزارہ کر لیتا ہوں اور باقی وقت کھانے میں لگانے کی بجائے نبی علیہ السلام کی احادیث یاد کرنے میں لگا دیتا ہوں۔

ایک کھجور کی طاقت:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں آتا ہے کہ جہاد پر جا رہے تھے اور ان کو پورے دن میں ایک کھجور کھانے کو ملتی تھی۔اس کا مطلب ہے کہ ایک کھجور میں اتنی توانائی ہوتی ہے کہ چوبیس گھنٹے بندہ اس پر گزارہ کر سکتا ہے۔ڈاکٹروں نے لکھا ہے کہ جو بندہ ایک کھجور کھا لے۔اس کے جسم میں اتنی کیلوریز آ جاتی ہیں کہ اس کو تین دن بھوک کی وجہ سے موت نہیں آ سکتی۔اس لئے ہم جو کھاتے ہیں،ہم تو عادتاً زیادہ کھاتے ہیں،ہمارے بدن کی ضرورت نہیں ہوتی۔میڈیکلی اگر دیکھا جائے تو ہم جو کھا رہے ہیں اس میں سے ممکن ہے پچیس فیصد ہمارے جسم کی ضرورت ہو۔پچھتر فی صد ہم چباتے ہیں اور جسم سے گزار کر باہر نکال دیتے ہیں،ہمارے جسم کو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔اتنا زیادہ ہم کھانے کے عادی ہیں،حالانکہ انسان کی اصل ضرورت بہت تھوڑی ہے۔

شیر کی غذا:

ہم نے ایک مرتبہ شیر کو خوراک ڈالنے والے بندے سے پوچھا کہ بھئی آپ اس کو کتنے دنوں بعد گوشت ڈالتے ہیں؟ ہمارا خیال تھا کہ وہ دن میں دو دفعہ ڈالتا

ہوگا۔ وہ کہنے لگا کہ جی اس کو سات دن کے بعد ہم گوشت ڈالتے ہیں، اس کی غذا اتنی ہی ہے، سات دن کے بعد کھاتا ہے...... اللہ اکبر!!! وہ سات دن میں ایک مرتبہ کھاتا ہے، شیر کہلاتا ہے...... ہم دن میں تین مرتبہ کھاتے ہیں۔

نتیجہ کیا ہوگا؟ Over Eating (بسیار خوری) کے مریض، معدے پر بوجھ زیادہ، گیس کا پرابلم زیادہ، جسم میں چربی زیادہ، چنانچہ درمیان میں سے میری طرح موٹے ہو جاتے ہیں...... جسم بے ڈھنگا۔ یا تو کھائیں اور پھر ورزش کریں، تاکہ کیلوریز جل جائیں۔ اگر ورزش والا کام نہیں تو کھانے میں احتیاط کرنی چاہیے۔

جسمانی صحت کا اصول:

کہتے ہیں ایک مرتبہ عیسائی طبیب مسلمان حاکم کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ بتاؤ کہ تمہاری کتاب میں کوئی جسمانی صحت کے بارے میں بھی کوئی باتیں لکھی ہوئی ہیں یا نہیں۔ کہا، بالکل لکھی ہوئی ہے۔ کونسی؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کلوا واشربوا ولا تسرفوا کھاؤ پیو مگر اسراف زیادہ نہ کرو۔ کھانے پینے میں اعتدال کے ساتھ کھاؤ۔ اس نے کہا: یہ تو ایسا اصول ہے کہ انسان اگر اس کے اوپر عمل کرے تو زندگی میں کبھی بیمار ہی نہیں ہوسکتا۔

پھر اس نے پوچھا کہ کیا تمہارے پیغمبر علیہ السلام نے بھی کوئی کلام کیا ہے؟ کہنے لگے: ہمارے پیغمبر علیہ السلام نے کلام کیا کہ

''معدہ تمام بیماریوں کی بنیاد ہے، جسم کو وہ دو جس کی اس کو ضرورت ہے اور پرہیز علاج سے بہتر ہے''

ایک فقرہ میں تین باتیں کہیں، معدہ تمام بیماریوں کی بنیاد ہے، یعنی جو ہم کھا رہے ہیں وہ معدہ میں جا رہا ہے۔ تو تمام بیماریاں ہمارے کھانے ہی کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ Over Eating (زیادہ کھانے) کی وجہ سے انسان کو بیماریاں ہوتی ہیں یا

ناموافق غذا کھانے بیماریاں ہوتی ہیں۔ اس لئے جو چیز نقصان دہ ہو وہ چیز جسم کو دینا نفس کا حق ادا نہ کرنے کے مترادف ہے۔ اگر ایک بندے کو بلڈ پریشر کی وجہ سے نمک کو منع کر دیا۔ اب نمک سے منع ہونا اس کے لئے ضرورت ہے۔ ورنہ وہ اپنے نفس کا حق ادا کرنے والوں میں شامل نہیں ہوگا اور تیسری بات فرمائی کہ پرہیز علاج سے بہتر ہے۔ جب اس نے یہ بات سنی تو وہ عیسائی وہ کہنے لگا کہ بس تمہارے خدا اور پیغمبر علیہ السلام نے اب دنیا کے طبیبوں کے لئے باقی کچھ نہیں چھوڑا۔

حکیم صاحب کی ناکامی:

ایک دفعہ مدینہ طیبہ میں ایک حکیم صاحب آ گئے۔ کئی دن انتظار میں رہے کہ کوئی آئے گا تو اسکا علاج کروں گا، کوئی آیا ہی نہیں۔ نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اے اللہ کے نبی ﷺ! میں تو یہاں آیا تھا کہ یہاں حکیم تو ہے کوئی نہیں، لہٰذا میری دکان تو خوب چلے گی، خوب پریکٹس چل پڑے گی، یہاں تو کوئی آتا ہی نہیں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ یہاں بیماریاں کم ہیں، اس لئے کہ یہ لوگ اس وقت کھاتے ہیں جب سخت بھوک ہوتی ہے اور ابھی تھوڑی سی بھوک باقی ہوتی ہے کہ کھانا بند کر دیتے ہیں، پیٹ کو خالی رکھتے ہیں، اس لئے ان کو بیماریاں نہیں ہوتیں اسی لئے آپ کے پاس بھی نہیں آتے۔

اس چیز کو آزما کر دیکھ لیں کہ کھائیں اس وقت کہ جب بھوک ہو۔ ہم بھوک کی وجہ سے نہیں کھاتے، ہم عادتاً کھاتے ہیں۔ صبح ناشتے کا وقت ہو گیا، بھوک ہے یا نہیں ہم نے کھانا ہے۔ دوپہر کا وقت ہو گیا، بھوک ہے یا نہیں، ہم نے کھانا ہے۔ رات کا وقت ہو گیا عادتاً کھانا ہے، تو ایک تو عادتاً کھاتے ہیں، دوسرا جب کھاتے ہیں تو ضرورت سے زیادہ کھا بیٹھتے ہیں۔ اس لئے اکثر کہتے ہیں کہ جی آج زیادہ کھا لیا، Over Eating اوور ایٹنگ ہو گئی ہے۔

بسیار خور نسیان کا مریض ہوتا ہے:

آپ ذرا کم کھانے کی عادت ڈالنا شروع کر دیں۔ ایک ایک لقمہ کم کرتے جائیں، آپ دیکھیں گے کہ بہت تھوڑا کھا کے بھی آپ ہلکے پھلکے رہیں گے اور آپ کی طبیعت کے اندر ہشاش بشاش کی کیفیت رہے گی، اور اس کا بڑا فائدہ یہ کہ کم کھانے کی وجہ سے انسان کا دماغ ایکٹو رہتا ہے، دماغ نہیں سوتا، بھولنے کا مرض نہیں ہوتا۔ انسان بڑا فٹ ہوتا ہے اپنی بات کو سمجھانے میں اور دوسرے کی بات سمجھنے میں اس کی میموری تیز ہو جاتی ہے۔ اس لئے طلباء کو چاہیے کہ وہ بھی اعتدال کے ساتھ کھانا کھائیں تاکہ ان کو بھولنے کی مرض نہ ہو۔

بسیار خور کی بات بے اثر ہوتی ہے:

ہمارے علماء نے یہ بات بھی لکھی، وہ فرماتے ہیں کہ زیادہ کھانے کی بیماریوں میں سے ایک بیماری یہ ہے کہ بسیار خور بندے کی بات کا دوسرے کے دل پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ یہ ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ ہم نے اس کو آزمایا ہے۔ جو بسیار خور ہو گا، زیادہ کھانے کا مریض ہوگا، اس کی بات کا لوگوں کے دلوں پر کوئی اثر نہیں ہوگا، لہٰذا بسیار خور واعظ جتنی مرضی بہترین تقریریں کرے، لوگوں کے دلوں تک اس کی بات پہنچتی ہی نہیں، اس لئے مومن کا کھانا پینا اعتدال کے ساتھ ہونا چاہیے، ہر وقت کھانے پینے کی فکر میں نہ لگا رہے اور دسترخوان کے اوپر بیٹھ کر بے قابو بھی نہ ہو جایا کرے، مگر جب طبیعت کے اندر حرص ہو تو پھر بندہ بس میں نہیں رہتا پھر خوب کھاتا ہے۔

؎ گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا میرے آگے

تو زیادہ کھانا انسان کے لئے نقصان دہ ہے۔ اور زیادہ کھانے کی حد کوئی نہیں، اس کا تعلق انسان کی عادت کے ساتھ ہے، جتنا زیادہ کھاتا چلا جائے گا، حرص کی وجہ سے عادت بڑھتی چلی جائے گی۔

بسیار خوری کا عجیب واقعہ:

ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن قاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ ایک عجیب واقعہ سنایا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب ملک میں ختم نبوت کی تحریک چل رہی تھی۔ حضرت مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ تحریک کے قائد تھے۔ علماء کے کہنے پر لوگوں نے گرفتاریاں دینی شروع کر دی تھیں، کبھی اس مسجد سے گرفتاری، کبھی اس سے، کبھی اس سے۔ حضرت قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اس وقت نوجوان تھے، ہمت والے تھے، انہوں نے بھی گرفتاری پیش کی۔ چنانچہ جیلیں بھر گئیں تھی مگر جیل والے لوگ ان قیدیوں کا احترام کرتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ کوئی اخلاقی مجرم تو ہیں نہیں۔ یہ تو ایک تحریک کے پیچھے گرفتاریاں پیش کر کے آئے ہیں تو وہ چار دیواری کے اندر تو رکھتے مگران کو آنے جانے کی کھلی اجازت ہوتی۔ یہ نمازیں پڑھتے آپس میں ملتے بیٹھتے مگر چار دیواری کے اندر ہوتے۔

حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ شیخ القرآن پاکستان کے بڑے معروف بزرگ اور عالم گزرے ہیں، درس تفسیر ان کا بڑا مشہور تھا۔ وہ بھی اسی جیل میں پہنچے اور اسی کمرے میں ہمارے حضرت کے یہ بڑے صاحبزادے بھی پہنچے۔ جیل والوں نے کہا کہ یہ بڑے عالم ہیں اور یہ بڑے شیخ کے بیٹے ہیں۔ دونوں کو ایک کمرے میں رکھ لیتے ہیں۔ اب ان کے شاگرد بھی سینکڑوں ملنے والے آتے اور جو حضرت کے تعلق والے تھے، وہ بھی صاحبزادہ صاحب کو ملنے آتے تو کوئی جانے والا بسکٹ لے کر جاتا، کوئی مٹھائی لے کر جاتا۔ اب ان کے کمرے میں روز ایک انبار لگ جاتا

مٹھائیوں کا۔ فرماتے ہیں کہ ہم دونوں نے سوچا کہ ہم ایسے کیا کریں کہ چائے بنا لیا کریں اور جتنی ہماری پاس یہ روزانہ کھانے پینے کی چیزیں آئیں اسی حساب سے باقی قیدیوں کو ناشتہ کروادیا کریں۔ چنانچہ یہ کبھی دس بندوں کو ناشتہ کروادیتے، کبھی بیس کو، کبھی تیس کو سلسلہ چلتا رہتا۔

ایک شخص چکوال کا تھا، اس کا نام تھا مولا بخش، وہ بھی جیل میں پہنچ گیا۔ ایک دفعہ حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو بھی دعوت دے دی کہ آپ بھی ناشتے میں آجانا۔ اب جب آپس میں رات کو مشورے کے لیے بیٹھے تو انہوں نے نام بتائے میں نے بھی فلاں فلاں کو دعوت دے دی ہے تو مولا بخش کا نام بھی آ گیا۔ صاحبزادہ صاحب نے جب مولا بخش کا نام سنا تو کہنے لگے، حضرت یہ آپ نے کیا کیا۔ پھر تو سب کچھ تھوڑا ہو جائے گا۔ وہ پٹھان بندے تھے، کہنے لگے: یار یہ کونسی بات ہے ہم ایسے کرتے ہیں کہ فجر کے بعد پہلے صرف مولا بخش کو بلا لیں گے، وہ ناشتہ کر کے چلا جائے گا پھر جتنا کچھ بچ جائے گا، اتنے لوگوں کو پھر دعوت دے کر ناشتے پر بلا لیں گے۔ انہوں نے کہا یہ ٹھیک ہے۔ صاحبزادہ صاحب کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اس دن دس کلو مٹھائی ڈبوں میں پیک موجود تھی۔ ہم نے اندازہ لگایا کہ اگر ایک بندہ ایک پاؤ بھی مٹھائی کھائے تو اس کا مطلب ہے کہ چالیس بندے تو ناشتہ کر سکتے ہیں۔ میں نے چالیس بندوں کے حساب سے چائے بنائی اور وہ جو چائے والا بڑا مگہ ہوتا ہے، وہ بھر بھر کے پانی ڈالا کہ چالیس بندوں کے حساب سے چائے تیار ہو جائے۔ اور ہم نے فجر کی نماز پڑھتے ہی مولا بخش کو بلا لیا کہ جی آئیں آپ ہمارے پاس ناشتہ کریں۔ کہتے ہیں جی مولا بخش صاحب آ گئے اور آ کر انہوں نے چائے پینی شروع کی اور مٹھائی کھانی شروع کی میں چائے بھرتا رہا۔ حضرت ان کے سامنے ڈبے کھول کر رکھتے رہے۔ اس اللہ کے بندے نے ہمارے سامنے دس کلو مٹھائی اور چالیس مگے

چائے پی لی۔ کہتے ہیں ہم حیران کہ کوئی اتنا بھی کھا سکتا ہے۔ جب مولا بخش نے کھا پی لیا تو اب اس نے ادھر ادھر بھی دیکھا، اس کے بعد وہ حضرت شیخ القرآن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہنے لگا، حضرت! مجھے اجازت دیں مجھے ذرا جلدی جانا ہے۔ حضرت سمجھے کہ اس نے اب اتنا کھالیا، اب یقیناً اس کے پیٹ میں مروڑ اٹھ رہا ہے اور برداشت نہیں ہو رہا، اس لئے جلدی جانا چاہتا ہے۔ تو شیخ القرآن صاحب نے کہا کہ مولا بخش صاحب! اتنی جلدی کیا ہے، کیوں اتنی جلدی جاتے ہو۔ کہنے لگا حضرت جلدی میں اس لئے جا رہا ہوں کہ میرا ناشتہ چوہدری فضل الٰہی کے پاس ہے، انہوں نے مسجد میں بیٹھ کر یہ بات سنائی اور کہنے لگے کہ میں سو فیصد ٹھیک بات سنا رہا ہوں۔

حیران ہوتے ہیں، اتنا بھی انسان کھانے کا مریض بنتا ہے کہ اس نے چالیس بندوں کا ناشتہ کھالیا اور ابھی کہتا ہے کہ میرا ناشتہ فلاں بندے کی طرف ہے۔ اس کا تعلق عادت کے ساتھ ہے، بندہ عادت بڑھاتا جائے تو عادت زیادہ کھانے کی بن جائے گی اور اگر گھٹاتا جائے تو عادت کم کھانے والی بن جائے گی۔ تو ایک اصول یاد رکھیئے کہ نبی علیہ السلام کی تعلیمات یہ ہیں کہ انسان کھانا کھائے جب بھوک لگی ہوئی ہو اور تھوڑی سی بھوک باقی ہو، اس وقت کھانا بند کر دے، چاہے دو لقمے کم کھائے یا تین لقمے کم کھائے، اگر یہ عادت ہوگی، انشاء اللہ صحت ہوگی، اللہ تعالیٰ بیماریوں سے محفوظ فرما دیں گے۔

شکم سیری کا نتیجہ......شہوت:

ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ جب شکم سیر ہوتا ہے تو سب اعضاء شہوت کے بھوکے ہوتے ہیں، جتنا پیٹ بھرتا جاتا ہے، اعضاء شہوت کے اتنے ہی بھوکے ہوتے چلے جاتے ہیں۔ پیٹ بھر جائے اعضاء شہوت کے بھوکے ہو جائیں گے۔ ان کو شہوت کی بھوک لگ جائے گی، اب بندہ اپنے قابو میں نہیں رہتا۔ چنانچہ کہتے ہیں، کیا کریں

کہ نظریں قابو میں نہیں، خیالات قابو میں نہیں، یہ جو نظریں قابو میں نہیں ہوتیں یا خیالات قابو میں نہیں ہوتے، عام طور پر اس کا تعلق بسیار خوری کے ساتھ ہوتا ہے۔ ڈٹ کے کھانے کی عادت ہوتی ہے اس لیے شہوت قابو میں نہیں ہوتی۔

شہوت کیا ہے؟

اللہ رب العزت نے انسان کو ایک نعمت فائدہ مند چیزیں حاصل کرنے کے لیے دی اور ایک نعمت نقصان دہ چیزوں سے بچنے کے لیے دی۔ فائدہ مند چیزوں کو حاصل کرنے کے لیے جو نعمت دی، اس کو شہوت کہتے ہیں اور نقصان دہ چیزوں سے بچنے کے لیے جو نعمت دی، اس کو غضب کہتے ہیں، یہ دونوں انسان کی ضرورت ہیں۔

ہمارے عام نوجوان کے ذہن میں شہوت کا صرف ایک ہی مطلب ہے کہ مرد کے دل میں عورت کی ہوس، نوجوان سمجھتے ہیں کہ شاید شہوت اسی کا نام ہے۔

شہوت کے معنی:

شہوت کا لفظ اشتہا سے نکلا ہے اور اس کے معنی شریعت کی نظر میں بہت وسیع ہیں۔

شہوت کی اقسام:

جسم کے مختلف اعضاء کی اپنی اپنی شہوت ہے۔

(۱) شہوت شکم:

مثال کے طور پر جیسے کھانے پینے کی اشتہا ہوتی ہے، اس کو پیٹ کی شہوت یا شہوتِ شکم کہتے ہیں۔ بعض لوگوں کو کھانے پینے کا بڑا چسکا ہوتا ہے، ان کو فلاں چیز چاہیے، فلاں چیز چاہیے، اس لیے گھر کی پکی ہوئی حلال چیزیں کھانے کی بجائے

ہوٹلوں پر جا کر چائنیز فوڈز ان کو اچھا لگتا ہے، پیزا ہٹ کے چکر لگتے ہیں۔

عام طور پر یہ شہوت بچوں میں زیادہ ہوتی ہے۔ بس وہ کسی کو کوئی چیز کھاتا دیکھ لیں اُودھم مچادیتے ہیں، مجھے چاہیے اور ابھی چاہیے۔ جتنا بھی کہہ لو کہ دکانیں بند ہوچکی ہیں، وقت نہیں، ان کو اس سے کوئی غرض نہیں۔ ان کو بس وہ چیز چاہیے۔ ایک بچہ چیز کھا رہا ہوگا، جتنا مرضی سمجھائیں کہ کچھ بھائی کو دے دو، مجال ہے کہ وہ دے جائے۔ تو بچوں کے اندر کھانے پینے کا شوق، حرص، ہوس بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اس کو شہوتِ شکم کہتے ہیں۔ اس لیے چٹ پٹی چیزیں کھاتے ہیں۔ جنک فوڈ بڑے کم کھاتے ہیں نوجوان ٹین ایجرز زیادہ کھاتے ہیں۔ تو یہ شہوتِ شکم کہلائی۔

(۲) آنکھ کی شہوت:

ایک شہوت آنکھ سے وابستہ ہے کہ کوئی چیز ہو جو دیکھنے میں اچھی لگے۔ جو مزین ہو، خوبصورت ہو، اس کو شہوت تزئین کہتے ہیں۔ مزین ہونے کی شہوت۔ یہ اللہ نے عورتوں میں بہت رکھی ہے۔ خود بھی وہ چاہتی ہیں کہ بس ایسا سوٹ پہنیں جو کبھی کسی نے نہ پہنا ہو۔ اور جب ایک دفعہ کوئی سوٹ اتاریں تو نیا پہنیں، دھو کے نہیں پہننا۔ کپڑے بنواتی ہیں تو پہننے سے پہلے کسی کو دکھاتی بھی نہیں۔ چھپا کر سلواتی ہیں، چھپا کر دھوتی ہیں، چھپا کر خشک کرتی ہیں، سوچ یہ ہوتی ہے کہ میں شادی میں جس دن پہنوں، اس دن عورتیں دیکھیں کہ یہ سوٹ پہنا ہے۔ عام طور پر مرد اس معاملے میں بہت ہی غافل ہوتے ہیں۔ تو یہ بننے سنورنے کی چیز عورتوں میں زیادہ ہوتی ہے۔ نیک سے نیک عورت ہو تو اس کو بھی کسی نہ کسی درجے میں اس کی تمنا رہتی ہے کہ کپڑا ایسا ہو اور جوتا ایسا ہو۔ شریعت نے اس چیز کی کسی درجے میں اجازت بھی دی ہے، مگر جتنی اجازت دی ہے، ان کے اندر اس سے بہت زیادہ یہ شوق ہوتا ہے۔ ہر ایک کے اندر ہوتا ہے کہ میں ایسے بن کر رہوں جیسے حور عین ہوتی ہے۔ مرد لوگ نماز

میں کاروبار کی باتیں سوچتے ہیں۔ عورتیں نماز میں کھڑے ہو کر کپڑوں کی میچنگ سوچ رہی ہوتی ہیں۔ گھر بھی بنانا ہوگا تو اس میں ان کو چمک دمک والی چیزیں چاہیئے ہوتی ہیں۔ ڈیکوریشن پیس ایسے ہوں، لائٹیں ایسی ہوں، بیڈ روم ایسا اور ڈرائنگ روم ایسا ہو۔ اس کو شہوتِ تزئین کہتے ہیں، بن سنور کر رہنا اور گھر کو خوب بنا سنوار کے رکھنا۔

(۳) شہوت فرج:

اک تیسری شہوت ہے، جسے شہوتِ فرج کہتے ہیں۔ شرمگاہ کی شہوت۔ یہ مردوں میں زیادہ ہوتی ہے۔ چنانچہ مرد کنوارہ ہو یا شادی شدہ اس کی طبیعت ہر وقت یہ چاہتی ہے کہ مجھے ایک سے بڑھ کر ایک خوبصورت عورت مل جائے۔ ماں کا دل بیٹوں سے نہیں بھرتا، مرد کا دل عورتوں سے نہیں بھرتا۔ جتنے شادی شدہ بندے نظر آتے ہیں، تقریباً ان میں سے ننانوے نیصد کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ موقع ملے تو دوسری شادی کرلوں۔ چاہے گھر میں خوش بھی ہوں، بیوی خوبصورت بھی، لکھی پڑھی بھی ہے، سو فیصد کواپریٹو بھی ہے، صاحب اولاد بھی ہے، پھر بھی شادی کا شوق۔ چنانچہ ہم نے دیکھا کہ پوتے کا نکاح ہو رہا تھا۔ بعد میں مبارک باد دینے لگے تو باپ اور دادا دونوں نے کہا کہ کتنا اچھا ہوتا آج ہمارا بھی نکاح ہو رہا ہوتا!!!

(۴) شہوتِ قلب:

ایک چوتھی شہوت بھی ہے، جس کو شہوتِ قلب کہتے ہیں، آپ حیران ہوں گے کہ یہ نئی شہوت کی قسم سن لی۔ جی جسم کے مختلف اعضاء سے مختلف شہوتیں وابستہ ہیں۔ جب اس کا معانی اشتہا لیا گیا تو اشتہا کھانے پینے کی بھی، دیکھنے کی بھی اور اشتہا دل کے اندر بھی۔ مثال طور پر یہ شہوتِ قلب ماں میں بچوں کے بارے میں بہت ہوتی ہے۔ دل تڑپتا ہے، دل اداس ہوتا ہے، دل اثر قبول کرتا ہے، ذرا بچے کو کچھ ہو

بیچاریاں دل پکڑ کر بیٹھ جاتی ہیں۔ یہ دل کے ساتھ وابستہ ہے، اس کو ماں کی مامتا کہتے ہیں۔ یہ عورت کے لیے ایک عبادت ہے، مگر اللہ رب العزت نے دی ہے۔ چنانچہ اولاد کے احوال سے مرد اتنا متاثر نہیں ہوتا، ماں جلدی اثر قبول کرتی ہے۔

اسی طرح انسان کے دل کے اندر ایک شوق ہوتا ہے تا کہ میں اللہ کا ولی بنوں، تو یہ بھی ایک خواہش ہے، اس کو بھی شہوتِ قلب کہتے ہیں اور اس کی دلیل حدیث مبارکہ سے، نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

ان اللہ تعالیٰ جعل لکل نبی شھوتا و ان شھوتی فی قیام الیل

اللہ رب العزت نے ہر نبی کے لئے اک شہوت بنائی اور میری شہوت اللہ نے قیام الیل کے اندر رکھی ہے۔

قیام اللیل سے وہ میری شہوت پوری ہوتی ہے۔ یعنی عبادت کی اشتہاء قیام اللیل سے پوری ہوگی۔

اصل موضوع:

شہوت شکم پر تو پہلے بھی بات ہو چکی اس وقت ہم نے شہوت فرج یعنی شرمگاہ کی شہوت پر بات کرنی ہے۔

شہوتِ خفیہ:

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اتخوف علی امتی الشرك و شھوة الخفیه

مجھے اپنی امت کے اوپر دو باتوں کا بڑا خوف ہے کہ میرے بعد یہ اس میں مبتلا ہو جائیں گی، فرمایا کہ ایک شرک میں مبتلا ہو جائیں گی اور چھپی ہوئی شہوت میں یہ مبتلا ہو جائیں گی۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ اکثر لوگ ہم میں سے چھپی ہوئی شہوت کا شکار

رہیں)۔ ہر وقت ذہن پر یہی خیال یہی سوچ ہوتی ہے۔ نماز پڑھتے ہوئے بھی، چلتے ہوئے بھی، ایسے لگتا ہے کہ دن کا بیشتر حصہ ہمارا انہی سوچوں میں گزر جاتا ہے۔ شہوتِ خفیہ یہ ہوتی ہے کہ انسان اندر سے اپنی خواہش کو پورا کرنا چاہتا ہے۔

چنانچہ صحابی نے پوچھا کہ یہ شہوتِ خفیہ کیا ہوتی ہے؟ فرمایا کہ صبح اٹھ کر نفلی روزے کی نیت کرے گا، بعد میں بیوی پر نظر پڑے گی تو پھر کہہ دے گا اچھا میں کل روزہ رکھوں گا۔ آج بیوی کے ساتھ وقت گزار لیتا ہوں تو اس نے خواہش کس کی پوری کی، نفس کی خواہش پوری کی۔ یہ چیز جو اس کو اپنی خواہش پوری کرنے پر مجبور کر دیتی ہے اسے شہوت خفیہ کہتے ہیں۔ جیسے بوڑھے کہہ دیتے ہیں یہ تو بچی ہے اور میرے لیے بیٹی ہے۔ کہہ تو یہی رہے ہوتے ہیں میرے لیے بیٹی ہے مگر ان کی ہوس کی نظر اس کے جوان چہرے کو دیکھ رہی ہوتی ہے۔ ان دو چیزوں کا نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے بہت زیادہ ڈر ہے۔

شہوت کا توڑ:

ایک حدیث مبارکہ میں نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا

لو انتم تعلمون ما انتم لاکون بعد الموت

اگر تم جان لو کہ موت کے بعد تمہیں کیا حالات پیش آنے والے ہیں، قبر میں، حشر میں، **ما اکلتم طعاما علی شھوۃ ابدا** تم کبھی بھی اشتہا کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ، تم اشتہا سے کھانا ہی کھانا چھوڑ دو۔ **ولا شربتم شرابا علی شھوۃ ابدا** اور تم کبھی بھی مشروبات کو شوق یعنی رغبت کے ساتھ نہ پیو۔ نہ تمہیں کھانا اچھا لگے، نہ تمہیں پینا اچھا لگے۔ آج انسان اپنی شہوت سے مجبور ہو کر گناہ کر لیتا ہے اور آخرت کے بڑے بڑے عذاب اپنے سر پر مول لے لیتا ہے۔

لمحوں کی خطا صدیوں کی سزا:

اس لیے قیامت کے دن وہ کہے گا

علیٰ یارب شہوت ساعة پورسة علی حزن طویلا

ایک لمحے کی شہوت نے مجھے کتنا بڑا غم یہاں دے دیا۔ لمحوں میں خطائیں کی صدیوں کی سزا پائی، اس وقت انسان پچھتائے گا۔

شہوت دینے کا مقصد:

تاہم یہ شہوت دینے کے دو مقاصد تھے، ایک مقصد تو یہ تھا کہ انسان کی نسل قیامت تک باقی رہے، جاری رہے۔ دوسرا اس لیے کہ انسان کو اس دنیا میں جنت کی لذتوں کا کچھ نمونہ محسوس ہو جائے کہ اے میرے بندے اگر یہ چھوٹا سا نمونہ تجھے یوں پاگل بنا رہا ہے تو پھر جنت کی لذتوں کا تم کیا سوچتے ہو؟ کیسی کیسی لذتیں تمہارے انتظار میں ہیں۔ تو نمونہ اللہ رب العزت نے تمہیں دکھا دیا۔ اس لیے صحابی نے سوال پوچھا تھا۔

هل یمس اهل جنة ازواجهم ؟

کیا اہلِ جنت جنت میں اپنی بیویوں کے ساتھ میل ملاپ بھی کریں گے؟ نبی ﷺ نے فرمایا نعم ہاں۔ بذکر لا یمل ملاقات کریں گے مگر اس وقت وہ ذکر کی بھی کیفیت میں ہوں گے، غافل نہیں ہوں گے۔ ایسا ذکر جس میں کوئی ملال نہیں ہوگا و شهوة لا تنفطع اور ایسی شہوت جو کبھی ختم نہیں ہوگی۔ اللہ اکبر کبیرا ۔ کیا نعمت ہوگی جنت میں۔

جنتی مرد کی قوت:

حدیث پاک میں آتا ہے

قوة مائة رجل فی الاکل والشرب والجماع والشهوة

کہ ایک جنتی بندے کو میاں بیوی کے ملاپ میں اور شہوۃ میں سو بندوں کی طاقت دی جائے گی۔ اس حدیث پاک میں جماع کو الگ کہا اور شہوت کو الگ کہا، تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شہوت کا لفظ جماع کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور اس سے ہٹ کر بھی اس کا استعمال ہے۔

مؤمن اور منافق کا کھانا:

اور کھانے پینے کی شہوت کے متعلق حدیث مبارکہ ہے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

المؤمن یاکل بشهوة عیال

مؤمن اپنے عیال کی شہوت کی وجہ سے کھاتا ہے۔

ان کے کہنے پر یہ بھی ان میں شریک ہوتا ہے اور منافق کے بارے میں فرمایا:

والمنافق یاکل اهله بشهوة

اور منافق کے اہلِ خانہ بھی اس کی شہوت کی وجہ سے کھاتے ہیں۔

منافق کے اپنے اندر اتنی شہوت ہوتی ہے۔

شہوت بھری نظر کی سزا:

تاہم شریعت نے غیر محرم عورت کی طرف نظر شہوت بھری نظر سے دیکھنا حرام قرار دیا، نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

من نظر محاسن امرأة من شهوة صب فی عینیه الآنك یوم القیامة (هدایة: ٤/ ٤٦٠)

[جس نے کسی عورت کے چہرے کی طرف دیکھا شہوت کے ساتھ۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی آنکھوں کے اندر آگ کے اندر گرم کی ہوئی

سلائیاں پھیریں گے]

جیسے سرے کی سلائی پھیرتے ہیں نا جو شہوت کی نظر غیر محرم کی طرف ڈالی اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیریں گے۔ اس لیے اگر انسان کا جی بھی چاہے ادھر ادھر دیکھنے کو، تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔

ضبط شہوت پر وعدۂ مغفرت:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ **ای ما رجل اشتھی شھوۃ** کہ کوئی بندہ جس کو شہوۃ مجبور کرتی ہے کسی کام کیلیے **فرد شھوتہ** اور وہ اپنی شہوت کو رد کر دیتا ہے یعنی اس کو تھام لیتا ہے اس کو روک لیتا ہے **و آثر علی نفسہ** اور اپنے نفس پر کوئی دوسری بات یعنی اللہ کے خوف کو غالب کر لیتا ہے، نیکی کو غالب کر لیتا ہے، **غفرلہ** ایسا عمل کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس بندے کے پچھلے گناہوں کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔

یعنی جب طبیعت میں گناہ کا تقاضا پیدا ہو اور بندہ گناہ کے تقاضے کو روکے اللہ کے حکم کو سامنے رکھتے ہوئے اور اپنے اس تقاضے کو دبائے اگر وہ کامیاب ہو گیا تو اس عمل کی وجہ سے اللہ اس کے پچھلے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔ سوچئے اس پر کتنا بڑا اجر اللہ رب العزت نے عطا فرمایا۔

حیا اور شہوت:

اب یہ شہوت یہ شرم و حیا کی وجہ سے دبی رہتی ہے۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے:

ان شھوۃ نسائکم خضا علی شھوۃ رجال

[عورتوں میں یہ اشتہا مردوں کی نسبت زیادہ رکھی گئی ہے]

بلکہ ایک حدیث پاک میں آیا ہے:

حزلت المرأة على الرجال بتسعة و تسعين من الذت ولكن الله تعالىٰ القاعليهم من الحيا.

[عورت میں شہوت مردوں کی نسبت ننانوے گنا زیادہ رکھی گئی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان میں حیا رکھ دیا]

اللہ رب العزت نے عورتوں پر حیا غالب کر دیا، اس حیا کی وجہ سے یہ شہوۃ ان کو بہت زیادہ بے قابو نہیں ہونے دیتی تو گویا اس حدیث سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ حیا ایک ایسی نعمت ہے کہ اگر بندے کے اندر ہو، تو وہ اس کی شہوت کو قابو میں رکھتی ہے۔ اس لیے حدیث پاک میں فرمایا:

اذا فاتك الحياء اعمل ما شئت

جب حیا تجھ سے رخصت ہو جائے تو جو چاہے کرتا رہے، تو اللہ رب العزت سے حیا والی نعمت مانگنی چاہیے، تاکہ ہمارے اندر جو یہ ایک تقاضا ہے یہ دائرۂ شریعت کے اندر ہی رہے۔ کوئی ایسا کام کرنے پر مجبور نہ کرے جو شریعت کے خلاف ہو۔

شہوت پر کنٹرول:

شہوت وہ شیرینی ہے، جو اپنے چکھنے والے کو ڈس لیا کرتی ہے، جو اس لائن پر چلا اس کا نتیجہ بربادی کے سوا کچھ نہیں۔ ہمارے مشائخ نے فرمایا: شہوت کے کیڑے کو ابتدا میں مار ڈالو، اس کا مارنا آسان ہے، اگر نہیں مارو گے یہ کیڑا اژدھا بن کر ایک دن تمہارے گلے میں کنڈلی ڈالے گا۔ جو اس راستے پر چل پڑا، اس کا واپس آنا پھر بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔

شہوت کی کوئی حد نہیں:

جیسے کھانے پینے کی کوئی حد نہیں، شہوت کی بھی کوئی حد نہیں، جتنا اس کو استعمال کریں گے یہ بڑھتی جائے گی، تسلی کبھی نہیں ہوگی۔ جس طرح پیٹو آدمی کو دس روٹیاں کھا کر بھی بھوک لگی رہتی ہے، اسی طرح شہوت کے تقاضے کو بھی انسان جتنی مرضی دفعہ پورا کرے، اس کو پھر بھی اپنے اندر اس کی بھوک محسوس ہوگی۔

اس کا تعلق انسان کی عادت کے ساتھ ہے۔ جیسے ایک روٹی کی عادت بنا لے انسان اسی پر خوش ہوتا ہے۔ دو کی عادت بنا لے اس پر خوش ۔ اسی طرح انسان کی شہوت کا تعلق ہے۔ جو معمول انسان اپنی طبیعت پر بنا لے۔ طبیعت اسی پر سیٹ ہو جاتی ہے۔ لہٰذا نیکوکار لوگ اعتدال کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں اور بدکار لوگ اپنی شہوت کی قوت کو ضرورت سے زیادہ استعمال کر کے جوانی کے اندر بوڑھے ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اسی لیے عقل مند لوگ اس جذبے کو اعتدال میں رکھتے ہیں۔

شہوت ختم کرنے کا مقصد:

بہت سے نوجوان شہوۃ ختم کرنے کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ بندے کو رغبت ہی نہ رہے، عورت دیوار کی مانند بن جائے۔ اس کا نام شہوت کا ختم کرنا نہیں۔ اگر عورت دیوار کی مانند ہو جائے تو پھر اس کو اس پر اجر کیا ملے گا؟ اگر کوئی اندھا کہے کہ میں غیر محرم سے نگاہوں کی حفاظت کرتا ہوں تو کیا اس کو ثواب ملے گا؟ ہرگز نہیں کیونکہ وہ تو دیکھ ہی نہیں سکتا، اس کو کیا اجر ملا۔ اگر کوئی نابالغ بچہ یہ کہے کہ میں زنا سے پرہیز کرتا ہوں تو کہیں گے کہ تیرے اندر تو تقاضا ہی نہیں۔ اجر تب ملتا ہے جب انسان اس تقاضے کو دباتا ہے۔ تو شہوۃ ختم کرنے سے مراد یہ ہے کہ شہوت کا بے جا تقاضا ختم ہو جائے۔ اور جو دائرہ شریعت کے اندر ہے، اس طریقے سے انسان اپنے تقاضے کو پورا

کر کے مطمئن ہو جائے ، یہ شہوت کا ختم کرنا ہے۔ اس سوچ میں نہ رہے کہ کوئی ایسا ذکر ہوگا کہ اس کے بعد عورت کی طرف دیکھیں گے بھی تو دیوار کی طرف دیکھ رہے ہوں گے، ایسے کبھی نہیں ہوگا۔ اس کو دائرۂ شریعت کے اندر لے آنا اس شہوت کو ختم کرنے کا دوسرا نام ہے۔ کیونکہ جب یہ دائرۂ شریعت کے اندر آ گئی تو اب یہ باعث عذاب ہونے کی بجائے باعث اجر بن گئی۔

جائز طریقہ شہوت باعث اجر ہے:

چنانچہ نبی علیہ السلام نے فرمایا آدمی جب اپنی بیوی کے ساتھ اکٹھا ہوتا ہے تو اس وقت اس کو اجر ملتا ہے۔ صحابہ کرام بڑے حیران۔ اے اللہ کے نبی! اس نے تو اپنی خواہش کو پورا کیا اور اس پر اجر بھی ملا۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ہاں، اگر وہ اس تقاضے کو غیر جگہ پورا کرتا تو کیا اس کو گناہ ہوتا۔ صحابہ نے کہا، جی گناہ ہوتا۔ فرمایا، اگر غیر جگہ پورا کرنے پر گناہ ہونا تھا تو جائز جگہ اس کو پورا کرنے پر پھر ثواب بھی ملنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کتنے رحیم ہیں کہ بندہ اپنی ضرورت بھی پوری کرے اور اللہ رب العزت کی طرف سے اس کو اس پر اجر بھی دے دیا جائے۔

سوچ اور شہوت کا تعلق:

اس شہوت کا تعلق پچھتر فی صد انسان کی سوچ اور دماغ کے ساتھ ہے۔ یہ ایک تحقیقی بات ہے، سن لیجئے۔ اکثر نوجوان یہ سمجھتے ہیں کہ بس شہوت کا تعلق انسان کی شرمگاہ کے ساتھ ہے۔ نہیں۔ میڈیکل سائنس نے آج اس کو ثابت کر دیا ہے، یہ ایک Proofed (ثابت شدہ) چیز ہے کہ شہوت کا پچھتر فی صد تعلق انسان کی سوچ سے ہے۔ چنانچہ اگر کوئی بندہ ایسا ہو جس پر ہر وقت شہوانی شیطانی نفسانی خیال غالب رہتا ہو، اس کی طبیعت کے اندر ہر وقت ایک ہیجان ہو، فرسٹیشن ہو، تو ڈاکٹر لوگ اس کے

دماغ کا علاج کرتے ہیں۔ اس کو جو گولی دیتے ہیں، وہ اس کے دماغ کو پرسکون کرنے کی ہوتی ہے۔ اس کے جسم کے جو اعضاءِ شہوت ہیں ان کے ساتھ اس کا کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔

فکر کی گندگی ذکر سے دور ہوتی ہے:

اب جب میڈیکل سائنس نے بھی یہ ثابت کر دیا کہ شہوانی سوچوں کے غالب آنے کا تعلق دماغ کے ساتھ ہے، اس کا علاج کرنا چاہیے۔ تو ہمارے حضرات نے بہت سال پہلے اس بات کو یوں کہا کہ ''فکر کی گندگی ذکر سے دور ہوا کرتی ہے'' چند لفظوں کے اندر کتنی بڑی حقیقت کھول دی۔ انہوں نے کہا یہ جو ہر وقت شیطانی سوچیں ہیں یہ در اصل فکر گندی ہے۔ تو فرمایا ''فکر کی گندگی ذکر کی سے دور ہوتی ہے'' تو گولیاں کھانے کی ضرورت نہیں۔ اگر انسان صاحبِ ذکر لوگوں کے پاس بیٹھ کر ذکر سیکھے اور اسے کرے بھی۔ آج اول تو سیکھتے نہیں اور اگر سیکھ لیتے ہیں تو کرتے نہیں، کتنی دیر مراقبہ کیا؟ حضرت بس پانچ منٹ کرتا ہوں۔ یہ پانچ منٹ مراقبے سے کچھ نہیں ہوتا، یہ تو خانہ پری والی بات ہے۔

حسب معیار کام کا فائدہ:

دنیا میں ہر چیز کا ایک معیار ہے جب تک معیار تک چیز نہ پہنچے اثرات نے نہیں دکھائی دیتے۔ اگر یہاں پر ایک سوفٹ پر پانی نکلتا ہے اور میں پچاس پچاس فٹ کے ہزار بور کروادوں تو پانی نکل آئے گا؟ نہیں نکلے گا۔ میں کہوں کہ ایک ہزار بور کروائے ہیں میں نے پانی نکل ہی نہیں رہا تو لوگ مجھے سمجھائیں گے کہ جناب عقل کے ناخن لیں ایک بور سوفٹ کا کروالیں اسی میں سے پانی نکل آئے گا۔ معیار ہے ہر چیز کا۔

اسی طرح ذکر کے اثرات مرتب ہونے کا ایک معیار ہے۔ جب تک اس معیار

کو پورا نہیں کریں گے وہ اثرات مرتب نہیں ہوں گے۔اس کی ایک اور مثال سمجھ لیں کہ انسان کو بخار ہوتا ہے، وہ اینٹی بایوٹک کھاتا ہے۔اب اینٹی بایوٹک کھانے کا ایک معیار ہے کہ صبح شام اتنے ملی گرام کی ایک گولی آپ استعمال کریں۔ کتنے دن کریں پانچ دن کریں۔فرض کریں دس گولیاں ڈاکٹر نے دے دیں۔اب مریض صاحب گھر آگئے اس نے کہا دس گولیاں ہی کھانی ہیں نا۔دوسرے تیسرے دن ایک گولی کھالوں گا۔اب وہ کبھی دوسرے دن ایک گولی کھاتا ہے کبھی تیسرے دن، ایک مہینہ میں دس گولیاں ختم بھی کرلیتا ہے لیکن بخار ہی نہیں اترتا۔ڈاکٹر صاحب کو کہے گا، جتنی گولیاں دی تھیں ساری کھالیں، ڈاکٹر صاحب کہیں گے تم نے بالکل ٹھیک دوائی کھائی لیکن جس مقدار کے حساب سے تمہیں روزانہ کھانی چاہیے تھی تم نے وہ نہیں کھائی۔اس لیے بخار نہیں اترا۔تم نے صبح شام ایک خوراک کھانی تھی پانچ دن میں بخار اتر جاتا۔اسی طرح ذکر کا ایک معیار ہے اگر ہم اس معیار کے مطابق ذکر کریں گے تو اللہ رب العزت شہوت کا بخار انسان کے دل سے اتار دیں گے۔سوچ پاک ہو جائے گی۔

ماچس کی تیلی:

یہ نہیں ہوتا کہ انسان اس کے بعد مرد ہی نہیں رہتا۔بس وہ جو غلط قسم کی سوچیں تھیں وہ ختم ہو جاتی ہیں۔جس طرح ماچس کی تیلی ہوتی ہیکہ آگ اس کے اندر ہوتی ہے، ذرا سی رگڑ لگنے کی دیر ہوتی ہے آگ بھڑک اٹھتی ہے۔آج کے نوجوان اسی طرح ماچس کی تیلی بنے ہوتے ہیں۔مسجد سے باہر قدم رکھتا ہے، ادھر نظر پڑی رگڑ لگ گئی، آگ بھڑک اٹھی۔اس گلی میں ادھر نظر پڑ گئی رگڑ لگ گئی، آگ بھڑک اٹھی۔ذکر کرنے سے یہ کیفیت ختم ہو جاتی ہے، فرسٹیشن انسان کی زندگی سے ختم ہو جاتی ہے، پرسکون زندگی ہو جاتی ہے۔سوچ پاکیزہ ہو جاتی ہے۔

اسی سالہ بوڑھے کی حالت:

اس لیے آپ حیران ہوں گے کہ اگر محنت نہ کریں تو بوڑھوں کے اندر بھی شہوت اتنی ہوتی ہے کہ جس کا انسان اندازہ نہیں لگا سکتا۔ کچھ عرصہ پہلے میرے پاس صاحب تشریف لائے، نمازی تھے، حاجی تھے، نیک تھے علاقے کے نمبردار تھے۔ بہت بااخلاق انسان تھے، بوڑھے تھے، ان کی بھنوؤں کے بال بھی سفید تھے اور پلکوں کے بال بھی سفید تھے، بہت باعزت شخصیت تھی اپنے علاقے کی۔ ملنے کے لیے آئے آ کر انہوں پاؤں پکڑ لیے اور رونے بیٹھ گئے۔ مجھے بڑا تعجب ہوا، یہ نواب آدمی ہے، لوگ ان کے پاس جا کر روتے ہیں اور ان سے اپنی ضرورتیں پوری کرواتے ہیں اور یہ اتنے مخیّر بندے بھی ہیں، آج ان کو کیا بنا۔ میں نے ان کو تسلی دی، دلاسہ دیا، پوچھا کیا بنا؟ کہنے لگے ''میرے پلکوں کے بال سفید ہو گئے، اب بھی میں گھر سے باہر نکلتا ہوں غیر محرم پر میری شہوت کی نظر پڑ رہی ہوتی ہے، میں اب اسی سال کے قریب ہو گیا ہوں، میرے جسم میں فعل کے کرنے کی طاقت نہیں ہے، یہ نہیں ہے کہ میرے جسم میں کوئی اشتہا ایسی ہے جو ستا رہی ہے۔ کہنے لگے وہ طاقت بھی نہیں ہے جسم میں۔ بس ہوس ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اگر انسان محنت نہ کرے تو اسی سال میں بھی شہوت کی یہ حالت ہوتی ہے۔

تیس سالہ نوجوان کی پاکیزگی:

اور اگر محنت کرے تو عین جوانی میں بھی اس کی سوچ پاکیزہ ہو جاتی ہے۔ ابھی یہاں آنے سے پہلے۔ ایک حافظ صاحب ہیں ہمارے۔ ماشاءاللہ ذاکر شاغل ہیں، اپنا کاروبار کرتے ہیں، اپنے حالات سناتے ہوئے بتانے لگے کہ حضرت میں چائنا سے کچھ مال ایکسپورٹ کرتا ہوں۔ کچن ویئرز کا مجھے اپنے کام کے لیے جانا پڑا۔ مجھے

نہیں پتہ تھا۔ کمپنی کی جو ڈائریکٹر تھی وہ عورت تھی۔ میٹنگ کے لیے جب مجھے لے کر گئے تو دو عورتیں، ایک وہ ڈائریکٹر اور ایک اس کے ساتھ اور بھی کم عمر کی سیکرٹری، میٹنگ روم میں میں جا کر بیٹھ گیا۔ کہنے لگا کہ ایک لمحہ کے لیے تو میں ذرا پریشان ہوا۔ پھر میں نے سوچا کہ میں نے میٹنگ کرنی ہے اور بس۔ کہنے لگا چار گھنٹے میری ان کے ساتھ میٹنگ رہی۔ ہم نے ایک ایک آئیٹم کی Specification (خصوصیت) کو طے کیا، پرائس کو طے کیا، چار گھنٹے کے بعد میں جب باہر نکلا تو دونوں میں سے کسی ایک شکل بھی میں نے آنکھ سے نہیں دیکھی تھی۔ یہ تیس سال کا نوجوان تھا۔ تو تیس سال کا نوجوان چار گھنٹے میٹنگ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں قسم اٹھا کر کہہ سکتا ہوں کہ ان دونوں لڑکیوں میں سے کسی ایک کی شکل بھی میں نے نہیں دیکھی۔ مگر کہتا ہے کہ اس کے بعد تین دن جو میرے گزرے ایک حلاوت رہی ایمان کی وہ میں الفاظ کے اندر بیان نہیں کر سکتا۔ تو محنت کرے انسان تو تیس سال کی عمر میں بھی اللہ اسے ایسا قابو دے دیتے ہیں۔ اور اگر محنت نہ کرے تو اسی سال کی عمر میں انسان کی نگاہیں ایسی ناپاک ہوتی ہیں۔

شہوت اور خیالات کی ٹریفک:

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ شہوت کے کنٹرول کرنے کا زیادہ تعلق انسان کے دماغ کے ساتھ ہے، سوچ کو پاک کرنا چاہیے۔ اگر کوئی برا خیال آئے اس کو ذہن میں جمنے نہ دیں۔ یہ ذہن اک شاہراہ کی مانند ہے، ٹریفک آتی جاتی رہتی ہے۔ نیک خیال آئے تو اس کے بارے میں سوچیں اور برا خیال آئے تو آپ دوسرے خیال کی طرف متوجہ دیں، اس پر توجہ ہی نہ دیں۔ جیسے ناراض بندہ ہوتا ہے کہ کسی سے ناراضگی ہے تو وہ محفل میں ہے تو اس طرف دیکھتا ہی نہیں حالانکہ سارے بیٹھے ہوتے ہیں ادھر دیکھتا ہی نہیں۔ آپ اللہ رب العزت کی رضا کے لیے ایسے شیطانی اور شہوانی خیالات کے

ساتھ ناراض ہو جائیں۔ سوچنا ہی نہیں اس بارے میں، ذہن میں آئے اور جائے۔ اس کو ذہن میں ٹکنے نہ دیں۔ جب انسان ذہن میں اس کو ٹکا کر کسی کے بارے میں سوچنا شروع کر دیتا ہے تب شیطان کو امیدیں لگ جاتی ہیں۔ جو بندہ اپنے دماغ میں شہوانی خیالات کو سوچتا رہتا ہے، تانے بانے بنتا رہتا ہے شیطان ہمیشہ اس بندے سے پرامید رہا کرتا ہے۔ ہاں کبھی نہ کبھی موقع ملا Execute (عمل) بھی کرواؤں گا اس کی خواہش کو، شیطان اس سے ناامید نہیں ہوتا۔ جو شخص ذہن میں اس خیال کو پراسیس ہی نہیں کرتا، شیطان اب اس سے ناامید ہو جاتا ہے۔ لہٰذا خیالات کا آنا اور جانا برا نہیں۔ برے خیال کا ذہن میں لانا اس کو جمانا اور لطف اندوز ہونا یہ برا ہے۔ تو آج ہم یہ نیت کریں کہ ہم نے اپنے ذہن میں ان خیالات کی طرف توجہ ہی نہیں دینی۔ ان کو سوچنا ہی چھوڑ دیں گے، سوچیں گے تو نیک خیال، اچھا خیال۔ برے خیال کی طرف ہم نے دھیان ہی نہیں دینا۔

شہوت سے نجات کا فطری طریقہ:

اس شہوت کی مصیبت سے نجات پانے کے لیے اللہ رب العزت نے فطری نسخہ بتا دیا۔ یہ ارشاد فرمایا کہ

فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ (النساء:٣)

[تم میں سے جو عورت تمہیں پسند ہو، تم اس کے ساتھ نکاح کرلو]

تو دیکھو! شریعت نے کتنا ایک نیچرل طریقہ بتایا، اور یاد رکھیں آج ہمارے ماحول معاشرے میں نوجوان بچوں کے بگڑنے کی ننانوے فیصد وجہ ان کی بے وقت شادی ہے۔ بچے نوجوان ہو جاتے ہیں اور ان کے اندر جوانی کا تقاضا ہوتا ہے اور ماں باپ کے نظر میں وہ ابھی بچے ہی ہوتے ہیں۔ اور وہ بچے پھر ماں باپ کی ناک

کے نیچے دیئے جلاتے ہیں۔ اپنی شہوت کے تقاضے کو پورا کرنے کے لیے کبھی کوئی حرکت کرتے ہیں کبھی کوئی حرکت۔ ان کی پوری زندگی بس اسی شہوت کو پورا کرنے کے لیے بھاگ دوڑ ہو رہی ہوتی ہے۔ تعلیم میں بھی اچھے نہیں رہتے، ماں باپ کی بھی بات نہیں مانتے، کاروبار میں بھی دلچسپی نہیں لیتے۔ تو بھئی شادی کو دیر کرنے کا کیا فائدہ؟

شریعت نے حکم دیا کہ جب بچی کے جوڑ کا خاوند مل جائے تم فوراً اس کا نکاح کر دو۔ سب سے بہترین اصول یہ ہے کہ جیسے ہی بچہ نوجوان ہو اور اس قابل ہو کہ ماں باپ کی سرپرستی میں اپنا گھر سنبھال سکے، ماں باپ اس کو سپورٹ کر سکتے ہیں، شادی کر دو۔ پڑھتا بھی رہے گا کاروبار بھی کرتا رہے گا۔ کیا شادی پڑھنے سے روکتی ہے؟ بلکہ سچی بات کروں۔ جب شادی نہیں ہوتی آپ بچے کو بٹھاتے ہیں وہ کھول کر تو کتاب بیٹھا ہوتا ہے مگر دیکھ کچھ اور رہا ہوتا ہے۔

کتاب کھول کر بیٹھوں تو آنکھ روتی ہے
ورق ورق تیرا چہرہ دکھائی دیتا ہے

کیا آپ نے پڑھا لیا بچے کو؟ اللہ کی بھی جواب دہی ہوئی کہ گناہ ہوا۔ کیونکہ اگر ماں باپ بچے کا نکاح کر سکتے ہیں اور وہ نہیں کرتے تو بچہ جو گناہ بھی کرے گا اس کا عذاب بچے کے سر پر بھی اور بچے کے ماں باپ کے سر پر بھی ہوگا۔ نا کردہ گناہ۔ اس لیے اس چیز کو عام کرنا چاہیے کہ جیسے ہی رشتہ جوڑ کا ملے فرض نبھاؤ۔

تقاضے کو دبانا آخر کب تک؟

بھئی ایک بندے کو بھوک لگی ہوئی ہے آپ کب تک اس کو تسلیاں دیں گے، کب تک کہیں گے: اچھا تجھے کھانا مل جائے گا، مل جائے گا، ایک دن دو دن تنگ آ کر وہ تو حرام کھائے گا۔ بالکل اسی طرح بچے نوجوان ہیں، تقاضے ان کے اندر موجود ہیں، ان

کو کب تک آپ روکیں گے اور کب تک آنکھیں بند کریں گے۔ ہاں بچے ٹھیک ہیں، بچے ہیں۔ وہ بچے نہیں ہوتے آپ ان کے حالات کھول کر دیکھیں آپ کو ان کے اندر ایک ہسٹری نظر آئے گی۔ اسی لیے بچے اپنے دوستوں کے پاس زیادہ بیٹھتے ہیں، ان کی باتوں کو قبول کرتے ہیں اندر سے وہ بگڑ چکے ہوتے ہیں۔ اور بعض بچے تو شادی سے پہلے ہی کرانک ڈیسیز میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

ایک بنیادی اصول:

ایک اصول عرض کر دوں۔ جہاں نکاح عام ہوگا زنا مشکل ہوگا۔ جہاں نکاح مشکل ہوگا وہاں زنا آسان ہوگا۔ تو اللہ رب العزت نے اس میں ایک فطری طریقہ بتا دیا فرمایا کہ تم شادیاں کرو۔

شہوت پر قابو پانے کا دوسرا طریقہ:

شہوت پر قابو پانے کا دوسرا طریقہ ہے، نفس کو بھوک دینا، روزے رکھنا۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

یمعشر الشباب من استطاع منکم البائۃ فلیتزوج (مشکوۃ)

اے نوجونو! تم میں سے جس کے پاس استطاعت ہے اس کو چاہیے کہ وہ نکاح کرے اور جو نہیں کر سکتا تو اس کو چاہیے کہ وہ روزے رکھے۔ لیکن ہم اگر مہینے میں ایک روزہ رکھ لیں، دو رکھ لیں، تین رکھ لیں تو کام نہیں بنے گا۔ شہوت کو توڑنے کے لیے کم از کم ایک دن کھانا ایک دن روزہ، ایک دن کھانا، ایک دن روزہ یوں رکھنا ہوگا۔ یہ کم از کم ہے، ورنہ ہمارے مشائخ نے اپنی شہوت کو توڑنے کے لیے روزانہ بھی روزے رکھے ہیں۔ اور اگر ہم بچوں کو مرغن غذائیں بھی کھلائیں، پسند کے کھانے کھلائیں اور جی بھر کر کھلائیں اور پھر ان کا نکاح بھی نہ کریں تو نتیجہ کیا نکلے گا۔

شہوت سے بچاؤ کا تیسرا طریقہ:

ایک علاج قرآن مجید میں بھی اس کا بتایا گیا کہ اگر تمہیں اپنے گھر سے باہر نکلنا پڑے، تو فرمایا:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (النور:۳۰)

[ایمان والوں سے کہہ دیجئے! اپنی نگاہوں کو نیچا رکھے]

دیکھیں ہی نہ غیر کی طرف، جدھر دیکھنے سے انسان کی شہوت بھڑکتی ہے، اس طرف نظر اٹھنے سے اپنے آپ کو بچائیں۔ دیکھا! کیسی پیاری تعلیم ہے، کہتے ہیں کہ جس منزل پر نہیں جانا، اس کا راستہ ہی کیا پوچھنا۔ جب گناہ ہی نہیں کرنا، زنا کے قریب ہی نہیں جانا، تو آنکھ اٹھا کے ہی کیا دیکھنا۔ تو شریعت نے پہلے قدم پر ہی پابندی لگا دی آنکھوں کو قابو میں رکھو۔ نگاہوں کو نیچا رکھنا اس کا بنیادی علاج ہے۔ عادتاً نیچے رکھیں۔ ہمیں تو آج نیچا رکھنے کی عادت ہی نہیں ہے۔ اب اگر نہ نکاح وقت پر کیا، نہ روزے رکھے، نہ نگاہوں کو کنٹرول کیا تو پھر شہوت کا بھوت تو سوار ہو جائے گا۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کا فرمان:

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جس کی آنکھیں قابو میں نہیں اس کا دل قابو میں نہیں اور جس کا دل قابو میں نہیں اس کی شرمگاہ قابو میں نہیں۔ دل کا فیصلہ آنکھیں کرتی ہیں۔

حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کا تقویٰ:

حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے جب قرآن پاک میں پڑھا کہ "ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ نگاہیں نیچی رکھیں" تو مجھے نگاہیں نیچی رکھنے کی عادت پڑ گئی۔ میں باہر تو نظر نیچی رکھتا ہی تھا، گھر میں بھی نیچی

رکھتا۔ حتیٰ کہ حقیقی بہن کے چہرے کو بھی نہ دیکھتا کہ شریعت نے یہ نہیں کہا کہ نامحرم کو نہ دیکھو، شریعت نے یہ کہا ہے کہ نگاہیں نیچی رکھو۔ فرماتے ہیں کہ نگاہیں نیچی رکھتے رکھتے ایک وہ وقت آ گیا کہ میں اپنی سگی بہن کی شکل بھول گیا۔ اگر اس کو دوسری لڑکیوں کے ساتھ بٹھا دیا جاتا تو میں شکل سے نہ پہچان پاتا۔ ہاں جب وہ بولتی، میں آواز سے اپنی بہن کی آواز کو پہچانا کرتا تھا۔ تقویٰ کی انتہا دیکھیے کہ محرم عورتوں کی شکلوں کو بھی نہیں دیکھا کرتے تھے، چہ جائیکہ آج کا نوجوان غیر محرم کی شکلوں سے اپنی نظروں کو ہٹا نہیں پاتا۔

دیکھنے سے ہوس بڑھتی ہے:

بھئی یہ ٹھپے تو نئے سے نئے اللہ تعالیٰ نے ایک کی شکل دوسرے سے علیحدہ بنائی، اس کی کوئی انتہا نہیں ۔ جتنا دیکھیں گے حرص بڑھتی چلی جائے گی، ہوس بڑھتی چلی جائے گی ۔ لہٰذا اس کا انجام سوائے گناہ کے اور کوئی نہیں ۔ اس لئے اس کا علاج ہے کہ اس کو قابو کیا جائے۔

ہوس کا علاج:

طلباء پوچھتے ہیں کہ حضرت! اس کا کوئی حل بتائیں۔ پہلا حل: اپنی نگاہوں کو نیچی رکھنے کی عادت ڈالئے اور یہ عادت بنانے سے بن جاتی ہے۔ نگاہ نیچی رکھنے کی عادت ڈالیں، شروع میں ذرا مشکل تو ہوگا۔ اپنے آپ کو ملامت کیجئے پھر نگاہ نیچے رکھئے۔ پھر ملامت کیجئے، نگاہ نیچے رکھئے۔ حتیٰ کہ عادت ہی بن جائے گی تو نگاہ کو نیچے رکھنا اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کی بنیاد ہے۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی نگاہوں کو نیچا رکھو اگر چہ کسی مادہ بکری کی شرمگاہ ہی کیوں نہ ہو۔ یعنی انسان تو کیا جانوروں کی طرف بھی ایسی جگہ پر نظر اٹھانے سے منع فرما دیا۔ اسی لئے پہلے پاکیزہ

زندگیاں ہوتی تھیں۔

پاکیزگی کے اثرات:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ایک نوجوان آیا۔ حضرت سے مسئلہ پوچھتے پوچھتے کہنے لگا: عورت کے اعضاء کی شکل کیسی ہوتی ہے مجھے تو اتنا بھی پتا نہیں، اتنا پاکیزہ ماحول تھا کہ بچے جوان ہو جاتے تھے اور ان کو اتنا نہیں پتا ہوتا تھا کہ مرد اور عورت کے جسم میں فرق کیا ہوتا ہے۔ ایسا پاکیزہ ماحول تھا۔ تبھی وہ محدث بنے، مفکر بنے، مفسر بنے، فقیہہ بنے۔

بدنظری کا وبال:

یہ نظر کی حفاظت انتہائی ضروری ہے، کبیرہ گناہ ہے۔ اس کے اوپر بسا اوقات انسان کے اوپر بڑی سزا آجاتی ہے۔

چنانچہ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے تلبیسِ ابلیس کتاب میں یہ لکھا ہے کہ ایک حافظ قرآن شخص تھا، اس نے ایک دفعہ بدنظری کی۔ ایک دفعہ کی بدنظری کرنے سے وہ شخص بالکل قرآن مجید بھول گیا۔

اور دوسرا واقعہ انہوں نے لکھا ہے کہ ایک مؤذن تھا، اذان دینے مینارے پر چڑھا، ہمسائے کی طرف نظر پڑی، ایک لڑکی نظر آئی بس دل میں ایسا جوش اٹھا کہ اس لڑکی کے ساتھ اس کو عشق ہو گیا۔ نیچے اترا پتہ کیا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم کرائے دار ہیں اور عیسائی ہیں۔ کہنے لگا کہ میں تمہاری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا: ہم شادی کرنے کو تیار ہیں، ہماری شرط ہے کہ جو ہمارے دین پر ہوگا ہم اسی کے ساتھ شادی کریں گے۔ اب اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ ابھی میں مذہب بدل کر شادی کر لیتا ہوں، بعد میں پھر مسلمان ہو جاؤں گا۔ کہنے لگا: ہاں

میں عیسائی ہو جاتا ہوں۔ اس نے کہا: آئیے۔ یہ سیڑھیاں چڑھنے لگا تو سیڑھیوں سے پاؤں پھسلا گردن کے بل گرا اور وہیں اسے موت آ گئی۔

نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے ہم
نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

ایمان سے محروم ہو گیا۔ تو ابن جوزیؒ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ بدنظری کا ایک عذاب یہ بھی ہوتا ہے کہ اکثر ایسے لوگوں کو موت کے وقت اللہ تعالیٰ کلمے سے محروم کر دیتا ہے۔

اللہ رب العزت کی غیرت:

مجھے اس پر بہت عرصہ بڑا تعجب رہا کہ یا اللہ! اور بھی بڑے بڑے گناہ ہیں مگر ان گناہوں کی یہ سزا تو کہیں نہیں بتائی گئی کہ خاتمہ برا ہو جاتا ہے۔ اس گناہ پر ایسا کیوں ہے۔ تو بڑے عرصے کے بعد مشائخ کے صحبت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے یہ بات سمجھائی کہ اصل میں یہ ایسا گناہ ہے جس میں اللہ رب العزت کی غیرت کا معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ بندے! تو مجھ سے محبت کر مجھ سے دل لگا تو اپنے دل میں مجھے بسا، تو میرے لیے اداس ہو، تو میرے ساتھ محبت کر، جب اللہ رب العزت کی بجائے یہ انسان محبت کی نظر غیر محرم پر ڈال رہا ہوتا ہے پھر اللہ رب العزت کو غیرت آتی ہے۔ اس غیرت کی وجہ سے کبھی کبھی اللہ رب العزت بندے کو اپنے دربار سے دھتکار دیا کرتے ہیں۔

اس لیے آپ دیکھیں گھر میں بیوی کو کپڑے کی تنگی، کھانے پینے کی تنگی، کپڑے کی تنگی اور چیزوں کی تنگی، بیوی آرام سے برداشت کرتی رہتی ہے۔ مگر بیوی کے سامنے مرد کسی غیر عورت کو دیکھے پھر دیکھیے حشر کیا ہوتا ہے۔ بیوی کہے گی کہ سب کچھ میں برداشت کر سکتی ہوں، یہ نہیں میں برداشت کر سکتی۔ یہی اللہ رب العزت کا معاملہ

ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا:

انا اغیر من الناس و الله اغیر منی

[میں لوگوں میں سب سے زیادہ غیرت والا ہوں اور اللہ مجھ سے بھی زیادہ غیرت مند ہیں]

تو یہ جو نظریں ڈالتے ہیں محبت کی، چاہت کی، ہوس کی، یہ نظریں کبھی کبھی اللہ رب العزت کی طرف سے خفا ہونے کا سبب بن جاتی ہیں۔ اور جب وہ خفا ہو جاتے ہیں تو پھر بندے کا انجام برا ہو جاتا ہے۔

زنا کا قصاص ہوتا ہے:

شہوت سے جو انسان گناہ کرتا ہے زنا، یہ ایک ایسا گناہ ہے کہ جس کے اثرات آئندہ بھی انسان کی نسل پر مرتب ہوتے ہیں۔ چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات لکھی ہے، اشعار لکھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ زنا کا قصاص ہوتا ہے۔ قصاص سے کیا مراد۔ کہ جو بندہ گناہ کرتا ہے اگر توبہ نہ کرے تو اس کے گھر کی کسی نہ کسی عورت کے ساتھ زنا کیا جائے گا۔

سنیے حدیث پاک کا مفہوم، ایک صحابی آئے۔ عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے اپنی بیوی کے بارے میں خواہ مخواہ ذہن میں شک گزرتا ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اگر دوسروں کی عورتوں کے ساتھ پرہیز گاری کا معاملہ کرو گے لوگ تمہاری عورتوں کے ساتھ پرہیز گاری کا معاملہ کریں گے۔ تم دوسروں کے بارے میں پرہیز گار بن جاؤ۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کی نگاہوں کو تمہاری عورتوں سے ہٹا دیں گے۔ اور فرمایا کہ جو شخص زنا کرے گا اور توبہ بھی نہیں کرے گا، نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا، اس کی گھر کی عورت سے زنا ہوگا، بلکہ نہ ہوا تو اس گھر کی دیواروں کے ساتھ بھی زنا کیا جائے گا، تاکید کی خاطر یہ الفاظ کہے۔ تو کیا خیال ہے ہم اگر اپنی نظروں کو بے قابو

چھوڑ دیتے ہیں، ہماری ماں ہماری بہن ہماری بیٹی کسی کے اوپر کسی کی نظر نہیں پڑے گی۔

سبق آموز واقعہ:

بلکہ اس کا ایک واقعہ لکھا ہے۔ایک بادشاہ کو کسی عالم نے یہ مسئلہ سمجھایا، اس نے کہا کہ میں تو کسی سے یہ طمع نہیں رکھتا، لہٰذا اس کے ذہن میں آیا کہ اس کو آزماؤں تو سہی۔ بیٹی شاپنگ کرنے کے لیے جارہی تھی، اس نے کہا بیٹی ذرا آج جاؤ لیکن جس طرح بہت چہرہ ڈھانپتی ہو اس طرح نہ ڈھانپنا اور واپس آکر مجھے بتانا کہ کیا ہوا۔گئی۔ واپس آئی، پوچھا: کیا ہوا؟ وہ کہنے لگی: میں بازار گئی، چیز خریدی، واپس آئی، میری طرف کسی نے دھیان نہیں دیا۔لیکن جب میں محل کے اندر داخل ہوئی تو چونکہ آج میں عام کپڑوں میں تھی اور محل کے لوگ مجھے پہچانتے نہیں تھے۔تو ایک سیکورٹی گارڈ نوجوان لڑکا تھا، وہ مجھے کوئی خادمہ سمجھا، کام کرنے والی سمجھا، میں وہاں گزری، وہ آیا مجھے گلے سے لگایا اور بھاگ گیا۔ یہ سن کر بادشاہ کی آنکھ میں آنسو آ گئے، بیٹی کو تو اس نے کچھ نہ کہا، لیکن اس عالم کو آ کر اس نے بتایا کہ آپ نے سچ کہا تھا میں بھول گیا تھا، میں نے اپنی جوانی میں ایک عورت کو اسی طرح گلے لگایا تھا، میں نے آزمایا، میری بیٹی کو بھی کسی گلے لگالیا تو علما نے لکھا ہے کہ اس کا قصاص ہوتا ہے۔

اس لیے گناہ سے ہمیں سو فیصد بچنا چاہیے۔عورتیں بچیں ان کے مرد پاکیزہ رہیں گے، مرد بچیں ان کی عورتیں پاکیزہ رہیں گی۔اللہ نے فرمادیا:

اَلطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبَاتِ (النور:٢٦)

[پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے اور پاک مرد پاک عورتوں کیلیے]

یہ اللہ کا قاعدہ اور قانون ہے۔تو اس گناہ سے سو فی صد بچنے کی کوشش کرنی

چاہیے۔ اس لیے اپنی نظر کو غیر محرم سے بچانا اور اس شہوت سے بچنے کے لیے بہت احتیاطیں کرنے کی ضرورت ہے۔

شہوت پر قابو پانے کے لیے ضروری احتیاطیں:

مثال کے طور پر نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ فارغ نہ رہیں۔ کہتے ہیں نا

An Idle man brain is dewel workshop

(فارغ آدمی کا دماغ شیطان کی ورکشاپ بن جاتا ہے۔)

میرے پاس ایک دفعہ ایک نوجوان آیا۔ مجھے کہنے لگا کہ حضرت میں آپ کو اپنی حالت کیا عرض کروں میں نماز بھی پڑھ رہا تھا، زنا کرنے کا پروگرام بھی بنا رہا تھا۔ نوجوان یہ بات کر رہا ہے۔ تو ایک تو فارغ نہ رہیں اپنے آپ کو کاموں میں مصروف رکھیں، بچوں کو بھی مصرف رکھیں۔

(۲)......دوسرا کبھی بھی نوجوان فارغ ہوں تو ان کو تنہائی میں نہ رہنے دیں، یہ جو آج کل ہم نے اپنے گھروں میں کمرے مختص کر دیئے کہ یہ میرے بیٹے کا کمرہ، یہ میری بیٹی کا کمرہ یہ درست نہیں۔ بچے سارا دن کنڈی لگا کر اکیلے پتہ نہیں کیا کرتے رہتے ہیں۔ آپ کو کیا پتہ کنڈی لگا کر وہ وقت کیسے گزار رہا ہے۔ ٹی وی دیکھ رہا ہے، کمپیوٹر پر انٹرنیٹ پر وہ چیٹنگ کر رہا ہے، فون پر باتیں کر رہا ہے۔ کیا اس کا حال ہے پتہ ہی نہیں۔ تو نوجوان بچوں کو الگ کمرے اوّل تو دیں نہیں۔ دیں تو دو بھائیوں کو ٹھہرائیں، دو بہنوں کو ٹھہرائیں اور ان کو بھی کہیں کہ کنڈی نہیں لگا سکتے۔ اور ساتھ یہ بھی کہیں بیٹے کے کمرے میں جب چاہے باپ ہلکا دروازہ کھٹکھٹا کر جا سکتا ہے۔ اور بیٹی کے کمرے میں جب چاہے ماں ہلکا دروازہ کھٹکھٹا کے جا سکتی ہے۔ پھر یہ سیدھے رہیں گے۔

ہم تو ان کو خود ماحول مہیا کر دیتے ہیں۔ اور آج کل تو یہ جو پری پیڈ سسٹم ہے اس

میں کسی نے کوئی نمبر لکھوا دیا کریڈٹ دس گھنٹوں کا آجائے گا۔ باپ سے مانگنا ہی نہیں پڑتا، کیا ضرورت ہے، ابو سے مانگنے کی، جس نے بات کرنی ہے وہ کریڈٹ کا نمبر دے دیتا ہے، یہ ڈال دو اس میں، کریڈٹ دس گھنٹے۔ اور ٹیلی فون کمپنیوں نے بھی اس لیے اپنا سلوگن بنا لیا ''کرو بات ساری رات''۔ ان کو پتہ ہے کہ نوجوان کیا کرتے ہیں۔ صبح اٹھتے ہیں آنکھوں میں نیند ہوتی ہے، ماں کو ترس آرہا ہوتا ہے، میری بیٹی بیچاری ساری رات پڑھتی رہی امتحان کی بڑی فکر لگی ہوئی ہے۔

(۳)...... دوسرا تنہائی میں اکیلے نہ رہنے دیں، بغیر نیند آئے ان کو بستر پر نہ جانے دیں، یہ باتیں بچوں کو سمجھانی چاہئیں۔ ہر وقت ڈنڈا لے کر کوئی نہیں بیٹھتا، عادت ایسی ڈالیں۔ جب بچے کو نیند آرہی ہو، وہ گر رہا ہو نیند سے، تب بستر پر جائے اور سو جائے۔ بس ایسے وقت جائے جب اس کو یہ یاد نہ ہو کہ میں نے تکیے پر سر پہلے رکھا تھا یا نیند پہلے آئی تھی۔ اسی طرح بچوں کو بیت الخلا میں ضرورت سے زیادہ دیر لگانا، اس پر بھی ماں باپ کو نظر رکھنی چاہیے۔ ایک ٹائم ہے نہانے کا، قضائے حاجت سے فارغ ہونے کا، بچے جائیں اور اس میں ضرورت سے فارغ ہو کر نہا کر باہر آجائیں۔ جب ضرورت سے زیادہ ٹائم وہاں پر لگنا شروع ہو جاتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ شیطان کو وہاں پر بچے سے گناہ کروانے کا موقع مل جاتا ہے۔

(۴)...... بچوں میں فحش مذاق کی عادت ختم کریں۔ ہنسی مذاق ٹھیک ہے مگر فحش مذاق کرنا، یہ بھی انسان کے جذبات کو بھڑکا دیتا ہے۔ اور نوجوانوں کو دیکھا وہ تو کرتے ہی ایک دوسرے کے ساتھ فحش مذاق ہیں، یہ چیز انسان کے لیے بہت زیادہ نقصان دہ ہے۔

(۵)...... اور کبھی کبھی بچوں کو سبق بھی دیا کریں۔ جیسے جلتی آگ کی طرف اشارہ کر کے کہیں، بیٹو! ذرا اس آگ میں انگلی ڈال کر تو دیکھو۔ انگلی ڈال سکتے ہو؟ وہ کہے

گا نہیں امی انگلی جلتی ہے۔تو بیٹے دنیا کی اس آگ میں انگلی جلتی ہے تو جو آگ دنیا کی آگ سے ستر گنا زیادہ سخت ہوگی، اس میں قیامت کے دن ڈالے جاؤ گے تو کیا حال ہوگا۔ دنیا کی آگ سے عبرت دلائیں، بتائیں بچوں کو کہ ہم تو دنیا کے دو بندوں کے سامنے، ذلت برداشت نہیں کر سکتے، قیامت کے دن ساری مخلوق کے سامنے کی ذلت ہم کیسے برداشت کر سکتے ہیں۔تو بچوں میں خدا خوفی پیدا کریں، نیکی کی نصیحت کرتے رہیں۔

یہ چند احتیاطیں رکھیں گے اور وقت پر بچوں کے نکاح کر دیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ گھروں کے ماحول سے زنا اور اس کے متعلقہ گناہ یہ تقریباً ختم ہی ہو جائیں گے، بہت پاکیزہ ماحول ہو جائے گا۔ جو برکتیں رکی ہوتی ہیں گھروں میں، آپس میں محبتیں الفتیں۔ بچے ماں باپ کے فرمانبردار اللہ کے بھی اطاعت گزار الحمدللہ، گھر جنت کا ماحول دکھانے لگ جائے گا۔

علاج بذریعہ مراقبہ:

ذکر اللہ کی کثرت بھی شہوت کا بہترین علاج ہے۔ ذکر کی نورانیت شہوت کی حیوانیت کو ختم کر کے رکھ دیتی ہے۔ سلسلہ نقشبندیہ میں لطیفہ قلب کا مراقبہ اس بیماری کا بہترین علاج ہے۔ مشائخ نے یہ فرمایا کہ شہوت کی بیماری کا تعلق لطیفۂ قلب سے ہے۔انسان کا قلب جب شہوانی نفسانی خیالات سے ہٹ کر ہمہ تن اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو پھر شہوت کے جذبات خود بخود اعتدال پر آ جاتے ہیں۔ جو سالکین یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کے خیالات اور جذبات قابو میں نہیں رہتے وہ لطیفہ قلب کا مراقبہ زیادہ سے زیادہ کیا کریں۔

اگر کسی وقت نفس کسی شہوت کی طرف بہکائے تو کچھ دیر کے لیے ذکر کی طرف متوجہ ہو گیا کریں۔ کیونکہ شہوت کا جو تقاضا انسان کو مجبور کرتا ہے تھوڑی دیر کا ہوتا ہے۔

اس لیے کہنے والوں نے کہا:

طبیعت کی رو زور پر ہے تو رک
نہیں تو یہ سر سے گزر جائے گی
ہٹا لے خیال اس سے کچھ دیر کو
چڑھی ہے ندی یہ اتر جائے گی

یہ جذبات جب بیدار ہو جاتے ہیں تھوڑی دیر انسان اپنے آپ کو اللہ کی طرف متوجہ کر لے، چڑھی ندی خود ہی اتر جاتی ہے۔

کر نفس کا مقابلہ ہاں بار بار تو
سو مرتبہ بھی ہار کر ہمت نہ ہار تو
اس کو پچھاڑ کر بھی نہ چھوڑا ہوا سمجھ
ہر وقت اس کی سے رہ ہوشیار تو

کبھی اس کے اوپر انسان اعتماد نہ کرے۔ اور اگر انسان بار بار گناہوں میں مبتلا ہوتا رہے تو توبہ بھی بار بار کرتا رہے، توبہ میں دیر نہ کرے۔

نہ چت کرسکے نفس کے پہلوان کو
تو یوں ہاتھ پاؤں بھی ڈھیلے نہ ڈالے
ارے اس سے ہے کشتی عمر بھر کی
کبھی یہ دبا لے کبھی تو دبا لے

پوچھنے والے نے کہا: جی کہ میں نے کبھی نہیں دبایا، نفس ہی ہمیشہ مجھے دباتا ہے۔
تو انہوں نے جواب دیا

جو ناکام ہوتا رہے عمر بھر بھی
بہر طور تو کوشش عاشق نہ چھوڑے

یہ رشتہ محبت کا قائم ہی رکھے
جو سو بار ٹوٹے تو سو بار جوڑے

اللہ سے محبت کا یہ رشتہ قائم رکھیے اگر گناہ کی وجہ سے سو مرتبہ ٹوٹتا ہے، آپ سو مرتبہ اسے پھر جوڑ دیں۔ جوڑے بغیر اطمینان نہیں آنا چاہیے۔ تو جب انسان ذکر کرتا ہے تو قلب سے یہ ناجائز قسم کی خواہشات ہیں یہ ختم ہو جاتی ہیں، دل پر سکون ہو جاتا ہے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں پاکیزہ زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

غصہ

از افادات

پیر طریقت رہبر شریعت مفکر اسلام

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی زید مجدہ

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِo بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o
وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ .وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ. وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَo
سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَo وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o
وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّم

دو نعمتیں:

اللہ رب العزت نے انسان کو دو نعمتوں سے نوازا: ایک شہوت، جس کی وجہ سے انسان نفع دینے والی چیزوں کو حاصل کرتا ہے اور دوسرا غضب یا غصہ، جس کی وجہ سے نقصان دہ چیزوں سے اپنے آپ کو بچاتا ہے، اپنا دفاع کرتا ہے۔

غیظ اور غضب:

غصے کے لیے دو لفظ استعمال ہوتے ہیں، ایک غیظ اور دوسرا غضب۔ قرآن مجید میں بھی یہ استعمال ہوئے۔ دونوں غصے کے لئے استعمال ہوتے ہیں لیکن تھوڑا سا ان میں فرق ہے۔

''غیظ'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے جب بندے کو کسی پر غصہ تو آئے لیکن وہ اندر ہی

اندر کڑھتا رہے، غصہ اس کے من کے اندر ایک آگ تو لگا دے مگر وہ اندر اندر ہی کڑھے، کچھ کرے نہیں، اسے غیظ کہتے ہیں۔

''غضب'' اس غصے کو کہتے ہیں جس میں انتقام کا ارادہ شامل ہوتا ہے۔ اسی لئے اللہ رب العزت کے لئے فقط غضب کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور بندوں کے لئے غیظ کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے اور غضب کا لفظ بھی۔

وَذَ النُّوْنَ اِذْ ذَّهَبَ مَغَاضِبًا. (الانبیاء: ۸۷)

[اور ذالنون جب وہ غصے کی حالت میں چل دیئے]

یہاں غضب کا لفظ استعمال ہوا۔

وَلْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ [اور غصے کو پینے والے]

یہاں غیظ کا لفظ استعمال ہوا۔ تو دونوں الفاظ مخلوق کے لئے استعمال ہوتے ہیں مگر اللہ رب العزت کے لئے فقط غضب کا لفظ استعمال ہوتا ہے، کیوں؟ اس لیے کہ اللہ رب العزت کو جب غصہ آتا ہے تو وہ انتقام کے ارادے کے ساتھ ہوتا ہے، وہاں اندر اندر جلنے کا مسئلہ کوئی نہیں ہے، وہ قادر مطلق ہے، وہ بڑے بڑوں کو تگنی کا ناچ نچا دیتا ہے۔

غضب کی لغوی تحقیق:

غضب کے لفظ پر اگر غور کریں تو اس کے تینوں حروف اصلی صحیح ہیں۔ ف۔ ع۔ ل۔ کلمہ کے تینوں الفاظ، صحیح ہیں اور عربی میں

اصل صحيح يدل علىٰ شدة وقوة

حروفِ صحیح شدت اور قوت پر دلالت کرتے ہیں

تینوں حروف بتا رہے ہیں کہ اس لفظ کے اندر ایک قوت ہے اور شدت ہے۔ تو غضب ایسا ہی ہوتا ہے کہ جب انسان کے اوپر طاری ہوتا ہے تو پھر اس میں انتقام کا

ارادہ ہوتا ہے۔

چنانچہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ غضب کا لفظ استعمال ہوتا ہے، جب مشک میں پانی بھریں اور بھرتے بھرتے اتنی بھر جائے کہ اس میں سے پانی باہر کی طرف نکلنے لگے۔

تشد رأس القربة عند امتلا ئها

جب وہ مشک کا پانی ابلنے لگتا ہے تو اس وقت اس کے منہ کو بند کر دینا اس کے لئے غضب کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اور اگر آپ دیکھیں تو بندے کا بھی یہی حال ہوتا ہے کہ غصے کے وقت اس کی مشق بھی ابلنے لگتی ہے۔ تو اس کو بندے کو قابو کرنا ہوتا ہے۔

غصہ ایک فطری چیز ہے:

اس آیت مبارکہ میں فرمایا۔

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ [غصے کو پی جانے والے]

الکاظمین سے کیا مراد؟ الذین یکنزون الغیظ وہ لوگ جو غصے کو پیتے ہیں۔ یہاں نفی تو نہیں کی گئی کہ اچھے لوگ وہ ہیں جن کو غصہ آتا ہی نہیں۔ آنے کی نفی نہیں کی گئی بلکہ یہ کہا گیا کہ وہ غصے کو پی جاتے ہیں، کنٹرول کر لیتے ہیں۔ لہٰذا غصہ آنا انسان کی فطرت ہے۔

نبی علیہ السلام کا غصہ:

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔

اَغْضَبُ كَمَا يَغْضَبُ الْبَشَرُ

(مجھے بھی ایسے ہی غصہ آتا ہے جیسے بشر کو آتا ہے)

مگر غصے میں بھی میری زبان سے وہی بات نکلتی ہے جو ہمیشہ حق ہوا کرتی ہے۔ تو

یہ ہے غصے کا کنٹرول۔

نبی علیہ السلام، رحمت للعالمین فرماتے ہیں کہ غضب کی حالت میں بھی میرے منہ سے صرف وہ بات نکلتی ہے جو سچ ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک صحابی نے پوچھا اے اللہ کے نبی! میں آپ کی باتیں لکھا کرتا ہوں۔ کبھی آپ خوشی کے عالم میں ہوں یا غصے کے عالم میں تو کیا میں ساری باتیں لکھ لوں۔ تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس ذات نے مجھے پیغمبر بنا کر بھیجا میں غصے میں بھی کوئی بات خلافِ حقیقت زبان سے نہیں نکالتا۔ تو یہ محمود ہے کہ انسان کو اگر کسی بات پر غصہ آئے تو بھی اس کی زبان سے سچ ہی نکلے۔

عام آدمی کا غصہ:

عام آدمی کا غصہ اس کے قابو میں نہیں ہوتا۔ چنانچہ جب وہ غصے میں آجاتا ہے تو بس ایک ہنگامہ اس کے اندر برپا ہو جاتا ہے، اس کی عقل پر پردہ آجاتا ہے، سمجھ ہی نہیں لگتی کہ میں کیا کہہ رہا ہوں ایسے ایسے بول زبان سے نکال دیتا ہے کہ سالوں کے تعلقات ایک دوسرے کے ساتھ منقطع ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اسی غصے کی وجہ سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے مالا بدہ میں یہ مسئلہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے کوئی بات کر دی اور کہا بھئی شریعت کی بات ہے اور دوسرے نے غصے میں کہہ دیا ''رکھ پرے شریعت کو''۔ فقد کفر۔ اس بندے نے کفر کا ارتکاب کر لیا۔ اتنے سے الفاظ کہنے پر کہ رکھ پرے شریعت کو۔ اور اگر آپ غور کریں تو کتنی ہی مرتبہ آپ نے لوگوں کے منہ سے یہ الفاظ سنیں ہوں گے، یہ کفریہ کلمہ ہے۔ تو غصے میں انسان دائرہ شریعت سے انسان نکل جاتا ہے۔

غصے میں ہی انسان ایک دوسرے سے قطع تعلقی کر لیتا ہے۔ ایک صاحب آئے رو رہے تھے، پوچھا کیا ہوا؟ بس جی غصہ آگیا تھا، میں نے بیوی کو طلاق دے دی۔

میں نے کہا، دنیا میں کبھی کسی نے خوش ہو کر بھی بیوی کو طلاق دی، جب بھی دی غصے میں ہی دی ہے۔ تو شریعت ہمیں کہتی ہے کہ ہم غصے میں بھی اپنے آپ کو قابو میں رکھیں۔ غصے ہی میں شاگرد استاد کو چھوڑ دیتا ہے...... خاوند بیوی کو چھوڑ دیتا ہے...... مرید اپنے پیر کو چھوڑ دیتا ہے...... بیٹا اپنے باپ کو چھوڑ دیتا ہے اور بندہ اپنے خدا کو چھوڑ دیتا ہے۔ ماں باپ نے روک ٹوک کی، بیٹا غصے میں آ کے گھر سے ہی نکل گیا۔ شیخ نے روک ٹوک کی، برداشت نہیں ہوئی، صورت حال بدل گئی۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اچھا سالک وہ ہے کہ شیخ بلا وجہ بھی اس کو ڈانٹے تو وہ اس غصے اور ڈانٹ کو قبول کرے۔ بلکہ یوں فرمایا کرتے تھے کہ اگر شیخ بلا وجہ چوراہے میں کھڑا کر کے جوتے لگائے تو اچھا مرید وہ جو جوتے پھر اٹھا کے دے۔ طبیعت کے اندر ملال نہ لائے، قابو کر لے۔

شیخ کا غصہ بھی رحمت ہوتا ہے:

ایک مرتبہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں تشریف فرما تھے اور ایک نیا بندہ ملنے کے لئے آیا تھا۔ کوئی انڈسٹری میں سے (صنعت کار) تھا۔ مگر بالکل صاف ستھرا (کلین شیو) تھا۔ اس عاجز نے وضو کیا اور جیسے ہی حضرت کی خدمت میں جا کر بیٹھا، بس حضرت تو ڈانٹنا شروع ہو گئے...... تم نافرمان بنے پھرتے ہو، تمہیں اللہ سے حیاء نہیں آتی، تمہیں مرنا یاد نہیں، تم دنیا کی لذتوں کے پیچھے لگے ہوئے ہو، کیا جانوروں جیسی زندگی ہے...... اتنی باتیں سنائیں۔ یہ عاجز مسکراتے ہوئے سنتا بھی رہا، سمجھ بھی نہیں لگ رہی تھی کہ مسئلہ کیا بنا۔ مگر یکا یک حضرت تو ٹکا کے ڈانٹنے لگ گئے...... تمہیں قیامت کے دن پتہ چلے گا، تمہیں نبی علیہ السلام کے سامنے جب رسوائی ہو گی، اتنا ڈانٹا کہ کوئی حد نہیں۔ کوئی دس منٹ کم از کم یہ ڈانٹ پلائی، یہ عاجز مسکراتا بھی رہا جی جی بھی کرتا رہا۔ خیر جب اس بندے نے وہ باتیں سن لیں، اس کے بعد وہ کہنے لگا اچھا

جی میں اجازت چاہتا ہوں۔ حضرت نے اس کو اجازت دے دی اور جب میری طرف دیکھا تو مسکرائے اور فرمانے لگے کہ ''آکھاں دھی نوں تے سنانواں نوہ نوں'' کہ کہتی بیٹی کو ہوں سناتی بہو کو ہوں۔ تب پتہ چلا کہ حضرت اصل میں اس کو ڈانٹنا چاہتے تھے، لیکن وہ نیا بندہ تھا۔ نئے بندے کو اگر ڈانٹ ڈپٹ کرتے تو اس کے دور ہونے کا اندیشہ تھا تو ان ڈائریکٹ اس کو سنائیں۔ اگر اس وقت صورتحال کو میں نہ سمجھ پاتا تو پتہ نہیں اندر کا خناس کیا کرتا، چونکہ ایک بزرگوں سے بات سنی ہوئی تھی کہ شیخ کا غصہ بھی رحمت ہوتا ہے۔ سبحان اللہ۔

قربان جائیں نبی ﷺ پر کہ آپ ﷺ نے اپنے پردہ فرمانے سے پہلے دعا مانگی، اللہ میں نے اگر زندگی میں کسی کو مارا، کسی کو ڈانٹا، کسی پر بے جا غصہ کیا، تو میرے مولا! میری ڈانٹ کو، میرے غصے کو، اس بندے کے حق میں تو رحمت بنا دے۔ اللہ اکبر کبیرا۔ تو مشائخ کا غصہ بھی رحمت بن جاتا ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا امتحان:

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حضرت امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھے۔ حضرت ان کو دعوت پر لے گئے، حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ بھی ساتھ تھے، دعوت والے بندے نے خوب پر تکلف انتظام کیا تھا۔ حضرت حاجی صاحب نے کیا کیا کہ ایک پلیٹ میں تھوڑی سی دال اور دو روٹیاں دے کر کہا: میاں رشید احمد یہ دستر خوان کے کونے پر بیٹھ کے کھالو۔ تھوڑی سی دال اور دو روٹیاں اور خود ماشاء اللہ اپنے سامنے مرغے چرغے رکھے ہوئے تھے، کوئی ہمارے جیسا ہوتا تو اسی وقت بیعت توڑ بیٹھتا کہ ہمارے پیر صاحب کو مساوات ہی نہیں آتی۔ مگر وہ کامل تھے، وہ سمجھتے تھے کہ شیخ اگر کوئی ایسا عمل کرتا ہے تو اس میں کوئی نہ کوئی حکمت ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ جب کھانا شروع کیا، اچانک حاجی صاحب نے حضرت

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا۔ میاں رشید احمد! جی تو چاہتا تھا کہ میں تمہیں جوتوں میں بٹھاتا مگر میں نے تمہارے پر احسان کیا کہ دستر خوان کے کونے پر بٹھا دیا، اچانک یہ بات کہہ دی۔ جیسے ہی یہ الفاظ کہے تو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے مسکرا کے، شیخ کی طرف دیکھا اور کہا: حضرت! آپ بالکل سچ فرما رہے ہیں، میں آپ کے جوتوں میں بیٹھنے کے قابل بھی نہیں ہوں، آپ نے مجھے جو دستر خوان پر بٹھالیا آپ کا میرے اوپر احسان ہے۔ جب حضرت حاجی صاحب نے جب دیکھا کہ ان پر کوئی تغیر واقع نہیں ہوا تو فرمایا: الحمدللہ معلوم ہوتا ہے کہ نفس اندر سے واقعی مر چکا ہے۔ تو حضرت ایک بے تکی بات کر کے ٹیسٹ لینا چاہتے تھے، یہ دیکھنے کیلئے کہ ان کا غصہ میں ردعمل کیسا ہوتا ہے۔

ہمارے مشائخ ایسا بھی کرتے تھے اور آج تو جائز بات بھی سمجھاؤ تو غصہ کر لیتے ہیں۔ ہنستے نہیں، ملتے نہیں، بولتے نہیں، پاس بیٹھ کر کھاتے نہیں۔ یہ سب غصے کا اظہار ہوتا ہے، نفس خبیث اندر سے بھڑک رہا ہوتا ہے، مجھے کیوں ڈانٹا گیا؟ مجھے کیوں سمجھایا گیا؟ ہمارے حضرت فرماتے تھے: شیخ اگر جلال والا ہو تو فائدہ ہمیشہ مرید کا ہوتا ہے کہ اس کی اصلاح اچھی ہوا کرتی ہے۔

غصے کا علاج فرض ہے:

چونکہ یہ غصہ ایسا ہے کہ انسان کا گھر برباد کر دیتا ہے، انسان دائرہ شریعت سے خارج ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس غصے کا علاج کرنا شریعت نے فرض قرار دیا ہے تاکہ یہ دائرہ شریعت کے اندر رہے۔ غصے میں بندے کا دماغ آؤٹ نہیں ہونا چاہیے، اس کی عقل پر پردہ نہیں پڑنا چاہیے۔ چونکہ شیطان کہتا ہے کہ جب کوئی بندہ غصے میں ہوتا ہے تو میں اس کے اندر اس طرح پھرتا ہوں، جیسے خون انسان کی رگوں کے اندر پھر رہا ہوتا ہے۔ وہ کھیلتا ہے جیسے بچے فٹ بال سے کھیلتے ہیں، اگر کوئی بندہ غصے کی حالت میں

ہوتو اس سے یہ کھیلتا ہے۔

غصے کے اسباب:

غصے کے کچھ اسباب ہوتے ہیں۔

(۱)...... ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ غصے کے اسباب میں سے سب سے پہلا سبب تکبر ہوتا ہے۔''میں'' اور 'انا' کی وجہ سے غصہ آتا ہے۔

(۲)...... دوسرا سبب عجب ہے کہ اپنے آپ کو کچھ سمجھنا، اسی لئے کہتے ہیں کہ تو مجھے جانتا نہیں ہے، عجب کی وجہ سے بندہ ایسا کہہ رہا ہوتا ہے۔

(۳)...... تیسرا سبب ہے غصہ۔ غصہ مذاق کی وجہ سے بھی آتا ہے، کچھ لوگ مذاق برداشت نہیں کر سکتے، کچھ کو ہر وقت دوسرے کے ساتھ مذاق کرنے کی عادت ہوتی ہے۔ تو یہ ہنسی مذاق، کبھی کبھی ایک دوسرے کے ساتھ غصے کا سبب بن جاتا ہے۔ چنانچہ ہم نے دیکھا بہت قریبی دوست، ہنسی مذاق کرتے کرتے آپس میں لڑنا شروع کر دیتے ہیں۔

(۴)...... چوتھا عمل تنقید، جب بھی کسی کے اوپر روک ٹوک کی جائے گی تو وہ اس پر غصہ کرے گا۔ اور جس کے اندر خیر بھری ہوگی اس کو اگر روک ٹوک کریں گے تو وہ اس روک ٹوک کرنے والے کو اپنا محسن سمجھے گا۔ سیدنا عمرؓ فرمایا کرتے تھے، جو شخص میرے پاس میرے عیوب کا تحفہ لائے گا، میں اس کے لئے بخشش اور مغفرت کی دعا کروں گا۔

(۵)...... پانچویں چیز حرص، اس کی وجہ سے بھی غصہ آتا ہے۔ بندہ کسی چیز کی طمع کرتا ہے جب اس میں کوئی رکاوٹ ہوتی ہے یا نہیں ملتی تو اسے غصہ آتا ہے اور اسی وجہ سے کچھ لوگوں سے دشمنی بھی ہو جاتی ہے۔

(۶)...... اور چھٹی چیز حسد کی وجہ سے غصے کا آتا ہے۔ یہ ساری بیماریاں اگر دل کے

اندر موجود ہوں تو پھر انسان کو غصہ زیادہ آتا ہے، جلدی آتا ہے۔

غصے کی علامات:

غصے کے اظہار کے کچھ طریقے ہوتے ہیں۔ یا علامات (Symptoms) ہوتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ صاحب کو غصہ آیا ہوا ہے۔

(۱)......پہلی علامت یہ کہ بندہ دوسرے بندے سے بات چیت ختم کر دیتا ہے، بولنا چھوڑ دیتا ہے۔ یہ غصے کی پہلی علامت ہے کہ بات ہی نہیں کرتا، نہ سلام، نہ کلام، نہ پیام، بڑے محبت کے دعوے تھے، غصہ میں آ گئے، بولنا بند۔ وہ محبت کدھر گئی بھئی، کیا ہوائی باتیں تھی۔

(۲)......دوسری علامت یا تو دیکھتا ہی نہیں اگر دیکھتا ہے تو تیوریاں چڑھا کے دیکھتا ہے۔ یہ بھی غصے کی علامت کہ نظریں ہی نہیں ملاتا اگر ملاتا ہے تو بس کھا جانے والی نظریں۔

(۳)......تیسری بات، غیبت کا کرنا۔ جس کے بارے میں طبیعت کے اندر غصہ ہو انسان اس کی برائیاں بیان کرتا ہے...... میرا تو مطلب یہ تھا مگر اس نے مطلب یہ سمجھا۔ یہ غیبت کا کرنا یہ غصے کی ایک نشانی ہے۔

(۴)......پھر جس کے ساتھ غصہ ہے اس کے راز کو فاش کر دینا۔ اگر بالفرض اس کے پاس اس کا کوئی راز تھا، غصے میں اس کو فاش کر دے گا۔ اس لئے حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ تم کسی کو اگر دوست بنانا چاہو تو اس کو کچھ اپنی راز کی باتیں بتاؤ پھر اس کو کسی کام کے ذریعے سے غصہ دلاؤ اور دیکھو کہ وہ تمہاری راز کی باتوں کو فاش کرتا ہے یا نہیں۔ اگر کر دے تو دوست بنانے کے قابل نہیں، اگر نہ کرے تو تم اس کو اپنا دوست بنا لو۔ جو غصے میں بھی امانت کا خیال رکھے اور دوسرے کے عیبوں پر پردہ ڈالے، یہ انسان ہے جس کے ساتھ انسان کو دوستی کرنی چاہیے۔

(۵)......ایک اظہار کا طریقہ ہے دل میں حسد کرنا، کینہ رکھ لینا۔ کینہ کہتے ہیں دل میں چھپی دشمنی رکھ لینا۔ جس سے کینہ پیدا ہوا اس کا مذاق اڑانا، تعلق، توڑ لینا۔ اس کے ساتھ راستہ واسطہ ہی نہ رکھنا، ملنا جلنا بند کر دینا، یا احسان بند کر دینا۔ کسی کے ساتھ اگر کوئی بھلا یا احسان کرتا تھا، غصہ آیا اور غصے میں یہ ٹھان لینا بس جی میں آج کے بعد اس کو کچھ بھی نہیں دوں گا، پہلے میں اس کا یہ کام کر دیتا تھا اب میں اس کا کام نہیں کروں گا۔ تو احسان کو بند کر دینا، یہ بھی غصے کی علامت ہے۔

(۶)......اور ایک نشانی یہ کہ غصے میں آ کر ہاتھ اٹھا لینا۔ لڑنا اور مارنا شروع کر دینا۔ یہ تمام نشانیاں غصے کے بارے میں ہیں، انسان غصے میں یہ اعمال کرتا ہے۔

غصے کا علاج:

شریعت نے اس غصے کا مستقل علاج بتایا ہے۔ نبی علیہ السلام نے بتایا کہ جب بندے کو غصہ آئے۔

(۱)......پہلی بات یہ کہ وہ چپ ہو جائے۔ اتنا یہ پیارا نسخہ ہے کہ بولے ہی نہیں۔ اس لئے کہ اس وقت اگر یہ بولے گا تو کوئی شر کا دروازہ ہی کھولے گا۔ غصے میں کوئی ایسی بات کر دے گا جس سے فساد اور بڑھے گا۔ اس وقت کا نکلا ہوا کلمہ یا گھر برباد کرے گا یا رشتے ناطے کو ختم کر دے گا، یا پھر میاں بیوی کے درمیان ہمیشہ کے لئے جدائیاں ڈال دے گا۔ نبی علیہ السلام کی عادت مبارکہ بھی یہی تھی کہ کسی بات پر آپ کو جلال آتا تھا تو آپ بالکل خاموش ہوتے تھے۔ بس آپ کا چہرہ مبارک انار کی طرح سرخ ہو جایا کرتا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چہرے مبارک سے اندازہ لگاتے تھے کہ نبی علیہ السلام کو کچھ ناگوار گزر رہا ہے۔ تو پہلا کام تو یہ کرے کہ غصے میں بولے ہی نہ۔ نہ کفر کا کلمہ نکلے گا، نہ بیوی سے جھگڑے کی صورت میں طلاق کا لفظ نکلے گا، نہ کسی دوست کے ساتھ قطع تعلقی کا کوئی لفظ نکلے گا۔

(۲)...... دوسرا عمل کہ جب انسان کو بہت غصہ آئے تو وہ اپنی جگہ بدل لے۔ مثلا کمرے میں بیٹھے ہوئے ہیں اور کسی بات پر غصہ آ گیا تو کسی دوسرے کمرے میں چلے جائیں، صحن میں چلے جائیں۔ جگہ کا بدل لینا، یہ بھی غصے کے ختم ہو جانے کا سبب بنتا ہے۔

(۳)...... پھر اس کے بعد نبی علیہ السلام نے دو اعمال اور بتائے۔

فرمایا کہ اگر پھر بھی غصہ کم نہ ہو تو اب دو کام اور کرے۔ اگر کھڑا ہے تو بیٹھ جائے، بیٹھا ہے تو لیٹ جائے۔ ایسے کیوں فرمایا؟ اس لیے کہ انسان کی اصل مٹی ہے، یہ اپنی اصل کے قریب ہو جائے، جب کھڑا تھا تو زمین سے دور تھا، بیٹھا تو قریب ہو گیا اور لیٹا تو بالکل ہی قریب ہو گیا۔ جب اپنی اصل کے قریب ہوگا تو زمین کے اندر تو عاجزی ہے، اللہ رب العزت اس کی وجہ سے اس کے غصے کو دور فرما دیں گے۔

اور ویسے بھی جیسے انسان کھڑا تھا بیٹھ گیا یا لیٹ گیا تو حقیقت میں یہ غصے کے اظہار کی پوزیشن سے دور ہوتا جا رہا ہے۔ مثال کے طور پر جب کسی بات پر غصہ آیا تھا تو بندہ سامنے تھا، یہ ہاتھا پائی کر سکتا تھا، جب دوسرے کمرے میں چلا گیا اب ہاتھا پائی ہونا مشکل ہو گئی۔ جب کھڑا تھا تو ہاتھا پائی آسان تھی، بیٹھ گیا تو اب اٹھ کر لڑنا پڑے گا وہ مشکل ہو گیا۔ بیٹھا تھا تو اٹھ کر لڑنا آسان تھا، جب لیٹ گیا تو ہاتھا پائی اور مشکل ہو گئی۔ تو دیکھئے کہ نبی علیہ السلام کی اس بات میں کتنی حکمت ہے۔ درجہ بدرجہ کہا کہ بھئی یہ کر لو۔ پھر بھی نہیں تو یہ کر لو اور یہ نہیں تو یہ کر لو۔ طبیب اعظم نے کیا عجیب باتیں ہمیں ارشاد فرمائیں۔

(۴)...... اور اگر پھر بھی غصہ کم نہ ہو تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ انسان کو چاہیے کہ پانی پی لے یا پانی سے وضو کر لے۔ غصہ آگ ہے اور آگ کو کیا چیز بجھاتی ہے...... پانی، تو جب یہ پانی استعمال کرے گا تو یہ پانی کا پینا یا وضو کا کرنا، اس کے اندر کے غصے

کی آگ کو خود بخود بجھانے کا سبب بن جائے گا۔ یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے۔

(۵)......اور پانچویں بات کہ اگر پھر بھی انسان کا غصہ ٹھنڈا نہ ہو تو انسان پڑھے:

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

اس لئے کہ عام طور پر غصہ شیطان دلاتا ہے اور اعوذ باللہ۔ تعوذ پڑھنے سے شیطان بھاگ جاتا ہے اور انسان کے اوپر شیطانی اثرات ختم ہو جاتے ہیں۔

غصہ دور کرنے کی مسنون دعا:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جب آپ غصے میں ہوتی ہیں تو مجھے پتہ چل جاتا ہے۔ عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! وہ کیسے؟ فرمایا: جب خوش ہوتی ہو تو کہتی ہو۔ ''رب محمد ﷺ کی قسم'' اور جب تم ناراض ہوتی ہو تو رب ابراہیم کی قسم کھاتی ہو۔ تو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بہت ذہین تھیں، اللہ اکبر۔ جیسے ہی نبی علیہ السلام نے یہ فرمایا۔ تو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فوراً عرض کرنے لگیں، اے اللہ کے نبی ﷺ! میں غصے میں آپ کا نام ہی چھوڑتی ہوں آپ کو تو نہیں چھوڑتی۔ اللہ اکبر۔ نبی علیہ السلام نے انہیں دعا بتائی۔ فرمایا کہ اے منی سی عائشہ! جب تمہیں غصہ آئے تو یہ دعا پڑھا کرو کہ۔

اللھم رب محمد نبی محمد اغفرلی ذنبی وذھب غیر قلبی واجرنی من مضلات الفکن.

''اے محمد ﷺ کے رب! میرے گناہ بخش دیجئے میرے دل کا غصہ دور کر دیجئے اور بہکانے والے فتنوں سے مجھے بچا لیجئے''

یہ دعا نبی علیہ السلام نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بتائی، فرمایا کہ تم یہ دعا غصے وقت اللہ سے مانگا کرو، تو ہم بھی اپنی دعاؤں مانگا کریں میں کہ اللہ رب العزت ہمیں اس بڑی بیماری سے محفوظ فرمادے۔

آخری دوا:

تاہم نبی علیہ السلام نے ایک نسخہ بتایا جو حتمی ہے۔ جیسے کہتے ہیں ناں جی آخری دوا ہے۔ تو یہ پانچ اعمال بتانے کے بعد ایک حتمی نسخہ بتلا دیا۔ کون سا نسخہ؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جس بندے کو غصہ بہت آتا ہو، وہ اللہ رب العزت کے جلال کے بارے میں سوچے کہ مجھے اگر لوگوں کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر اتنا غصہ آتا ہے تو اگر میرے عملوں پر قیامت کے دن اللہ رب العزت کو غصہ آ گیا تو میرا کیا بنے گا۔

چنانچہ ایک صحابی اپنے غلام کو کسی غلطی کی وجہ سے مار رہے تھے۔ نبی علیہ السلام نے دیکھا تو ارشاد فرمایا کہ جتنا تجھے اس پر اختیار ہے اللہ رب العزت کو تجھ پر اس سے زیادہ اختیار ہے۔ یہ نہ سوچو کہ تم آقا ہو، یہ سوچو کہ تم بھی کسی کے غلام ہو اگر اس نے غصہ کر لیا تو پھر کیا بنے گا۔

چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو بندہ اپنے غصے کو جلدی ختم کر دیتا ہوگا، قیامت کے دن اللہ رب العزت کے غصے سے وہ شخص محفوظ ہو جائے گا۔ اس لئے جب بھی غصہ آئے اس کو فوراً قابو کرنے کی کوشش کریں، کبھی اس کو بڑھنے نہ دیں۔

جور و ستم سے جس نے کیا دل کو پاش پاش
احمد نے اس کو بھی تہہ دل سے دعائیں دیں

بزرگوں کا طریقہ:

ہمارے بزرگ تو غصہ اور برائی کرنے والے بندے کے ساتھ بھی اچھائی کا معاملہ کیا کرتے تھے، یہ ہمارے بزرگوں کا طریقہ تھا۔ طیش اور اشتعال کی کیفیت میں بھی وہ غصے میں نہیں آتے تھے۔

☆......مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کسی نے غصے میں کہا کہ تم ایک کہو گے تو دس

سنو گے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میاں تم مجھے ہزار کہہ لو جواب میں تم ایک بھی نہیں سنو گے۔

چنانچہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو ایک تابعی نے کسی بات پر کہہ دیا کہ بڑے سخت ہیں، یہ ہیں وہ ہیں۔ کچھ غصے والی باتیں کر دی تو آپ نے اس کی تنقید سن لی اور جواب میں فرمایا کہ اگر قیامت کے دن اللہ رب العزت کی مجھ پر رحمت ہوگئی تو تیری ملامت کا مجھے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

☆......ربیع بن حسیب رحمۃ اللہ علیہ کو اسی طرح کسی نے غصے والی باتیں کی تو جواب میں فرمایا کہ میں ایک گھاٹی کو عبور کر رہا ہوں اگر میں نے اس کو عبور کر لیا تو تمہاری اس ملامت کا مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

☆......مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کو کسی عورت نے کہا۔ اور یا کار! تو جیسے ہی کہا، او ریا کار! فرمانے لگے، اللہ کی بندی! تم نے بڑے عرصے کے بعد مجھے صحیح پہچانا ہے۔

☆......کسی نے بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے سر کے اوپر راکھ ڈالی تو بجائے اس کے کہ وہ غصہ کرتے حضرت الحمد للہ پڑھتے ہوئے جا رہے ہیں۔ کسی نے کہا، سر میں راکھ پڑی ہے اور آپ الحمد للہ پڑھ رہے ہیں۔ فرمایا الحمد للہ اس لئے پڑھ رہا ہوں کہ میرا سر تو آگ کے انگارے ڈالے جانے کے قابل تھا۔ اللہ نے فقط راکھ ڈلوا کر معاملے کو سمیٹ دیا۔

☆......امام شعومی رحمۃ اللہ علیہ کو کسی بندے نے غصے میں عجیب باتیں کر دیں۔ تو امام شعومی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ دیکھو بھئی! اگر تو سچا ہے تو اللہ مجھے معاف کر دے اور اگر تو جھوٹ کہہ رہا ہے تو اللہ تجھے معاف کر دے۔ کتنی آسان سی بات کر دی، میرا خیال ہے اس بندے کا غصہ ہمیشہ کے لئے ہی ختم ہو گیا ہوگا۔

☆......ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی چوری ہوگئی۔ تو چیز کے چلے جانے سے افسوس تو ہوتا ہے۔

کسی نے کہا جی آپ کی چیز چوری ہوگئی۔فرمانے لگے کہ بھئی! اگر کسی نے ضرورت کی خاطر چوری کی تو میں نے اس کو معاف کردیا اور اگر اس نے معصیت کی وجہ سے چوری کی ہے تو میں اپنے اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ! اس چوری کو اس کا آخری گناہ بنادے۔اللہ اکبر۔

کیا مثبت سوچ ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ واقعی اکابر کو اللہ رب العزت نے باطن کی کیا نعمت عطا فرمائی تھی کہ غصے کے اضطراری حالات میں بھی ان کی زبان سے خیر کی باتیں نکلتی تھی۔

نبی علیہ السلام کا عفو و درگزر:

چنانچہ نبی علیہ السلام نے جب مکہ کو فتح فرمایا، اس وقت صحابہ کو بھی بہت غصہ تھا۔خود نبی علیہ السلام کو بھی بہت جلال تھا۔اس لئے کہ مکہ والوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی ان کو تکالیف پہنچانے اور ان کا دل دکھانے میں۔مگر نبی علیہ السلام نے ان کو بلا کر پوچھا تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں۔تو کفارِ مکہ نے کہا، آپ ایک اچھے خاندان کے فرد ہیں، اچھے انسان ہیں، آپ اچھا معاملہ کریں گے۔فرمایا، ہاں میں تمہارے ساتھ وہی معاملہ کروں گا جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا تھا۔انہوں نے بھائیوں کو معاف کردیا تھا، جاؤ میں بھی تم سب کو معاف فرمادیتا ہوں۔اللہ اکبر کبیرا۔ حیرت ہوتی ہے۔

بیت اللہ شریف کو کھولنے کی کنجی عثمان نامی ایک صاحب کے پاس تھی۔نبی علیہ السلام نے اسے بلوایا۔فرمایا: عثمان کنجی دو! اس نے کنجی دے دی۔نبی علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا، بیت اللہ شریف کے اندر تشریف لے گئے، عبادت کی، اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ یہ حضرات ساتھ تھے اور ان سب کی یہ تمنا تھی کہ اب نبی علیہ السلام جب بیت اللہ کا دروازہ بند کریں گے تو چابی اپنوں میں سے کسی کو دیں گے تو شاید کنجی برداری کا یہ

منصب، یہ نعمت ہمیں نصیب ہو جائے۔ دنیا کا دستور بھی یہی ہے، جب بھی کسی کو طاقت ملتی ہے تو وہ سب سے پہلے اپنوں کو نوازتا ہے۔ نبی علیہ السلام بیت اللہ سے باہر تشریف لائے، آپ نے تالا لگایا، اب صحابہ منتظر ہیں کہ یہ چابی کس کو ملتی ہے۔ نبی علیہ السلام نے عثمان کو بلایا اور بلا کر کہا کہ عثمان یاد کرو اس وقت کو جب میں ہجرت کے لئے جارہا تھا تو میرا جی چاہتا تھا کہ میں بیت اللہ شریف کے اندر جا کے اپنے رب کی عبادت کروں، میں بیت اللہ سے بچھڑ رہا تھا تو میں نے اس وقت تم سے کہا تھا کہ عثمان دروازہ کھول دو، تم نے انکار کر دیا تھا۔ عثمان! پھر میں نے تمہیں یہ لفظ کہے تھے کہ وقت آئے گا جس پوزیشن پر تم کھڑے ہو، اس پر میں کھڑا ہوں گا اور جس پر میں کھڑا ہوں تم کھڑے ہو گے۔ عثمان! دیکھو! میرے اللہ نے اس بات کو سچا کر دیا، آج کنجی میرے ہاتھ میں ہے اور تو خالی ہاتھ سامنے کھڑا ہے۔ لیکن عثمان! میں تیرے ساتھ وہ نہیں کروں گا جو تو نے میرے ساتھ کیا تھا۔ میں یہ کنجی تجھے واپس کرتا ہوں، یہ قیامت تک تمہاری نسلوں میں باقی رہے گی۔ اللہ اکبر کبیرا۔ یہ اخلاق ہیں، یہ نبوت کا طریقہ ہے کہ بروں کے ساتھ بھی اچھائی کا معاملہ کرنا۔

تین باتوں کی قسم:

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میں تین باتیں قسم اٹھا کر کہتا ہوں۔ کسی بات کی صداقت کیلیے یہی دلیل کافی تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے یہ بات نکلی ہے۔ لیکن اس سے بھی اوپر یہ کہ نبی علیہ السلام نے قسم اٹھائی۔ مطلب کہ یہ تین باتیں سو فیصد سچی ہیں۔ کون کون سی؟

پہلی بات یہ کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: جو بندہ دوسرے کی غلطی کو جلدی معاف کر دے گا۔ اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اس بندے کو قیامت کے دن کی عزت عطا فرمائے گا۔ اللہ اکبر۔ اب یہ بات نبی علیہ السلام نے قسم کھا کر کہی ہے تو ہم اگر اپنے غصے کو قابو کر لیں

تو پھر قیامت کے دن کی عزت ملے گی، کتنے نفع کا سودا ہے۔

دوسری بات نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کے راستے میں صدقہ کرتا ہے، اس صدقہ کرنے سے اس کا مال کم نہیں ہوتا، اللہ ہمیشہ زیادہ فرمایا کرتا ہے۔ صدقہ سے ہمیشہ بندے کا مال بڑھتا ہے۔ یہ نبی ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا، ویسے آپ کو کئی بندے ملیں گے کہ ڈیفالٹر ہو گئے۔ کاروبار فلاپ ہو گئے، ایسا کوئی بندہ نہیں ملے گا کہ جس نے مسجدیں بنوائیں، مدرسے بنائے، اور ان کے بنانے کی وجہ سے وہ بندہ کنگال ہو گیا، کوئی بندہ ایسا نہیں مل سکتا۔ تو نبی ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا کہ صدقہ دینے سے انسان کے مال کے اندر کمی نہیں بلکہ اللہ رب العزت زیادتی فرماتے ہیں۔

اور **تیسری بات** نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو مخلوق کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے سامنے افلاس اور غربت کا دروازہ کھول دیا کرتا ہے۔

پسندیدہ گھونٹ:

ایک حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ غصے کا گھونٹ پی لو اس لئے کہ یہ سب سے زیادہ پسندیدہ گھونٹ ہے جو انسان اللہ کے نزدیک پیا کرتا ہے۔ اللہ کو یہ گھونٹ سب سے زیادہ پسند ہے۔

پہلوان کون؟

چنانچہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا، پہلوان کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! جو دوسروں کو پچھاڑ دے، فرمایا: نہیں۔ کہنے لگے: آپ بتا دیجئے۔ فرمایا: پہلوان وہ ہے کہ جس کو غصہ آئے اور وہ اپنے غصے کو قابو کر لے۔ اپنے غصے کو قابو کر لینے والا پہلوان ہوتا ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ غصہ کا جلدی آنا دراصل کمزور ہونے کی نشانی ہے۔ مثال

کے طور پر:

......صحت مند بندے کی نسبت بیمار کو جلدی غصہ آتا ہے۔

......جوان کی نسبت بوڑھے میں غصہ جلدی آتا ہے۔اور اسی طرح

......مرد کی نسبت عورت میں غصہ جلدی آجاتا ہے۔

یاد رکھئے کہ غصہ پر قابو پالینا مردانگی اور ہمت کی بات ہوتی ہے، آج یہ ہمت ختم ہوگئی ہے۔ چنانچہ چھوٹی چھوٹی باتیں غصے پر قابو نہ ہونے کی وجہ سے بات کا بتنگڑ بن جاتی ہیں ۔گھروں میں لڑائی جھگڑے کا بنیادی سبب غصہ بنتا ہے۔ایک صاحب آکر کہنے لگے، حضرت! میں غصے میں بیوی کو طلاق دے بیٹھا ہوں ۔ میں نے کہا، بتاؤ! کسی نے خوش ہو کر بھی اپنی بیوی کو طلاق دی ہے؟ کبھی کسی نے کہا ہے کہ میں آپ کی خدمت سے بہت خوش ہوں اور انعام کے طور پر آپ کو طلاق پیش کرتا ہوں۔

بے جا غصہ جانوروں کی عادت ہے:

بے جا غصہ کرنا یہ جانوروں کی عادت ہے۔علماء نے لکھا کہ کتا بے جا غصہ کرنے میں بڑا مشہور ہے۔ چنانچہ کوئی بندہ آرام سے اپنے راستے پر جا رہا ہوگا یہ اٹھ کر بھونکنا شروع کر دے گا۔تو بے جا غصہ کرنا جانوروں میں سے کتے کی عادت ہوتی ہے۔

بدترین انسان کون؟

بعض لوگوں کو غصہ جلدی آتا ہے لیکن چلا بھی جلدی جاتا ہے، بعض کو جلدی آتا ہے مگر دیر سے جاتا ہے، بعض لوگوں کو دیر سے غصہ آتا ہے جلدی چلا جاتا ہے اور بعض کو آتا بھی دیر سے ہے جاتا بھی دیر سے ہے۔تو چار صورتیں ہوتی ہیں ۔ نبی ﷺ نے فرمایا سب سے بہتر انسان وہ ہے جس کو غصہ دیر سے آئے اور پھر جلدی اتر جائے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد

فرمایا: کیا میں تمہیں برے لوگوں سے آگاہ نہ کروں؟ صحابہ نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! ضرور بتائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، وہ انسان بہت برا ہے جو اکیلا کھائے، اپنے غلام کو کوڑے مارے اور بخشش و رحمت کو روک دے۔

پھر اس کے بعد ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں اس سے بھی بدترین انسان بتا دوں؟ صحابہ نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! بتا دیجئے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اس سے بھی برا انسان وہ ہے جو لوگوں سے بغض رکھے اور لوگ اس سے بغض رکھیں۔

اس کے بعد پھر فرمایا: کہ کیا میں تمہیں اس سے بھی بدترین انسان کا پتہ بتا دوں؟ صحابہ نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! ضرور بتا دیجئے۔ فرمایا:

وہ انسان جس سے نیکی کی امید نہ ہو اور اس سے انسان کو امن نہ ہو۔

پھر خاموش رہنے کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، کیا میں تمہیں اس سے بھی بدترین انسان بتا دوں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! بتا دیجئے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

''جو بندہ کسی کی لغزش کو معاف نہ کرے اور کسی کی معذرت کو قبول نہ کرے وہ سب سے زیادہ بدترین انسان ہوتا ہے''

ذرا ہم اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ کیا ہم کسی کی معذرت قبول کرتے ہیں؟ بیوی سے غلطی ہو جائے اور وہ جتنی مرضی معافیاں مانگے، ہم کہتے ہیں کہ ہم تو سزا دے کے رہیں گے۔ اگر کسی آدمی سے غلطی ہو جائے تو ہم معاف نہیں کرتے بلکہ اسے دکھاتے ہیں کہ کیسے رگڑنا ہوتا ہے۔

غصہ پینے کا اجر:

چنانچہ اب میں آپ کے سامنے تین احادیث نبی علیہ السلام کی پیش کروں گا۔

ان کو سنئے اور پھر ذرا سوچیے کہ غصے کو پینے کا اللہ کے ہاں کیا مرتبہ اور مقام ہے۔

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بندہ غصہ اتار سکتا ہو یعنی اس کے بس میں ہے۔ بیوی پر اتار سکتا ہے، بچوں پر اتار سکتا ہے، ماتحتوں پر اتار سکتا ہے، رشتے دار پر اتار سکتا ہے۔ دوست پر، غریب پر، کسی پر بھی غصہ اتار سکتا ہے۔ تو فرمایا کہ پھر اللہ کے لئے اپنے غصے کو نہ اتارے۔ اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایمان اور امن کو بھر دیتے ہیں۔ تو دیکھو غصہ پی جانے کا کتنا بڑا اجر ملتا ہے کہ اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کو ایمان اور امن عطا فرما دیں گے۔

اور دوسری حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ جو بندہ غصہ اتار سکتا ہو اور پھر وہ معاف کر دے اللہ رب العزت قیامت کے دن بھرے مجمع میں اس بندے کو بلائیں گے اور بلا کر فرمائیں گے کہ جنت میں جاؤ اور جس حور سے چاہو تم نکاح کر لو۔ تو یہ حور سے نکاح تو ایک کہنے کی بات ہے۔ اصل مقصد تو یہ تھا کہ بھرے مجمع کے سامنے بلا کر اللہ رب العزت اس کو جنت عطا فرمائیں گے...... کتنی بڑی بات ہے۔ جیسے کوئی تقریب ہوتی ہے تو جن کو پرائز دینا ہوتا ہے ان کو مجمع کے سامنے بلاتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جو اللہ کے لئے اپنے غصے کو معاف کر دینے والا ہوگا، اللہ تعالیٰ بھرے مجمع کے سامنے اس کو بلا کر اس بندے کو جنت عطا فرما دیں گے۔

اور تیسری حدیث مبارکہ۔ جو شخص غصہ اتار سکتا ہو اور پھر نہ اتارے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے مجمع میں اعلان کریں گے۔ کیا اعلان فرمائیں گے؟ بھرے مجمع میں اللہ رب العزت اعلان کروائیں گے کہ وہ شخص کھڑا ہو جائے جس شخص کا میرے اوپر حق ہے۔ حدیث پاک میں فرمایا۔

فلا یقوم الانسان الا مافعا

نہیں کھڑا ہوگا مگر وہی بندہ جس نے اللہ کے لئے بندوں کو معاف کر دیا ہوگا۔

اللہ اکبر کبیرا۔ سوچیے تو سہی یہ اللہ کی طرف سے کتنے بڑے انعامات ہیں۔ جو اس بندے کو دیے جا رہے ہیں تو اس لئے آج دلوں میں یہ نیت کر لیجئے کہ آج سے ہم بے جا غصے سے توبہ کرتے ہیں اور اگر غصہ آ بھی گیا تو ہم غصہ اتارنے کے طریقوں پر بھی عمل کریں گے۔ اور ان تین حدیثوں کو بھی یاد رکھیں گے کہ غصہ پینے پر اللہ رب العزت کون سے تین بڑے انعام عطا فرمائیں گے۔

جنت میں پہنچانے والا عمل:

طبرانی شریف کی روایت ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے اللہ کے محبوب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جس کے کرنے سے مجھے جنت مل جائے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا،

''غصہ نہ کیا کر، اللہ رب العزت اس عمل کی وجہ سے تجھے جنت عطا فرما دیں گے''

حدیث پاک میں آتا ہے جو جنت میں اونچے محل اور اونچے درجات چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ جو توڑے اس سے وہ جوڑے۔ جو محروم کرے اسے وہ عطا کرے۔ جو ظلم کرے اس کو وہ معاف کر دے۔ یعنی ان تین کاموں کے کرنے والے بندوں کو اونچے محل اور اونچے درجات نصیب ہوں گے۔

ایمان ضائع کرنے والا عمل

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ الْغَضَبَ لَيُفْسِدُ الْاِيْمَانَ كَمَا يُفْسِدُ الصَّبْرُ الْعَسَلَ

کہ غصہ ایمان کو اس طرح خراب کر دیتا ہے جس طرح کہ ایلوا شہد کو خراب کر دیتا ہے۔

تو جس طرح ایلوا شہد کو ختم کر دیتا ہے ضائع کر دیتا ہے، اس طرح غصہ ایمان کو

ضائع کر دیتا ہے۔

اس لئے ہمارے اکابر غصہ دلانے کے باوجود بھی بلاوجہ اشتعال میں نہیں آتے تھے اور غصے میں بھی اپنے آپ کو قابو رکھتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا غصے پر کنٹرول:

چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ایک کافر کو پکڑتے ہیں کہ اس کو جہنم رسید کریں اور وہ آگے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چہرے پر تھوک دیتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فوراً اس بندے کو چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ حیران ہو کر کہنے لگا کہ آپ کو تو چاہیے تھا کہ خنجر چلانے میں جلدی کرتے، آپ نے الٹا مجھے چھوڑ دیا۔ فرمایا، اس لئے کہ پہلے میں اللہ کی رضا کے لئے تمہیں جہنم رسید کر رہا تھا، جب تم نے میرے چہرے پر تھوکا تو میرا ذاتی غصہ بھی شامل ہو گیا، میں اپنے ذاتی غصے کی خاطر کسی بندے پر تلوار نہیں چلا سکتا۔ اس غصے کی حالت میں بھی ان کو اپنے اوپر کنٹرول ہوتا تھا۔ یہ ہیں مرد مومن کہ جن کو اللہ رب العزت نے اتنی قوت ارادی دی ہوتی ہے۔

حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ کا تحمل:

اب آپ کہیں گے کہ جی سب اوپر والوں کے، پرانے بزرگوں کے واقعات سناتے جا رہے ہیں، آج کل تو چٹ پٹے کھانے کھاتے ہیں تو پھر غصہ بھی زیادہ آتا ہے۔ تو بھئی ہمارے قریب کے بزرگوں میں بھی بہت سارے ایسے واقعات ہیں جو بڑے آرام سے اپنے غصے کو پی لیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک واقعہ ہے حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا۔ ایک جگہ گئے تقریر کرنے کیلئے وہاں کچھ بدعتیوں کا مجمع زیادہ تھا تو کسی نے چھیڑ خانی کے لیے ایک چٹ بھیج دی اور چٹ کے اندر تین باتیں لکھیں۔

پہلی بات تو یہ لکھی کہ تم کافر ہو، اب بتائیں کہ ہمیں اگر کوئی یہ لفظ کہہ دے تو ہمارا کیا حال ہوگا۔ دوسری بات لکھی کہ آپ حرام زادے ہیں، اب یہ لفظ کسی کو کہنا کتنا اشتعال دلانے والی بات ہے۔ اور تیسری بات لکھی کہ یہاں سنبھل کر بات کرنا۔ حضرت نے وہ چٹ پڑھی اور پڑھ کر غصے میں نہیں آئے۔ حضرت نے وہ چٹ مجمع کو سنائی اور فرمایا کہ بھئی دیکھو کسی بندے نے لکھا ہے کہ تم کافر ہو۔ فرمایا پورا مجمع گواہ ہے کہ میں کلمہ پڑھ رہا ہوں اور مسلمان ہو رہا ہوں فرمایا۔ لا الـٰه الا اللـه محمد رسول الله تو فرمایا کہ بھئی! اب تو میں مسلمان ہوں۔ اور دوسری بات لکھی ہوئی ہے کہ تم حرامزادے ہو۔ تو بھئی! میرے والدین کے نکاح کے گواہ ابھی بھی دنیا میں زندہ موجود ہیں۔ اگر کسی کو تصدیق کرنی ہو تو میں ان کے نام دے دیتا ہوں وہ تصدیق کرلیں کہ ان کا نکاح تھا یا نہیں تھا۔ اور فرمایا کہ تیسری بات لکھی ہے کہ سنبھل کر بات کرنا۔ تو بھئی! میں چندہ مانگنے تو آیا نہیں کہ میں آپ لوگوں سے ڈر کے بات کروں، میں تو دین کی بات کرنے آیا ہوں، عقیدے کی سچی بات کروں گا۔ اللہ اکبر کبیرا۔ یعنی لوگ ان کو اشتعال دلانا چاہتے تھے، وہ پھر بھی اشتعال میں نہیں آتے تھے، بہت سمجھدار لوگ تھے۔

امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ:

چنانچہ علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ جن کو امام زین العابدین کہا جاتا ہے۔ ان کے ہاں ایک مرتبہ مہمان آئے تو انہوں نے اپنی خادمہ کو کہا کہ بھئی ان کے لئے شوربہ گرم کر کے لاؤ، لگتا ہے اس زمانے کی چائے یہی ہوتی تھی۔ اور ہمارے چائے پینے والے دوستوں کو حدیث پاک میں یہی سند ملتی ہے کہ وہ گرم شوربہ پیتے تھے۔ تو خیر، وہ گرم شوربہ لا رہی تھی، اللہ کی شان کہ پاؤں جو اٹکا تو اس کا سارا گرم شوربہ امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے اوپر آ کر گرا۔ اب آپ بتائیں کہ کھولتا ہوا شوربہ اگر پڑے تو

جسم کو کتنی تکلیف ہوتی ہے تو آپ کو سخت تکلیف ہوئی۔اس تکلیف کے عالم میں آپ نے غصے سے اس باندی کی طرف دیکھا۔لیکن وہ باندی اسی گھر کی تربیت یافتہ تھی،محرم راز تھی، پہچانتی تھی ان کی طبیعتوں کو۔جب آپ نے غصے اور جلال میں اس کی طرف دیکھا۔تو وہ کہنے لگی:

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ [غصے کو پی جانے والے]

جب اس نے یہ کہا،تو آپ نے فوراً کہا:

كَظَمْتُ غَيْظِيْ [میں نے اپنے غصے کو پی لیا]

اس نے کہا:

وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ [انسانوں کو معاف کر دینے والے]

فرمایا:

عَفَوْتُ عَنْكِ۔ [میں نے تجھے معاف کر دیا]

اس نے کہا۔

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ. [اور اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں]

فرمایا: ''میں نے تجھے اللہ کے راستے میں آزاد کر دیا''

غصہ فقط اللہ کے لیے ہو:

ان کا عمل بالقرآن ہوتا تھا۔اللہ رب العزت ہمیں بھی ایسا دل عطا فرمائے کہ ہم اگر غصہ کریں تو اللہ رب العزت کے لئے کریں۔اپنی خواہش،اپنی طبیعت،اپنی بات کی خاطر غصہ نہ کریں۔نمک کم ہو گیا،مرچ زیادہ ہو گئی،فلاں چیز نہیں بنائی یہ کوئی باتیں ہیں کہ جن پر بندہ غصہ کرے۔ہاں سمجھا دے اچھے انداز سے۔

انس ﷛ فرماتے ہیں کہ نو سال کی میری عمر تھی،جب میری والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا مجھے لے کر نبی علیہ السلام کے پاس آئیں اور فرمایا کہ میرے بیٹے کو خدمت کے

لئے قبول کر لیجئے۔اور فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں تقریباً کوئی نو دس سال نبی علیہ السلام کی خدمت میں رہا۔ان دس سالوں میں نبی علیہ السلام نے نہ کبھی مجھے ڈانٹا، نہ مجھے گالی دی، نہ مجھے مارا، نہ مجھے کوسا۔کبھی دس سال میں نبی علیہ السلام نے میرے ساتھ ایسا برتاؤ کیا ہی نہیں۔اس کو حسنِ معاشرت کہتے ہیں کہ ایسے اچھے طریقے سے زندگی گزارنا کہ خود بخود دوسرے کو بات سمجھ میں آئے، غصہ کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔

ظرف والے لوگ:

چنانچہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کتاب میں لکھا ہے کہ ان کی اہلیہ نے کسی مجلس میں بتایا کہ میرے میاں نے میرے ساتھ شادی شدہ زندگی کے اتنے سال گزارے اور اتنے سالوں میں انہوں نے کبھی مجھ سے لہجہ بدل کر بات نہیں کی۔یعنی غصہ کرنا تو الگ بات، کہتی ہیں کہ انہوں نے کبھی میرے ساتھ لہجہ بدل کے بات نہیں کی...... یا اللہ اتنے ظرف والے لوگ......اور ہمارا تو ہر دو چار منٹ کے بعد لہجہ بدلا ہوا ہوتا ہے۔اللہ اکبر کبیرا۔تو اللہ رب العزت کو رحمت پسند ہے۔اس لئے اللہ رب العزت کے ناموں میں رحمت سے متعلق دو نام ہیں۔

احادیث میں نرمی کی فضیلت:

اب سنیے ذرا غور کے ساتھ۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا، عائشہ! جس بندے کو مزاج کی نرمی عطا کر دی گئی اس بندے کو اللہ نے دارین کی سعادتیں عطا فرما دیں۔ گرمی کی بات نہیں ہو رہی، نرمی عطا کر دی، فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس کو دنیا اور آخرت کی تمام سعادتیں اللہ نے عطا فرما دیں۔

اور ایک حدیث پاک میں نبی علیہ السلام نے فرمایا، عائشہ! اللہ رب العزت نرمی پر وہ

رحمتیں نازل فرماتا ہے جو رحمتیں سختی کے اوپر نازل نہیں فرماتا۔

اور تیسری بات۔ فرمایا، عائشہ! جس کام میں نرمی شامل ہو جاتی ہے اللہ رب العزت اس کام کو سنوار دیا کرتے ہیں۔

اصلاح مگر نرمی سے:

اس سے یہ مراد نہیں کہ روک ٹوک کرنا ہی چھوڑ دے۔ نہیں، روک ٹوک کرے مگر پیار محبت سے کرے۔ دیکھیں! ایک طریقہ تو یہ ہے کہ فجر کی نماز میں بیٹے کو جگانا ہے، اٹھ اوئے! سنا نہیں تو نے! مردار پڑا ہوا ہے، کھا کھا کے تھکتا نہیں اور فجر کے بعد اس کی آنکھ نہیں کھلتی۔ اب یہ بھی اٹھانے کا طریقہ ہے اور ایک یہ کہ آ کر پیار سے بیٹے کا بوسہ لے، کہے، بیٹے! اٹھو فجر کا وقت ہو گیا اور میرے ساتھ مسجد چلو۔ جو باپ بیٹے کا بوسہ لے گا، اسے اٹھائے گا، تو بیٹا اپنے باپ کے ساتھ کیوں نہیں جائے گا۔ یہ مطلب ہے نرمی کا۔

اصلاح کرنی ہے مگر نرمی سے کرنی ہے۔ پازیٹو طریقے سے کرنی ہے۔ یہ نہیں ہے کہ کوئی بات کرنی ہے، بیوی کو کچھ کہنا ہے ...... تجھے کہا نہیں تھا ...... مرنا نہیں تو نے ...... قبر میں نہیں جانا، یہ کوئی طریقہ نہیں ہے سمجھانے کا۔ اس کو سمجھائیں کہ دیکھیں! آپ کو اللہ رب العزت نے اتنی اچھی عادتیں دی ہیں، باتیں دیں ہیں، آپ خدمت کرتی ہو، گھر میں اتنی محبت پیار سے رہتی ہو۔ نماز اللہ رب العزت کا فریضہ ہے، اس کو اگر جلدی ادا کر لو گی تو آپ کی سیرت میں ایک اور اچھی بات آ جائے گی، اور مجھے آپ اور اچھی لگو گی۔ آپ تھوڑا اس کو اس انداز سے سمجھائیں گے تو میرا خیال ہے، پانچ نمازوں کے ساتھ اشراق، اوابین، اور تہجد وہ خود ہی شروع کر دے گی۔ تو نرمی کا یہ مطلب ہے کہ انسان پیار محبت سے بات کرے۔

نبی علیہ السلام کے سمجھانے کا انداز:

چنانچہ ایک صحابی تھے ان کو نیند بہت گہری آتی تھی۔ بعض لوگوں کی طبیعت ہوتی ہے کہ نیند بہت گہری آتی ہے، جلدی نہیں اٹھتے۔ ان کو بہت گہری نیند آتی تھی اور بس مشکل سے ہی فجر میں ان کی آنکھ کھلتی تھی۔ نبی علیہ السلام کو بتایا گیا، نبی علیہ السلام نے ان کو بلا کر کہا، آپ کتنے اچھے آدمی ہیں۔ اگر آپ تہجد بھی ساتھ پڑھ لیا کریں تو اور بھی اچھی بات ہو۔ جب نبی علیہ السلام نے یہ الفاظ کہے تو وہ صحابی کہتے ہیں کہ میرا دل اتنا بڑا ہو گیا کہ میں نے سوچا کہ اگر یہ اچھائی مجھ میں نہیں آئی تو میں کیوں نہ اس کو حاصل کروں۔ فرماتے ہیں اس کے بعد میری تہجد کبھی قضا نہیں ہوئی۔ یہ نرمی کہلاتی ہے کہ مثبت انداز سے، پیار محبت سے، سمجھا کر دوسرے کو خیر کی بات کرنا تاکہ اس کے خانے میں بات بیٹھ جائے۔

معاف کرو گے، معافی ملے گی:

یہ ہمدردی اور خیر خواہی اللہ رب العزت کو بہت پسند ہے۔ چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے، طبرانی شریف کی روایت ہے کہ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، جو شخص دنیا میں دوسروں کی غلطی کو جتنا جلدی معاف کرتا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی غلطیوں کو اتنا جلدی معاف فرما دیں گے۔

اور اسی میں دوسری روایت بھی ہے کہ جو شخص دوسرے کا عذر جلدی قبول کرتا ہو گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عذروں کو بھی جلدی قبول فرمالیں گے۔ تو بھئی! یہ تو اپنے ہاتھ میں معاملہ ہے، ہم آج اللہ کے بندوں کو معاف کر دیں گے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرما دیں گے۔

حدیث مبارکہ میں آتا ہے۔

من كف غضبه كف الله عنه عذابه يوم القيامة

جو اپنے غصے کو دنیا میں اللہ کے لئے پی لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو اپنے غصے سے نجات عطا فرما دیتا ہے۔ یہ Directly Proportional (راست متناسب) ہے۔ ہم یہاں اللہ کے لئے غصے کو معاف کریں گے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہمیں اپنے غصے سے نجات عطا فرمائیں گے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ لکھا ہے، کسی خاوند کی بیوی تھی اس سے نقصان ہو گیا اور نقصان پر شرمندہ بھی بہت تھی کہ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ نقصان ایسا بڑا تھا کہ خاوند چاہتا تو اس کو مار پیٹ کرتا، میکے بھیج دیتا، یا طلاق ہی دے دیتا۔ جو کرتا ٹھیک تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ بے چاری خود بھی پریشان ہے اور اس پر بڑی نادم ہے، اس نے کہا چلو اللہ کی بندی ہے میں نے اس کو اللہ کے لئے معاف کر دیا۔ کچھ عرصے کے بعد خاوند کی وفات ہوئی، ایک شخص نے خواب میں دیکھا۔ پوچھا: سناؤ بھئی! آگے کیا بنا؟ وہ کہنے لگا، اللہ رب العزت کے سامنے پیشی ہوئی، اللہ رب العزت نے فرمایا: فلاں موقع پر تو نے اپنی بیوی کو میری بندی سمجھ کے معاف کیا تھا، آج میں تجھے اپنا بندہ سمجھ کے معاف کر دیتا ہوں۔ کتنا نفع کا سودا ہے۔ اللہ اکبر کبیرا۔

کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ تمہیں معاف کرے؟

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ایک چچا زاد بھائی تھے، مسطح رضی اللہ عنہ ان کا نام تھا۔ جب منافقین نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی باتیں شروع کیں تو یہ باتیں ان تک بھی پہنچیں اور سنی سنائی جیسے بندہ آگے کر بیٹھتا ہے مسطح رضی اللہ عنہ نے یہ بات آگے کر دی۔ جب حقیقت کھلی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بڑا غصہ آیا کہ ایک تو یہ اتنا قریبی رشتے دار

اس کو ویسے ہی ہمارا خیال رکھنا چاہیے تھا اور دوسرا آپ اس کو ہر مہینے کچھ خرچہ دیا کرتے تھے کہ اللہ نے آپ کو مال دیا تھا اور وہ غریب تھے، تو ہر مہینے اس کی امداد بھی کیا کرتے تھے، دوسرے لفظوں میں ان کو پالتے بھی تھے۔ تو ہر مہینے پیسے بھی دیتے تھے اور قریبی رشتہ دار بھی تھے۔ جب اللہ رب العزت نے برأت نازل فرمائی تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اوپر سے وہ غم تو ہٹا مگر آپ نے ارادہ کرلیا کہ اب کی بار اس کا ماہانہ بند کردوں گا، اس نے ہمارے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ تو جب انہوں نے ارادہ کیا کہ میں ان کے ساتھ اس حسن سلوک کا معاملہ نہیں کروں گا، بند کردوں گا تو اللہ رب العزت نے قرآن میں آیتیں نازل فرمادیں۔

ولا یأتل اولوالفضل منکم والسعة ان برتوا

کہ جن کو اللہ نے مال دیا ہے ان کو زیب نہیں دیتا کہ جن کے ساتھ وہ خیر کا معاملہ کرتے ہیں اس کو وہ روک لیں، ان کو چاہیے اللہ کے لیے معاف کردیں۔ فرمایا:

اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَکُم

کیا تم نہیں چاہتے کہ اس کے بدلے اللہ تمہیں معاف کردے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیت سنی تو فرمایا:

واللہ انی احب ان یغفر لی ربی

اللہ کی قسم! میں چاہتا ہوں کہ میرا اللہ میرے قصوروں کو معاف کردے۔

چنانچہ آپ جو مقدار دیتے تھے اس کے بعد ان کو دگنی دینی شروع کردی۔ اور ان کے قصور کو بھی معاف کردیا، تو بھئی اگر غصہ آئے تو انسان یہی الفاظ کہہ لے۔ یہ آیت یاد کرلے کہ اللہ نے فرمایا ہوا ہے۔ **الا تحبون ان یغفر اللہ لکم** ۔ کیا تم نہیں چاہتے اللہ تمہیں معاف فرمادے؟ بھئی! ہم تو چاہتے ہیں اللہ ہماری کوتاہیوں کو معاف فرمادے۔ لہٰذا آج تک ہم نے جتنا بے جا غصہ کیا، بندوں کے دل دکھائے

ان کو پریشان کیا۔ ہم اللہ رب العزت سے بھی معافی مانگتے ہیں اور ہم اللہ کے ان بندوں سے بھی معافی مانگنے کی کوشش کریں کہ اللہ اپنی رحمت سے ہمارے ان گناہوں کو معاف فرما دیجئے۔

خیر خواہی پیغمبری کا سبب بنی:

کہتے ہیں کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام بکریاں چرا رہے تھے۔ اچانک ایک بکری ریوڑ سے ہٹ کر بھاگنے لگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے بھاگے، وہ کانٹوں والے راستے پر چل پڑی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاؤں میں بھی کانٹے چبھے اور بکری کے بھی پاؤں میں کانٹے چبھ گئے۔ حتیٰ کہ ایک جگہ جا کر کانٹوں کی وجہ سے وہ رک گئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پکڑا اور اس کو سایے کی جگہ پر لائے، بٹھایا اور بیٹھنے کے بعد پہلے بکری کے پاؤں سے کانٹے نکالے پھر اپنے پاؤں سے کانٹے نکال کر کہنے لگے، تو کیوں بھاگ گئی تھی میں تو تجھے ریوڑ سے ملانا چاہ رہا تھا۔ جب انہوں نے پہلے بکری کے کانٹے نکالے پھر اپنے کانٹے نکالے یہ وہ لمحہ تھا جب اللہ نے ارادہ فرمالیا کہ میں نے اس بندے کو نبوت سے سرفراز کرنا ہے۔ تو بھئی اگر بکریوں کے ساتھ حسن سلوک پر اللہ رب العزت یہ نعمت دے دیتے ہیں تو ہم اگر اپنے گھر کے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کریں گے تو کیا اللہ تعالیٰ سینے میں ولایت کا نور عطا نہیں فرمائیں گے۔ اس لئے آج ہم یہاں یہ ارادہ کر کے جائیں، کہ اے اللہ! آپ ہمارے گناہوں کو معاف کر دیجئے، ہمارے ساتھ خیر کا معاملہ فرمائیے اور ہمیں اس غصے کی بیماری سے نجات عطا فرما دیجئے۔

علاج بذریعہ مراقبہ:

ہمارے اکابر نے فرمایا ہے کہ غصے کا تعلق لطیفہ روح کے ساتھ ہے۔ ہمارے

سلسلہ نقشبندیہ میں دوسرا سبق ہے ''لطیفہ روح''۔ جب سالک اس سبق کو اچھی طرح کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے غصے سے نجات دلا دیتے ہیں۔اس کا تجربہ بھی کیا گیا ہے۔

انڈیا کے ایک عالم تھے۔انہوں نے ایک بہت بڑے مدرسہ میں بیس سال مسلم شریف پڑھائی، بڑے نمایاں اساتذہ میں سے ہیں۔مگر ان کا غصہ بھی مشہور تھا۔ جب سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں داخل ہوئے تو کہنے لگے، حضرت! میری یہ حالت ہے کہ ذرا سی بات پر غصے میں آ جاتا ہوں اور یہ غصہ میرے قابو میں نہیں رہتا۔لوگ میرے علم کی وجہ سے میرا بڑا احترام کرتے ہیں مگر میں اپنی اس باطنی بیماری سے بہت تنگ ہوں۔انہیں یہ عرض کیا گیا کہ آپ یہ سبق کر لیں، نسخہ موجود ہے۔انہوں نے تقریباً چھ مہینے یہ سبق کیا۔اللہ تعالیٰ نے ان کی طبیعت ایسی بدلی کہ ایک دن آئے اور عرض کرنے لگے کہ میری اہلیہ نے پیغام بھجوایا ہے کہ آپ مجھے غائبانہ بیعت فرمالیں۔پھر کہنے لگے کہ پتہ ہے وہ کیوں بیعت ہونا چاہتی ہیں؟ میں نے پوچھا، کیوں؟ کہنے لگے کہ اس نے میرے ساتھ زندگی کے اتنے سال گزارے، مجھے کہتی تھی آپ چار پانچ ماہ سے بدل چکے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ میں نے اس کو نہ بتایا کہ میں بیعت ہو چکا ہوں۔ جب اس نے بار بار پوچھا تو پھر میں نے کہا، اب میں نے بیعت کر لی ہے اور میرے اندر اب وہ غصہ نہیں ہے جو پہلے تھا۔ کہنے لگے کہ جب اس نے سنا تو کہنے لگی کہ مجھے یہ نسبت سچی لگتی ہے لہٰذا میں بھی اس نسبت سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہوں۔

جب انسان یہ اسباق کرے گا تو آپ کے گھروں میں بھی دین زندہ ہو گا۔ آج تو یہ معاملہ ہے کہ خود تو صوفی صافی بنے پھرتے ہیں اور گھر والوں کو پکا بے دین بنا رکھا ہے۔ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہا جاتا ہے،

''اوپر سے لا الہ اندر سے کالی بلا''

غصے کو کنٹرول کرنے کے طریقے:

اب آخر میں غصے کو کنٹرول کرنے کے طریقے نمبروار درج کرتے ہیں تا کہ سبق تازہ ہو جائے اور جب غصہ آئے تو بندے کو عمل کرنا آسان ہو۔

(۱)......سب سے پہلا طریقہ یہ ہے کہ جب آدمی کو غصہ آئے تو وہ **لَاحَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ** پڑھے۔اس کی برکت سے شیطان جو رگوں میں خون کی طرح دوڑ رہا ہوتا ہے اور غصے کی حالت میں بندے کے ساتھ گیند کی طرح کھیل رہا ہوتا ہے وہ بھاگ جاتا ہے اور غصہ ختم ہو جاتا ہے۔

(۲)......اگر اس سے بھی غصہ ختم نہ ہو تو **اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ** کے الفاظ سے اللہ رب العزت کی پناہ مانگے۔اس اعوذ باللہ کے پڑھنے سے اللہ رب العزت غصے سے پناہ عطا فرمادیں گے۔

(۳)......گر اس سے بھی غصہ ختم نہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی پوزیشن بدل لے۔ مثلاً لیٹا ہوا تھا تو اٹھ کر بیٹھ جائے، بیٹھا تھا تو کھڑا ہو جائے، کھڑا تھا تو دو قدم چل کر اپنی جگہ بدل لے، جگہ کے بدلنے سے اللہ رب العزت اس کے غصے کو ٹھنڈا فرمادیں گے۔

(۴)......اگر کسی کا غصہ اس سے بھی ٹھنڈا نہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ ٹھنڈے پانی کے ساتھ وضو کرلے۔وضو کی برکت سے اللہ رب العزت اس کے غصے کو ختم فرمادیں گے۔

(۵)......اگر وضو کرنے سے بھی غصہ دور نہ ہو تو وہ دو رکعت نماز پڑھ لے اور سجدے کی حالت میں سوچے کہ میں سجدے میں پڑا ہوا اللہ کا ایک عاجز بندہ ہوں، اگر آج میں کسی کی غلطی کو معاف نہیں کرتا تو کل اللہ رب العزت قیامت کے دن میری

غلطیوں کو کیسے معاف کریں گے۔ مشائخ نے فرمایا ہے کہ جب سجدے میں جا کر اپنی عاجزی کا تصور کریں گے تو غصہ بالکل ٹھنڈا ہو جائے گا۔

(۶)......اگر اس سے بھی انسان کا غصہ ٹھنڈا نہ ہو تو حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ کچھ پانی لے کر اپنی ناک میں ڈالے، اس سے اس کا غصہ جلدی ٹھنڈا ہو جائے گا۔

(۷)......گر اس سے بھی انسان کا غصہ ختم نہ ہو تو پھر وہی دعا مانگے جو سیدہ عائشہ صدیقہؓ کو نبی علیہ السلام نے فرمائی تھی۔ وہ دعا یہ تھی،

''اے محمد ﷺ کے رب! میرے گناہ بخش دیجئے، میرے دل کا غصہ دور کر دیجئے اور بہکانے والے فتنوں سے مجھے بچا لیجئے''۔

(۸)......اور اگر اس سے بھی غصہ ٹھنڈا نہ ہو تو آخری طریقہ یہ ہے کہ چند مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھ لے۔ یہ طے شدہ بات ہے کہ چند مرتبہ درود شریف پڑھنے سے اللہ رب العزت غصے سے نجات عطا فرما دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عرب میں اگر دو بندے جھگڑا شروع کر دیں تو عربی لوگ فوراً کہتے ہیں،

صلوا علیٰ محمد ، صلوا علیٰ محمد

آپ ان طریقوں سے غصے کو کنٹرول کر لیا کریں اور دوسروں کو جلدی معاف کر دیا کریں تاکہ قیامت کے دن اللہ رب العزت ہمیں بھی معاف فرما دیں۔

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کینہ

از افادات

پیر طریقت رہبر شریعت مفکر اسلام

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِo بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِo

وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْن

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَo وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَo

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَo

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

کینہ کیا ہے؟

کسی انسان کے بارے میں دل میں میل ہو، دل میں عداوت ہو، بغض ہو، اس کیفیت کا نام کینہ ہے۔ یہ بڑی روحانی امراض میں سے ایک مرض ہے اور کثرت کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ ذرا سا کسی سے اختلاف واقع ہوا یا کسی بات پر رنجش ہوئی یا اس سے کوئی ناپسندیدہ بات سامنے آئی دل میں اس کی برائی بیٹھ گئی، یہ کینہ ہے، عربی میں اسے غِل کہتے ہیں۔

برے سے نہیں برائی سے نفرت:

پھر یہ نہیں کہ اس کی برائیوں سے نفرت ہوتی ہے، انسان اس بندے سے ہی نفرت شروع کر دیتا ہے۔ حالانکہ برائیوں سے نفرت کرنی چاہئے، برے سے تو نفرت نہیں کرنی چاہئے۔ جیسے ہاسپٹل میں لوگ ہوتے ہیں، وہ بیماریوں سے بچاؤ کرتے ہیں لیکن بیماروں کے تو قریب ہوتے ہیں، ان کو بیماریوں سے نفرت ہوتی

ہے۔ اگر بیماروں سے نفرت کرتے تو ان کو کیوں دوائی دیتے، کیوں ان کی خدمت کرتے؟ اور یہی چیز حدیث پاک سے سامنے آتی ہے نبی ﷺ نے پیاز کھانے سے نفرت فرمائی تو اظہار اس کا یوں کیا حدیث پاک ہے۔

اِنِّی اَکْرَہُ رِیْحَھَا

[میں اس کی بو کو ناپسند کرتا ہوں]

یہ نہیں فرمایا کہ میں پیاز کو ناپسند کرتا ہوں۔ ریحھا اس کی بو کو ناپسند کرتا ہوں۔ یعنی بو ختم ہو جائے تو پیاز کھانے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ گھر میں سالن میں روز استعمال ہوتا ہے، عورتیں گھی میں تڑکا لگا دیتی ہیں، اس کا کھانا ٹھیک ہوتا ہے۔ ہاں ایسا کچا پیاز کھانا کہ مسجد میں آئے تو منہ میں بو ہو تو اس کو ناپسند کیا گیا، تو پیاز کی بو کو ناپسند کیا گیا، پیاز کو ناپسندیدہ نہیں کہا گیا۔ اسی طرح برے کی برائی ناپسندیدہ ہوتی ہے، برا انسان ناپسند نہیں ہوتا، اس سے نفرت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، اس سے محبت کریں گے تو وہ نیکی کی طرف آئے گا۔

لیکن عجیب بات ہے کہ عام طور پر حوصلے تھوڑے ہیں، دل چھوٹے ہوتے ہیں ذرا سی اختلاف رائے پر، کوئی ناپسندیدہ بات پیش آنے پر دوسرے بندے سے دل میں نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کیفیت کا نام کینہ ہے۔

بچے کی مثال:

یہ کینہ کی بیماری بہت کثرت کے ساتھ پائی جاتی ہے، مردوں اور عورتوں دونوں میں یہ بیماری کثرت کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ چھوٹے بچے میں غل نہیں ہوتا، کینہ نہیں ہوتا۔ ایسے کہ باپ اس کو تھپڑ بھی لگا دے گا، وہ تھوڑی دیر کے بعد اسی باپ کے گلے لگ جائے گا، اسی کی گود میں بیٹھ کے ہنس رہا ہوگا، اتنی جلدی بھول جاتا ہے۔ سالک کا سینہ ایسا ہی ہونا چاہیے۔ کوئی برائی کا معاملہ کرے بھی تو بندہ فوراً اس کو بھول

جائے، لیکن ہم تو اس کو اپنی پکی Memory (یادداشت) میں محفوظ کر لیتے ہیں، ہمیشہ کے لئے Data base (ڈیٹا بیس) بنائی ہوتی ہے۔

جانور کے دل میں کینہ:

جانوروں میں اونٹ سب سے زیادہ کینہ رکھنے والا جانور ہے، چنانچہ اس کے پالنے والوں کو بڑا محتاط رہنا پڑتا ہے۔ اگر کبھی اس کو بے وجہ مار دیا تو یہ اس موقع پر ری ایکشن (ردعمل) ظاہر نہیں کرتا، اس لئے کہ مالک کے ہاتھ میں ڈنڈا ہوتا ہے۔ جب مالک بے دھیانی میں کام کر رہا ہوتا ہے تو اس وقت اونٹ اس پر حملہ کر کے مار ڈالتا ہے۔ کئی کئی مہینوں کے بعد، بلکہ بعض دفعہ تو یہ سال کے بعد جا کر بدلہ لیتا ہے۔ تو یہ جانوروں کا کام ہے کینہ رکھنا۔ انسانیت یہ ہے کہ انسان اللہ کے بندوں کی غلطیوں کو اللہ کے لئے معاف کر دے۔

کافر کے دل میں کینہ:

یا پھر اگر شدید کینہ دیکھنا ہو تو وہ کافر کے سینے میں ہوتا ہے۔ کافر کے دل میں مسلمان کے بارے میں اتنا کینہ ہوتا ہے کہ پہاڑوں کے برابر۔ جیسے کہتے ہیں کہ خدا واسطے کا بیر ہے، اس کے دل میں مسلمان کے بارے میں ایسا کینہ ہوتا ہے۔ اور مزید بات یہ کہ اس میں منافقت بھی ہوتی ہے، مسلمان کا اچھا کبھی نہیں دیکھ سکتا۔ چنانچہ قریش مکہ کو نبی ﷺ کے ساتھ بڑا کینہ تھا، اس کینہ کی کیفیت قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے یوں کھول کر بیان فرمایا:

وَاِنْ یَّکَادُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَکَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّکْرَ وَیَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ (قلم:۵۱)

[اور یہ کافر جب نصیحت سنتے ہیں تو یوں لگتے ہیں کہ جیسے تمہیں اپنی نگاہوں سے پھسلا دیں گے اور کہتے ہیں کہ یہ تو مجنون (دیوانہ) ہے]

تو کافر لوگ نبی ﷺ کو اتنی بری نظروں سے دیکھتے تھے کہ اگر ان کا بس چلتا وہ اپنی نظروں سے ان کو گرا دیتے، ایسا کینہ تھا ان کے دل میں۔

کینے کی علامات:

اب کیسے پتہ چلے کہ کینہ دل میں ہے کہ نہیں، تو اس کی بڑی نشانیاں ہیں۔ ہمارے مشائخ کو اللہ رب العزت جزائے خیر دے ایک ایک بات کو انہوں نے کھول کر بیان کر دیا۔ مثلاً

پہلی نشانی: عیب ڈھونڈنا

سب سے پہلی بات کہ جب کسی کے عیب ڈھونڈ کر خوشی ہو، سمجھ لو کہ دل میں اس کے بارے میں کینہ موجود ہے۔ جو بندہ برا لگتا ہے، اس میں برائی ڈھونڈ کر خوشی ہوتی ہے، یہ کینہ رکھنے کی دلیل ہے۔ کسی کی خامی ہماری خوبی نہیں بن سکتی، اگر کسی میں برائی ہے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم اچھے بن گئے ہیں۔ لیکن ہم خواہ مخواہ لوگوں کی برائیوں پر نظر رکھتے ہیں۔

برا آدمی کون؟

ایک بات اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ برا آدمی وہ نہیں جو برائی کو برائی سمجھتا ہو، اگرچہ کہ اس سے برائی ہو جاتی ہے۔ برا آدمی وہ ہوتا ہے جو برائی کو برائی ہی نہ سمجھے۔ جب کسی کی یہ کیفیت ہو کہ برائی کو برا ہی نہیں سمجھتا، اب وہ برا آدمی ہے۔ جب تک وہ برائی کو برائی سمجھتا ہے وہ اچھا انسان ہے۔ برائی کر بیٹھنا تو کوئی اتنی بڑی بات نہیں انسان ہے، بشر ہے۔ بشر میں ''شر'' تو ہے ہی سہی۔ ''ب'' کو اسکا فا کلمہ سمجھ لیں تو شر تو موجود ہی ہے۔ اچھے انسان سے بھی غلطی ہو سکتی ہے اور برا انسان بھی اچھے عمل کر بیٹھتا ہے۔ غلطی کر بیٹھنا اتنا برا نہیں نبی ﷺ نے فرما دیا:

كل بني آدم خطائون خير الخطائون التوابين

[سارے بنی آدم خطا کار ہیں لیکن بہترین خطا کار توبہ کرنے والے ہیں]

ہے کوئی مائی کالال جو سر اٹھا کر کہے کہ میں نے کوئی خطا نہیں کی، کسی کی مجال نہیں کہ دم مارے۔ ہماری آنکھیں جھکی ہیں، ہمارے سر نیچے ہیں، ہم خطا کار ہیں۔ تو جب محبوب نے اپنی سچی زبان سے فرمادیا كل بني آدم خطائون تو معلوم ہوا کہ کسی کو خطا کا طعنہ دینا برا ہے، سارے ہی خطا کار ہیں۔ کس سے خطا نہیں ہوتی؟ تو برائی کا طعنہ نہیں دینا چاہئے۔

ہاں خير الخطائون التوابين بہترین خطا کار وہ ہے جو توبہ کرنے والا ہے۔ تو جب آدمی برائی کو برائی سمجھ رہا ہے تو توبہ کا دروازہ کھلا ہے، کسی وقت بھی توبہ کر سکتا ہے، اس لئے وہ برا نہیں ہے۔ جب اس نے برائی کو برائی سمجھنا بند کر دیا، اب توبہ کا دروازہ بھی اس پر بند ہو گیا، اب کہیں گے کہ یہ برا بندہ ہے۔

دوسری نشانی: مصیبت میں دیکھ کر خوش ہونا

دوسری نشانی اس بندے پر کوئی آفت اور مصیبت آجائے تو دل کو خوشی محسوس ہوتی ہے۔ یہ کینے کی علامت ہے، مصیبت تو کسی پر بھی آسکتی ہے۔ میرے بھائی آزمائش کسی پر بھی آسکتی ہے۔

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ۝

[کیا یہ لوگ خدا کی تدبیر کا ڈر نہیں رکھتے سن لو کہ اللہ کے داؤ سے وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں، جو خسارہ پانے والے ہیں]

اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے کون امن میں آسکتا ہے۔ یہ جو خفیہ تدبیر ہے نا پروردگار کی کہ کسی کو آزمائش میں لٹکا دے یہ کسی پر بھی آسکتی ہے۔ یہ ہر ایک کے اوپر تلوار لٹک رہی ہے، جب تک ہم زندہ ہیں یہ تلوار ہمارے سر پر موجود ہے۔

عبداللہ بن مروزیؒ ایک لاکھ احادیث کے حافظ تھے، قرآن مجید کے حافظ۔ ذرا اپنے پر خود پسندی کی نظر پڑی، اللہ نے جبہ عمامے کے باوجود سوروں کے چرانے پر لگادیا۔ آزمائش کسی پر بھی آسکتی ہے۔

برا وقت کسی پر بھی آسکتا ہے، کسی کے برے وقت کو دیکھ کر خوشی نہ منائے ایسا نہ ہو کہ یہ خود مصیبت میں پھنس جائے۔ ویسے ایک دستور ہے، سنیے اور دل کے کانوں سے سنیے۔ اگر کوئی آدمی کوئی گناہ کر بیٹھے اور پھر دل سے سچی توبہ کرلے، اس کے باوجود اگر کوئی اس کو اس گناہ کا طعنہ دے گا اللہ تعالیٰ طعنہ دینے والے کو اس وقت تک موت نہیں دیں گے جب تک وہ خود اس برائی میں ملوث نہیں ہوجائے گا۔ اس لئے ڈرنا چاہیئے، ممکن ہے کسی نے گناہ کیا ہو، سچی توبہ بھی کرلی ہو، آپ نے قبول نہیں کرنی پروردگار نے قبول کرنی ہے۔ تو اس لئے کسی کو مصیبت میں دیکھ کر خوش ہونا یہ دل میں کینہ موجود ہونے کی علامت ہوتی ہے۔

بالخصوص مومن کو کسی برے وقت میں دیکھ کر خوش ہونا، یہ بہت بڑی برائی ہے۔ اللہ کی پناہ مانگنے کی ضرورت ہوتی ہے، عبرت پکڑنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے تو حدیث پاک میں سبق دیا گیا، جب مومن کسی بیمار کو دیکھے تو اللہ کی پناہ مانگے، شکر ادا کرے کہ میرے مالک! تیرا مجھ پر کرم، تو نے مجھے اس بیماری میں مبتلا نہیں کیا۔ اسی طرح جب کسی کو فسق و فجور میں مبتلا دیکھے تو بھی اللہ سے پناہ مانگے۔

تیسری نشانی: کلمہء خیر کو روک لینا:

ایک تیسری علامت یہ ہے کہ آدمی اس سے اپنی زبان کو روک لیتا ہے، خیر کے معاملے میں اپنی زبان کو اس سے بند کرلیتا ہے۔ مثلاً اس کے سلام کا جواب دینا ہی اچھا نہیں لگتا، یا محفل میں وہ بیٹھا ہو تو اس کو سلام کرنا ہی اچھا نہیں لگتا۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

افشوا السلام بینکم [تم سلام کو عام کرو]

لیکن جب کسی کے بارے میں دل میں کینہ پیدا ہو جائے تو اس کو سلام کرنا اچھا نہیں لگتا، بوجھ ہوتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دینا اچھا نہیں لگتا۔ اس کے بارے میں کوئی تعریفی یا خیر کی بات کرنے کو دل نہیں چاہتا، تو معلوم ہوا کہ خیر کے معاملے میں زبان بند ہو جاتی ہے اور شر کے معاملے میں زبان کھل جاتی ہے۔

اسی طرح اس کی غیبت کر کے دل کو خوشی ہوتی ہے۔ کہیں اس کے بارے میں منفی بات ہو رہی ہوگی تو یہ اس کی ہاں میں ہاں ضرور ملائے گا کہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ جب کوئی اس کے بارے میں رائے پوچھے گا تو کوئی نہ کوئی الٹی بات ہی سامنے سے کرے گا۔

چوتھی نشانی: حقیر سمجھنا

چوتھی نشانی یہ کہ انسان اسے اپنے دل میں حقیر سمجھتا ہے۔ یہ بہت بڑا جرم ہے کسی کلمہ گو کو حقیر سمجھنا، اس لئے کہ وہ کتنا ہی گناہ گار کیوں نہ ہو اگر اس نے توبہ کر لی تو شریعت کا قانون ہے۔

فَأُولٰئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ (الفرقان:۷۰)

[ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں میں بدل دے گا]

تو معلوم ہوا کہ جب وہ سچی توبہ کر لے گا اس کے سارے گناہ اس کی نیکیوں میں بدل جائیں گے، تو وہ اس بندے سے زیادہ نیک کہلائے گا۔

ایک گناہگار اور نیکوکار کا انجام:

بنی اسرائیل میں ایک گناہ گار تھا، ایک نیکوکار تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گزر بدکار سے ہوا، پوچھا کہ کیا حال ہے؟ کہنے لگا کہ بہت برا ہوں، عمر برائی میں گزر گئی، آخری

وقت ہے، اللہ کی رحمت کی امید دل میں لے کر جا رہا ہوں، پلے تو میرے کچھ نہیں۔ اور آگے گئے نیک سے ملاقات ہوئی، پوچھا کیا حال ہے؟ کہنے لگا: بس آخری وقت ہے، زندگی نیکی میں گزری ہے، بڑا اللہ کا مجھ پر کرم رہا ہے۔ انہوں نے پوچھا: بھئی کوئی آخری تمنا، کہنے لگا: بس آخری تمنا یہ ہے کہ جیسے وہ فلاں ہے، اللہ تعالیٰ میرا انجام اس کے ساتھ نہ کرے، بس میں ڈرتا ہوں، وہ بڑا ہی خطا کار ہے، اللہ مجھے آخرت میں اس کے ساتھ اکٹھا نہ کرے۔ جیسے ہی اس نے یہ بات کی، اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اسی وقت وحی نازل ہوئی، اچھا یہ اس کو کم نظر سے دیکھ کر کہتا ہے کہ اللہ مجھے آخرت میں اس کے ساتھ اکٹھا ہی نہ کرے۔ اس کو بتا دیجئے وہ بندہ میری رحمت پر نظر رکھ کر آرہا ہے اس وجہ سے میں نے اسکو جنت عطا کی اور چونکہ اس نے یہ کہا میں اس کے ساتھ اکٹھا نہیں ہونا چاہتا، میں نے اس کو جنت سے محروم کر کے جہنم میں بھیج دیا۔ یہ خود جو کہتا ہے کہ میں اسکے ساتھ اکٹھا نہیں ہونا چاہتا، وہ تو جنت میں گیا یہ جائے جہنم میں۔ اس لئے کسی کو کم نظر سے نہ دیکھیں کیا پتہ اس کا کون سا عمل اللہ کے ہاں قبول ہو جائے۔

پانچویں نشانی: راز افشا کرنا

پانچویں نشانی یہ کہ انسان اس کے راز افشا کرتا ہے، اس کے ساتھ جھوٹ بولتا ہے۔ اگر اسکا کوئی راز ہو تو شریعت کا اصول تو یہ ہے کہ المجالس بالامانۃ، مجلس کی بات امانت ہوتی ہے، لیکن جب دل میں کینہ آجاتا ہے تو یہ پھر اس کے راز کھولتا ہے۔ کسی کے راز کھولنے کو دل کرے، سمجھ لو دل میں اس کے بارے میں کینہ موجود ہے۔ اور پھر بندہ راز اتنے نہیں کھولتا جتنے ہوتے ہیں ان کو Zoom (بڑھا) کر کے کھولتا ہے، کچھ جھوٹ بھی ساتھ لگا لیتا ہے، اس کی بات کا بتنگڑ بنا کر پیش کرتا ہے۔

چھٹی نشانی: مذاق اڑانا

چھٹی اس کی نشانی کہ جب دل میں کسی کے بارے میں کینہ ہوتو اس کا مذاق اُڑا کر خوشی ہوتی ہے، ڈانٹ کر کے دل کو خوشی ہوتی ہے۔ یہ انسان کبھی زبان سے مذاقکرتا ہے اور کبھی اشاروں سے کرتا ہے، منہ کے تاثرات سے اس کا مذاق اڑاتا ہے۔ یہ نشانی ہے کہ دل میں اسکے بارے میں کینہ موجود ہے۔

ساتویں نشانی: ایذاء پہنچانا

اور ایک نشانی اس کی یہ ہے کہ انسان کو موقع ملے تو یہ اس کو ایذاء پہنچانے سے گریز نہیں کرتا، ستانے کا موقع ملے ضرور ستاتا ہے۔ جب موقع ملے اس کو ایذاء پہنچاتا ہے، دل کی بھڑاس نکالتا ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب بات کہی، فرماتے تھے کہ بہادر کی پہچان میدان جنگ میں ہوتی ہے، دوست کی پہچان مشکل وقت میں ہوتی ہے، اور عقل مند کی پہچان غصہ کی حالت میں ہوتی ہے۔ اگر اس کو غصہ بھی آجائے تو وہ غصہ کی حالت میں بھی اپنے آپ کو قابو میں رکھتا ہے، حق بات کہتا ہے، غصہ میں آکر وہ حق کے راستے سے ہٹتا نہیں ہے۔

یہ غصہ کا مضمون کتنا اچھا ہے۔ ہمارے بھائی سلیم صاحب آج کہنے لگے کہ رات آپ کا بیان بڑا لمبا ہو گیا مگر شکر ہے کہ مضمون غصہ کا تھا کسی کو غصہ ہی نہیں آیا۔

آٹھویں نشانی: عیب گوئی کرنا

آخری اس کی پہچان کہ جب کسی بارے میں کینہ ہوتا ہے تو انسان اس کے بارے میں عیب جوئی اور عیب گوئی میں لگا رہتا ہے۔ اس لئے شریعت نے عیب جوئی اور عیب گوئی کو بڑا کبیرہ گناہ بتایا، یہ دو علیحدہ گناہ ہیں کسی میں عیب ڈھونڈنا ایک گناہ ہے۔ جیسے کچھ لوگ ہوتے ہیں نا انہوں نے خورد بین فٹ کی ہوئی ہوتی ہے، ہر ایک

کے اندر برائی ڈھونڈ رہے ہوتے ہیں۔اور کچھ لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ ان کو کسی کی کوئی بات پتہ چلے تو اس کو Top of town (پورے شہر کی خبر) بنا دیتے ہیں۔ فونوں پر، اِدھر اُدھر، جہاں بیٹھے اسی کا تذکرہ۔تو عیب جوئی علیحدہ گناہ اور عیب گوئی علیحدہ گناہ اور کچھ لوگوں میں دونوں گناہ ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لئے جہنم کی ایک وادی بنائی اس کو ''ویل'' کہتے ہیں۔ویل لکل همزة لمزة ان کو کیا عذاب ہوگا؟ آگ کے ستون ہوں گے ان کے ساتھ ان کو باندھا جائے گا۔

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُo الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَةِ o (ھمزہ:۶۔۷)

[وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں تک پہنچتی ہے]

اس آگ کے انگاروں میں اللہ تعالیٰ نے Artificial intelegence (مصنوعی سمجھ) رکھی ہوگی، وہ انگارے اٹھیں گے اور سیدھے اس بندے کے دل کو ٹارگٹ کریں گے۔جیسے دنیا میں لیزر گائیڈڈ راکٹ ہوتا ہے نا ٹھیک نشانہ پر جا کر فٹ ہوتا ہے۔ان انگاروں میں اللہ نے یہ خاصیت رکھی ہوگی۔

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُo الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَةِ o

اس کے دل پر آ کر انگارے پڑیں گے، کیوں؟ یہ دنیا میں لوگوں کے دل جلاتا تھا، اب اللہ تعالیٰ جہنم میں اس کے دل کو جلائیں گے۔اتنا برا عذاب ہوگا۔

دل سے غل کو دور کریں:

تو اگر ہم نیت کریں گے کہ ہم نے اپنے دل سے غل کو دور کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرما دیں گے، نیت پر منحصر ہے۔میرے دوستو! کچھ لوگ طہارت خانے سے پاک ہو کر باہر آتے ہیں اور کچھ لوگ بیت اللہ میں جا کر بھی ناپاک رہتے ہیں، یہ تو اپنے پر منحصر ہے کہ نیت کیا ہے۔یہ جو ہوتا ہے نا انتقام لینا کہ ہم تو اینٹ کا جواب

پتھر سے دیں گے ۔ یہ بہت بری بات ہے۔ مومن ایسا نہیں کرتا، مومن میں معافی کا پہلو غالب ہوتا ہے ۔ نبی علیہ السلام نے بہت پیاری بات ارشاد فرمائی کہ تم اپنے بھائی کے لئے وہی پسند کرو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو۔ اب بتائیں اگر ہم سے کوئی غلطی ہو جائے تو کیا ہم چاہتے ہیں کہ لوگ اس غلطی کو بھول جائیں اور ہمیں معاف کر دیں یا ہم چاہتے ہیں کہ لوگ اس کو یاد رکھیں اور اپنے دلوں میں نفرت پیدا کریں۔ تو جو ہم اپنے بارے میں چاہتے ہیں وہی ہم دوسرے کے بارے میں چاہا کریں۔ بات سمجھنی بہت آسان ہے۔

نبی علیہ السلام کی سنت:

سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ میں نے نبی علیہ السلام کو اپنے حقوق کا بدلہ لیتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔ اور آج ہماری کیا حالت ہے ہم اپنے حق کی خاطر خون کا آخری قطرہ بھی بہا دیں گے ۔ نبی ﷺ کو فقط اس وقت غصہ آتا تھا جب حرمت الٰہی والی کسی چیز کی ہتک کی جاتی تھی، جب حدود اللہ کے بارے میں کوئی کمی بیشی کی بات ہوتی تھی تو اس بات پر اللہ کے نبی ﷺ کو غصہ آتا تھا، وگرنہ اللہ کے محبوب اپنے حق کے بارے میں کبھی غصہ نہیں فرماتے تھے۔

معاف کرنے کی لذت:

معاف کرنے کی اپنی ایک لذت ہے۔ دوسرے کی کوتاہی غلطی کو معاف کرنے میں ایک مزہ ہے، یہ وہی جانتے ہیں جن کو اللہ نے یہ صفت عطا کی ہوئی ہوتی ہے۔

چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے تاریخ انسانی کی معافی کی بہترین مثال فتح مکہ کے دن قائم کی۔ تاریخِ انسانیت معافی کی اس سے بہتر اور کوئی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ مکہ کے لوگ وہ تھے کہ جنہوں نے نبی ﷺ کو ایذاء پہنچائی تھی، اتنی تکالیف پہنچائیں تھیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: موسیٰ علیہ السلام کا فرعون پھر بھی چھوٹا تھا میرا فرعون ابو جہل اس

سے بھی بڑا تھا۔اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام کا فرعون زبان سے بات کرتا تھا مگر اس نے بدنی طور پر تو ایذاء نہیں پہنچائی تھی۔اور یہ جو مکہ کا فرعون تھا، یہ تو ہاتھوں سے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچاتا تھا۔ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں تھے اونٹ کی اوجھری اٹھا کر اوپر ڈلوادی، اب کتنی دیر سجدے کی حالت میں منوں وزن کے نیچے بندہ رہے، اور 'بو' اوپر سے، یہ کتنی تکلیف تھی، بندہ ذرا اندازہ تو کر کے دیکھے، بڑی تکالیف پہنچائیں۔ان تکالیف پہنچانے والوں کے اوپر آپ فاتح بن کر جا رہے تھے۔ دنیا کا دستور کیا ہے؟ دنیا کہتی ہے اب ان سے گن گن کر بدلے لے لو، اب بدلے چکائیں گے۔چنانچہ جب فتح مکہ کے لئے جانے لگے تو سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رجزیہ شعر پڑھ دیا۔

اليوم يوم الملحمه اليوم نستحل الكعبه

آج آیا ہے لڑائی کا دن، بدلے چکانے کا دن، آج ہم ان کو دیکھ لیتے ہیں۔تو ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا۔ ابھی ایمان نہ لائے تھے کہ دیکھو جی ہمارا آپ کا معاہدہ ہے اور یہ ایسی بات کرر ہے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ سے جھنڈا لے کر ان کے بیٹے کے ہاتھ میں عطا فرما دیا اور پھر فرمایا:

اليوم يوم المرحمة اليوم نستعلم الكعبه

آج کا دن رحمت کا دن ہے، آج کے دن ہم کعبہ کی تعظیم کریں گے اور کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کریں گے۔

چنانچہ جب مسلمان بیت اللہ میں داخل ہوئے اور رات آئی تو مکہ کی عورتیں اپنے دلوں میں سو فیصد یقین رکھتی تھیں کہ آج ہماری عزتیں پامال کی جائیں گی۔ہم نے مسلمانوں کو ستایا، انکے جوان بیٹوں کو مارا، ان کی عزتوں کو پامال کیا، ان کی عورتوں کو شہید کیا، آج مسلمان بدلے چکائیں گے۔عورتیں ڈری ہوئی تھیں اپنے گھروں میں، رات نیند غائب تھی آنکھوں میں۔آدھی رات گزر گئی مگر کسی گلی میں کوئی

آہٹ نہیں آرہی تو کفار کی عورتوں نے اپنے مردوں سے کہا کہ یہ مسلمان بیٹھے کوئی پلان تو نہیں بنا رہے؟ کیوں ابھی تک ہمارے گھروں تک نہیں پہنچے۔ یہ تو بھوکے بھیڑیوں کی طرح ہم پر حملہ آور ہو جاتے، کیا وجہ ہے ذرا دیکھ کر تو آؤ۔ اس وقت کافر مرد اپنے گھروں سے نکلے تو انہیں مکہ کی گلیوں میں کوئی مسلمان نظر نہیں آیا۔ حیران تھے کہ ان کو زمین کھا گئی یا آسمان پر چلے گئے۔ لیکن جب وہ بیت اللہ میں آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سارے کے سارے مسلمان کوئی بیت اللہ کے طواف میں مشغول ہے، کوئی حجر اسود کو بوسے دے رہا ہے، کوئی غلاف کعبہ کو پکڑ کر دعائیں مانگ رہا ہے اور وہاں تو دیوانوں کی دنیا ہی کچھ اور تھی۔ حیران ہوئے کہ یہ ہم سے بدلہ نہیں لیں گے۔

چنانچہ اگلا دن ہوا تو مردوں کا خیال تھا کہ شاید رات کو معافی دے دی گئی دن میں بدلہ لیا جائے گا۔ مگر دن میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے عثمان شیبانی کو بلایا، ان کے پاس بیت اللہ کی چابی تھی، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ چابی مجھے دو۔ چابی مل گئی نبی علیہ السلام تالا کھول کر دروازہ میں داخل ہوئے، اندر جا کر نوافل ادا کیے، دعا مانگی، جب واپس آئے تو نبی اکرم ﷺ نے بیت اللہ کا دروازہ بند کیا۔ اب اس موقع پر قریش مکہ میں جو لوگ مسلمانوں سے تعلق رکھنے والے تھے، بڑے بڑے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قریب قریب تھے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک کے دل میں تمنا تھی کہ بیت اللہ کا کنجی بردار ہمیں بنا دیا جائے، یہ کنجی رکھنے والی سعادت ہمیں عطا کر دی جائے۔ چنانچہ سب اکابر صحابہ قریب ہیں اور اس انتظار میں ہیں کہ کس کے بخت جاگتے ہیں، کس کے نصیب کھلتے ہیں اور اس کے ہاتھ میں بیت اللہ کی چابی دے کر اسے بیت اللہ کا چابی بردار بنایا جاتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ جب باہر نکلے، آپ نے تالا لگایا، آپ نے عثمان کو پھر بلایا اور فرمایا کہ یاد کرو اس وقت کو جب میں ہجرت کے لئے مکہ چھوڑ کر مدینہ جانا چاہتا تھا، اس وقت میرے دل کی تمنا تھی کہ میں بیت اللہ میں دو رکعت نفل پڑھ جاؤں، عثمان! میں نے تمہیں اسی جگہ بلایا تھا اور کہا تھا کہ مجھے چابی

دے دو، میں بیت اللہ میں نفل پڑھنا چاہتا ہوں، تم نے انکار کیا تھا اور میں نے تمہیں کہا تھا کہ عثمان آج جہاں تم کھڑے ہو، ایک وقت آئے گا وہاں میں کھڑا ہوں گا اور جہاں میں کھڑا ہوں وہاں تم کھڑے ہو گے اور تم نے ناک بھوں چڑھایا تھا اور کہا تھا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں صبر کر کے چلا گیا۔ عثمان! میرے مالک نے میری بات کو سچا کر دکھایا، آج چابی میرے ہاتھ میں ہے، تم خالی ہاتھ میرے سامنے کھڑے ہو مگر عثمان میں تمہارے ساتھ وہ نہیں کروں گا جو تم نے میرے ساتھ کیا تھا، میں چابی تمہارے ہاتھ میں واپس دیتا ہوں، یہ قیامت تک تمہارے خاندان میں رہے گی اور تم سے وہی لے گا جو کوئی ظالم ہوگا۔ دنیا حیران رہ گئی معاف کرنے کی ایسی عجیب مثال قائم کر دکھائی۔ دنیا کو عہدے ملتے ہیں، حکومت ملتی ہے، وہ اپنے قریب والوں کو نوازنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ کے محبوب بھی یہ چابی کسی صحابی کو دے سکتے تھے مگر نہیں، معافی اسے نہیں کہتے۔ معافی اسے کہتے ہیں کہ برائی کے جواب میں اس کے ساتھ اچھائی کا سلوک کیا جائے۔ تو اللہ کے محبوب نے معاف کر دینے کی بہترین مثال قائم کی۔

چنانچہ آپ نے قریش مکہ کو بلا کر پوچھا: آج کے دن تم مجھ سے کیا توقع کرتے ہو؟ قریش مکہ نے کہا اخی کریم! نبی کریم! ہم کیا بات کریں، بس آج ہماری زبان سے یہی الفاظ نکلتے ہیں کہ آپ بھائی بھی ہیں تو بڑے کریم ہیں اور اگر نبی بھی ہیں تو بڑے کریم۔ آپ نے فرمایا: اچھا جب تم نے یہ بات مان لی میں وہی کروں گا جو کریم کرتے ہیں۔ میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو معاف کر کے کہہ دیا تھا **لاتثریب علیکم الیوم** آج میں بھی تمہیں کہہ دیتا ہوں

لاتثریب علیکم الیوم اذھبوا انتم الطلقاء

جاؤ سب کو میں نے معاف کر دیا۔ تاریخ انسانیت نے ایسی عظیم معافی کی مثال شاید کبھی نہیں دیکھی ہوگی۔ تو نبی ﷺ کا تو خلق ایسا تھا۔ جانی دشمنوں کو معاف

فرمادیا اور ہم معمولی معمولی باتوں کو معاف نہیں کر سکتے اور نبی ﷺ کی محبت کے دعوے کرتے پھرتے ہیں۔

معاف کرنے کا خلق:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تک بدلہ لینے کا موقع نہ ملے تب تک صبر کرو برداشت کرو اور جب بدلہ لینے کا موقع ملے تو پھر تم عفو درگزر سے کام لو اور معاف کردو۔ یاد رکھئے کہ ہمیں معاف کردینے والا خلق اپنے اندر پیدا کرنا چاہئے۔ حدیث پاک میں آیا جو انسان جتنی جلدی دوسرے کی کوتاہیوں کو معاف کردے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی کوتاہیوں کو اتنا ہی جلدی معاف فرمادیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نرمی کو پسند فرماتے ہیں، معافی کو پسند فرماتے ہیں۔ ہم تو چھوٹی سی کسی کی کوئی بات دیکھ لیں، بس وہ ہمارے تو دماغوں سے اترتی نہیں۔ ہم تو سمجھتے ہیں یہ ہمیشہ کے لئے مردود بن گیا۔ شکر ہے اللہ تعالیٰ نے معافی کا معاملہ اپنے ہاتھ میں رکھا ہے، بندوں کے ہاتھ میں دے دیتا تو پتہ نہیں کیا بن جاتا۔

اللہ تعالیٰ کو نرمی پسند ہے:

نبی علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نرم ہے نرمی کو دوست رکھتا ہے، جو شخص نرمی سے محروم رہا وہ شخص ہر نیکی سے محروم رہا۔ تو اللہ کو نرم طبیعت کے لوگ زیادہ پسندیدہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا حوصلہ دیکھنا ہے کتنا بڑا؟ کیوں جی! ویسے تو ایک کتاب بھی ہے۔ ’’کتنے بڑے ہیں حوصلے پروردگار کے‘‘ لیکن اگر آپ نے قرآن پاک میں دیکھنا ہو کہ اللہ تعالیٰ کا حوصلہ کتنا بڑا ہے تو پتہ چلتا ہے۔ فرعون اللہ کا دشمن ہے، خدائی کا دعویٰ کرتا ہے، اپنے آپ کو خدا کہلواتا ہے۔ چھوٹا بھی نہیں بڑا خدا کہتا ہے انا ربکم الاعلی۔ اب جس نے خدائی کا دعوی کیا وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہی ہے، پھر وقت کے نبی کا پکا دشمن ہے۔ تو اتنا بڑا دشمن مگر اس دشمن کی طرف اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو بھیج رہے ہیں تو

فرماتے ہیں:

﴿ اِذْهَبَا اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴾

تثنیہ کا صیغہ تم دونوں جاؤ فرعون کی طرف باغی بنا پھرتا ہے، مگر ساتھ ہی کیا کہا:

﴿ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴾

تم دونوں جاؤ مگر اس سے تم نرم بات کرنا، ممکن ہے اس کو نصیحت ہو جائے، یا وہ ڈر جائے۔ اب دیکھیے، اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کو بھیج رہے ہیں فرعون کے پاس اور نرم گفتگو کا حکم فرما رہے ہیں۔ اے دوست! آپ اگر کسی کو نصیحت کرتے ہیں غصے کے ساتھ تو جس نے گناہ کیا، وہ فرعون سے زیادہ برا نہیں ہوتا، اور آپ کا درجہ موسی علیہ السلام سے زیادہ اونچا نہیں ہوتا، آپ کیوں غصہ کر رہے ہوتے ہیں۔ اس گناہ کرنے والے کا معاملہ فرعون سے بڑا نہیں ہوتا اور نصیحت کرنے والا حضرت موسی علیہ السلام سے اونچا نہیں ہوتا۔ ہمیں کہاں یہ بات زیب دیتی ہے کہ ہم کسی کو نصیحت کرتے ہوئے غصے کا اظہار کریں ہم بھی نرم بات کریں۔

ہماری نصیحت:

ہماری پتہ کیا عادت ہے؟ بیٹے کو نماز کے لیے اٹھانا ہے تو پہلے تو آرڈر جاری کریں گے، اٹھو نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ اب جوانی کی عمر میں نیند گہری ہوتی ہے، فورا نہیں اٹھتا۔ جب دیکھا کہ ابھی نہیں اٹھا، پھر اسے جلی کٹی سنانا شروع کر دیتے ہیں۔ مردار پڑا ہوا ہے، اسے ہوش نہیں آتی، حرام کھاتا رہتا ہے، بیل بنتا جا رہا ہے، اٹھایا ہے سنتا ہی نہیں۔ بس یہ ہماری نصیحت ہے، دیکھو! کتنے پیارے انداز سے ہم اسے نرم نرم نصیحت کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت موسی علیہ السلام کو بھیج رہے ہیں فرعون کے پاس اور نرم گفتگو کا حکم فرماتے ہیں، ہم اپنے بیٹے سے بات کر رہے ہوتے ہیں اور دیکھو کیسی جلی کٹی سنا رہے ہوتے ہیں۔

اصحابِ کہف کی نصیحت:

تو اللہ تعالیٰ نرمی کو پسند فرماتے ہیں، اللہ والوں کے اندر یہ خلق موجود ہوتا ہے۔ قرآن میں کچھ اللہ والوں کا تذکرہ ہے جن کو اصحابِ کہف کہا گیا، غار والے، اللہ والے تھے:

﴿ اِنَّھُمْ فِتْیَۃٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّھِمْ وَ زِدْنٰھُمْ ھُدًی ﴾

نوجوانوں کی جماعت تھی، اللہ تعالیٰ نے سینوں کو ہدایت سے بھر دیا تھا، اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندے تھے۔ اب ان کا خلق قرآن مجید نے بتایا کہ جب کئی سو سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی قدرت سے جگا دیا اور انہوں نے ایک بندے کو بھیجنا تھا کہ جاؤ کھانا لے کر آؤ تو اس کو ان کے امیر نے ایک نصیحت کی، کہنے لگا، جاؤ ایک تو

﴿ فَلْیَنْظُرْ اَیُّھَا اَزْکٰی طَعَامًا ﴾

یہ دیکھنا کہ کون سا کھانا پاکیزہ ہے۔ یہ اولیاء کی صفت ہوتی ہے، وہ کھانے میں دیکھتے ہیں کہ حلال ہے یا حرام، پاکیزہ ہے یا نہیں۔ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرید کے پاس پہنچے، کہنے لگا، حضرت میں نے زم زم میں آٹا گوندھ کر روٹی بنائی ہے۔ فرمایا کہ یہ مت بتاؤ، یہ بتاؤ کہ پیسہ حلال طریقے سے آیا تھا یا نہیں، تمہارے زم زم کے گوندھنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ تو پہلی نصیحت کی اصحاب کہف نے کہ یہ دیکھنا کہ کون سا کھانا پاکیزہ ہے یہ اولیاء کی صفت ہے۔

اور دوسری بات کیا فرمائی؟

وَلْیَتَلَطَّفْ

یہ وہ لفظ ہے جو پورے قرآن پاک کا درمیانی لفظ بنتا ہے۔ اس لئے قرآن مجید میں بسا اوقات موٹا لکھا ہوتا ہے۔ مرکزی خیال قرآن مجید کا کیا؟ **وَلْیَتَلَطَّفْ** تم ان سے نرم گفتگو کرنا، پیار کی بات کرنا، تو پورے قرآن کا اگر کوئی نچوڑ پوچھے تو کیا نکلے گا؟

تم پیار کی بات کرنا، نرم بات کرنا، محبت بھری بات کرنا۔

زبان میں ہڈی نہیں:

اور ہم تو محبت بھری بات بیوی سے نہیں کر پاتے ۔ جھگڑے گھروں کے کیوں ہوتے ہیں، بیچاری بیویاں ترستی ہیں کوئی ایک اچھا لفظ ہی سنا جاتا۔ تو مومن کی یہ صفت ہوتی ہے، اچھے الفاظ بولتا ہے، پیار کی بات کرتا ہے، اس کے منہ سے پھول جھڑتے ہیں، اس کی بات سے دل جڑتے ہیں، محبتوں کے بیج بوتا ہے، وہ نفرتوں کے بیج نہیں بوتا۔ دیکھیں اللہ تعالیٰ نے جسم کے مختلف اعضاء میں ہڈیاں بنائیں لیکن زبان میں ہڈی کوئی نہیں بنائی، یا ہے کسی کی زبان میں ہڈی؟ تو اللہ تعالیٰ نے زبان میں ہڈی کیوں نہیں بنائی؟ بندے کو پیغام دیا، میرے بندے! تمہارے بولنے والے عضو میں میں ہڈی جیسی سخت چیز کو پسند نہیں کرتا اس لئے تم اس زبان سے ایسی گفتگو کرنا جو نرمی کی گفتگو ہو، سختی کی گفتگو نہ ہو۔

ریشم کی طرح نرم:

تو اللہ تعالیٰ نرم گفتگو کو پسند فرماتے ہیں، یہی حدیث پاک میں بتایا گیا کہ جو شخص نرمی سے محروم رہا، وہ ہر نیکی سے محروم رہا، ہاں نرمی کا ایک اپنا سرکل ہے۔ یہ نہیں ہے کہ یہ نرمی ہر جگہ ہوگی، چاہے ایمان کا جنازہ نکل جائے، ناں ناں! بات ہو رہی ہے حدودِ شریعت کے اندر رہتے ہوئے۔

ے ہو حلقہ یاراں تو ریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن

تو سختی کے بھی اپنے مواقع ہیں، نرمی کے اپنے مواقع ہیں۔ ہم جو بات کر رہے ہیں دوستوں کی محفلوں کی، ہم مومنوں کے درمیان کی باتیں کر رہے ہیں۔ جہاں ریشم کی طرح نرم ہونا چاہئے اور وہاں ہم آگ کی طرح گرم ہوتے ہیں۔

سب سے برا بندہ:

چنانچہ ایک حدیث پاک ہے بڑی عجیب ہے نبی ﷺ نے چار برے بندوں کی بات بتائی۔ ایک برا، دوسرا اس سے بھی برا، تیسرا اس سے بھی برا، اور چوتھا اس سے بھی برا۔ یعنی چاروں برے مگر ہر اگلا پہلے سے بڑھ کر برا۔ یہ تو بڑی عجیب حدیث ہے توجہ سے سننے کے قابل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا میں تمہیں برے لوگوں سے آگاہ نہ کردوں۔ صحابہ نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ فرمادیجیے، تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ برا بندہ وہ ہے جو اکیلا کھائے اپنے غلام کو، ماتحت کو کوڑے سے مارے اور بخشش کو روکے، یہ تین باتیں بتائیں۔ پہلی بات کہ اکیلا کھائے یعنی اپنے کھانے کی تو فکر ہو دوسرے اہل خانہ کی، بچوں کی کوئی پرواہ نہ کرے، یہ بندہ کی برائیوں میں سے ایک بری برائی ہے۔ اور دوسری بات کہ اپنے ماتحتوں پر بہت زیادہ سخت گیر ہو، انہیں مارتا ہو۔

اور تیسری بات کہ دوسروں کو عطا کرنے کی بجائے بخشش کو روک لے، پیسے کے خرچ کرنے کے معاملے میں کنجوس مکھی چوس ہو۔ کنجوس کو مکھی چوس کیوں کہتے ہیں؟ کہ اس کے سالن میں مکھی گر گئی تھی اس نے نکالی تو چوس کر پھینکی۔ نبی اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق یہ کنجوس بھی برا بندہ ہے، یہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چپ ہو گئے۔

پھر نبی علیہ السلام نے دوسری بار فرمایا کہ میں تمہیں اس سے بھی بدتر انسان بتاؤں؟ صحابہ نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! بتا دیں، فرمایا: جو لوگوں سے بغض رکھے اور لوگ اس سے بغض رکھیں۔ تو یہ اس سے بھی برا ہے۔ اور ہم اپنے آپ کو دیکھیں تو ہمارے دلوں میں کسی نہ کسی کے بارے میں بغض ہوگا، رنجش اور کینہ موجود ہوگا۔ یہ کینے دلوں سے نکال دیں ایسا نہ ہو کہ ہم برے بندوں کی فہرست میں شامل کیے جائیں۔ صحابہ کرام یہ سننے کے بعد خاموش ہو گئے۔

نبی ﷺ نے اس کے بعد تیسری مرتبہ فرمایا کیا میں تمہیں اس سے بھی بدتر انسان بتاؤں؟ صحابہ نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! بتا دیجئے۔ فرمایا: وہ انسان اس سے بھی بدتر ہے جس سے نہ تو نیکی کی امید ہو اور نہ اس کے شر سے امن ہو۔ یہ اس سے بھی زیادہ برا ہے۔ اب یہ سن کر تو صحابہ کرام سہم ہی گئے۔

پھر نبی ﷺ نے چوتھی مرتبہ فرمایا، کیا میں تمہیں اس سے بھی بدترین انسان کے بارے میں بتاؤں؟ صحابہ کرام نے کہا، اے اللہ کے نبی ﷺ! بتا دیجئے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: اس سے بھی بدترین انسان وہ ہے جو کسی کی لغزش سے درگزر نہ کرے اور کسی کی معذرت کو قبول نہ کرے، ان چاروں بروں میں سب سے زیادہ برا ہے، تو معلوم ہوا کہ جب کوئی آدمی معافی مانگے جلدی معاف کر دینا چاہئے۔ جب اللہ تعالیٰ جلدی معاف فرما دیتے ہیں تو ہم کیوں نہ جلدی معاف کریں۔ اس حدیث پاک کے مضمون کو اپنے ذہن میں جما لیجئے۔ تو پھر دوسروں کی غلطیوں کو جلدی معاف کرنے کا انسان عادی بن جاتا ہے۔

صبر کا انعام:

ایک حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی۔ اے میرے پیارے پیغمبر! کیا آپ چاہتے ہیں کہ جن چیزوں پر چاند اور سورج طلوع ہوتا ہے وہ سب آپ کے لئے دعا کریں۔ کہ جن چیزوں پر چاند اور سورج طلوع ہوتا ہے یعنی کائنات کی ساری چیزیں، زمین اور آسمان کے درمیان ہر چیز، یہ آپ کے لئے دعا کیا کریں۔ عرض کیا اللہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اللہ رب العزت نے فرمایا: اے میرے پیارے پیغمبر! جو مخلوق کی ایذا پر صبر کرتا ہے، چاند اور سورج جن چیزوں پہ طلوع ہوتے ہیں، سب اس کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ تو اس لئے دوسرے کی تکلیف پر انسان صبر کر لے، معاف کر دے، اپنے دل میں اس کے بارے میں کینہ نہ رکھے۔ انتقام کی خواہش دل میں رکھنا ہی تو کینہ ہے۔

اپنے بھائیوں کو معاف کر دینا چاہیے:

اور بھائیوں کو تو جلدی معاف کر دینا چاہئے، آجکل تو سب سے پہلے بھائیوں سے ہی پھڈا ہوتا ہے۔ دیکھیں بھائی بالآخر بھائی ہوتے ہیں، افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج ہمارے مسلمان معاشرے میں بھائیوں میں جو محبت ہونی چاہئے وہ نہیں ہوتی۔ یہ وہ رشتے ہیں جن کو جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا۔ تو ان کو جوڑنے کا آسان طریقہ ہے کہ بھائی بھائی بن کر رہیں کہ لوگوں کو ایک دوسرے کے دوست نظر آئیں۔ اور آج تو بھائی بھائی سے بات کرنا پسند نہیں کرتا، ایک دوسرے کے گھر کی پکی ہوئی چیزوں کو کھانا پسند نہیں کرتے، بیویاں سبق پڑھاتی ہیں کہ اس نے کچھ پڑھا نہ دیا ہو، کچھ ملا نہ دیا ہو۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا۔ جب یہ نبوت کا بوجھ پڑا تو اس بوجھ میں ہاتھ بٹانے کے لئے ان کی نظر سب سے پہلے اپنے بھائی پر گئی۔

﴿ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ هٰرُوْنَ اَخِیْ ﴾

(اے اللہ! میرے بھائی ہارون کو آپ میرا وزیر بنا دیجئے)

یہی قیامت کے دن ہوگا، جب بندے پہ مصیبت پڑے گی تو کہا گیا ﴿یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ ﴾ (آدمی اپنے بھائی سے بھاگتا ہوگا) ماں باپ سے پہلے بھائی کا نام آیا، بھائی کا رشتہ پہلے بتایا گیا۔ تو دینی بھائی ہو یا خونی بھائی ہو، اس بھائی کے قصور کو جلدی معاف کر دینا چاہئے۔

یہاں ایک علمی نکتہ علماء کے لئے، طلباء کے لئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام جب قید سے نکلے تو انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا، لیکن جب کنویں کی جیل سے نکلے تو پھر شکر ادا کرنے کا تذکرہ کہیں نہیں۔ مفسرین نے نکتہ لکھا کہ اگر وہ اس وقت شکر کے کلمات کہتے تو دوسرے لفظوں میں اپنے بھائیوں کا شکوہ کر رہے ہوتے، انہوں نے بھائیوں کی

غلطی پر پردہ ڈال دیا اور شکریہ کے الفاظ کو واضح نہیں فرمایا۔ لہٰذا بھائیوں کی غلطیوں پر پردہ ڈال دینا چاہیے۔

معذرت قبول نہ کرنے کا وبال:

حدیث پاک سنئے، بہت ہی عجیب ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کے پاس کوئی معذرت کرے گا حق پر ہو یا باطل پر (جھوٹا الزام لگے یا سچا الزام لگے، اس نے گناہ کیا ہو یا نہ کیا ہو) اور پھر دوسرا اس کی معذرت قبول نہ کرے تو اس بندے کو حوض کوثر پہ آنا نصیب نہ ہوگا۔ تو اپنے دلوں کو مومنوں کے لئے نرم کر لیجئے۔ ایمان والوں کو اللہ کے لئے معاف کر دیا کریں۔

نبی اکرم ﷺ کو اللہ نے نرم دل بنایا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی صفت بیان کرتے ہیں۔ اے محبوب!

وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَنْ فَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران:۱۵۹)

فَظًّا کا مطلب مفسرین نے لکھا "بد خلق" اور غلیظ القلب کا مطلب لکھا "جس دل کے اندر رحمت و شفقت نہ ہو"۔ تو نبی علیہ الصلوۃ والسلام خوش خلق بھی تھے اور آپکے دل کے اندر رحمت و شفقت بھی تھی۔ اگر آپ بد خلق ہوتے، دل کے سخت ہوتے تو یہ سب آپ کے گرد سے بھاگ جاتے۔ یہ جو آپ کے عاشق صادق جڑے ہوئے تھے اس کی بنیادی وجہ کیا کہ آپ خوش خلق تھے اور آپ کے دل کے اندر رحمت و شفقت بھری ہوئی تھی۔

نبی اکرم ﷺ کا حضرت عائشہؓ سے رویہ:

جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی گئی اور منافقین نے اس بات کو اچھالا تو ان حالات میں بھی حضور نبی علیہ السلام کا کیا رویہ تھا؟ امی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اللہ کے محبوب ﷺ آئے اور نہایت پیار سے مجھے یہ بات فرمائی

''عائشہ! اللہ رب العزت گناہوں کو معاف کرنے والے ہیں، اگر تجھ سے کوئی خطا ہوئی ہے تو معافی مانگ لے تاکہ اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرما دیں''۔ ذرا توجہ فرمایئے! کہ جس شخص کے اہلِ خانہ پر اتنا بڑا بہتان لگے، وہ کیا اتنے پیار سے نصیحت کرتا ہے۔ ہم ہوتے تو ہم پتہ نہیں کیسے تفتیش کرتے؟ پتہ نہیں کیا کیا کرتے؟ بلکہ اس سے پہلے فیصلے ہی دے دیتے۔ اللہ کے محبوب ﷺ آ کر پاس بیٹھ جاتے ہیں اور بڑی محبت سے فرماتے ہیں: اے عائشہ! اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرمانے والا ہے اگر تجھ سے کوئی خطا ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لے وہ گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، یہ سن کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے، میں نے دل میں سوچا کہ اتنے لوگوں نے باتیں کر دی ہیں، اب میں نے صفائی میں کوئی بات کی بھی سہی تو پتہ نہیں قبول ہو گی یا نہیں ہو گی، میں نے کہا: ﴿انما اشکوبثی وحزنی الی اللہ﴾ میں وہی کہتی ہوں جو یعقوب علیہ السلام نے کہا تھا، میں اپنا دکھ اپنا غم اپنے رب کے سامنے بیان کرتی ہوں۔ جیسے ہی یہ الفاظ کہے، اس کریم پروردگار کی طرف سے اسی وقت وحی کا پیغام آ گیا، اللہ تعالیٰ کیطرف سے برأت کا پیغام آ گیا۔

سبحان اللہ حیران ہوتے ہیں نبی علیہ السلام نے اس صورتحال میں بھی ان کو پیار سے بات سمجھائی۔ کوئی ڈانٹ نہیں پلائی، کوئی غصہ نہیں کیا، کوئی دھمکی نہیں دی۔ کاش! اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کا یہ خلق ہمیں بھی نصیب فرمائے کہ اگر ہمارے کسی قریبی سے کوئی غلطی ہو جائے، ہم بھی کھلے دل کے ساتھ اسے معاف کر دیں۔ ہم تو ان کو معاف کرنے کی بجائے ان کی نفرتیں دل میں بٹھا لیتے ہیں اسکو سینے کا کینہ بنا لیتے ہیں۔

اہلِ جنت کی نشانی:

ذرا توجہ فرمائیں ہمارے مشائخ نے فرمایا سینے کو کینے سے خالی کر لینا اہل جنت

کی نشانی ہوتی ہے۔ اس لئے کہ جنتی جب جنت میں جائیں گے تو ان کے سینے میں کوئی کینہ نہیں ہوگا، چنانچہ قرآن مجید کی جو آیت پڑھی اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَ نَزَعْنَا مَا فِي صُدُوْرِهِمْ مِنْ غِلٍّ (الحجر: ۴۷)

[ان کے دلوں میں جو کدورت ہوگی اسے ہم نکال کر صاف کر دیں گے]

جنتی آدمی کی نشانی اور صفت یہ ہے کہ اس کے اندر کینہ نہیں ہوگا۔ چنانچہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ ایک صاحب کو آتے دیکھا، نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ دیکھو! جنتی آرہا ہے۔ ایک صحابی کہتے ہیں: میرے دل میں یہ بات آئی کہ میں پتہ تو کروں کہ یہ کون سا عمل کرتے ہیں؟ میں ان کے ساتھ اٹھا اور میں نے کہا: میرا جی چاہتا ہے کہ میں تین دن آپ کے گھر مہمان رہوں۔ کہنے لگے بہت اچھا، وہ مجھے اپنے ساتھ گھر لے گئے، انہوں نے مہمان بنالیا۔ میں ان کے دن اور رات کے اعمال کو بغور دیکھنے لگ گیا، کون سا خاص عمل کرتے ہیں کہ جس کی وجہ سے جنتی ہونے کی بشارت ملی۔ فرماتے ہیں کہ جو عمل ان کے تھے وہی عمل باقی صحابہ کے تھے، کوئی ایسا انوکھا عمل تو نہیں تھا۔ تین دن میں مجھے ان کا کوئی انوکھا عمل نظر نہ آیا۔ میں نے اجازت مانگی اور بتا بھی دیا کہ بھئی! میں تو اسلئے آیا تھا، مجھے تو کوئی بات نظر نہیں آئی۔ وہ کہنے لگے کہ میرا کوئی اور عمل تو ایسا نہیں، ہاں البتہ ایک عمل ایسا ہے جو میں روز کرتا ہوں، میں نے پوچھا: وہ کون سا؟ کہنے لگے: جب میں رات کو سونے لگتا ہوں، میں اپنے دل سے ہر مسلمان کی غلطی کوتاہی کو معاف کر دیتا ہوں، میں اپنے سینے کو کینے سے خالی کر لیتا ہوں۔ تب پتہ چلا کہ یہ وہ عمل تھا جس کی وجہ سے اللہ کے محبوب نے ان کو دنیا میں جنت کی بشارت عطا فرمادی تھی۔ کیا اس عمل کو ہم بھی اپنا سکتے ہیں کہ ہم بھی رات کو سوتے ہوئے ہر مومن کے بارے میں جو کوئی بھی رنجش ہو، اس رنجش کو دل سے نکال دیا کریں سینے کو بے کینہ کر لیا کریں۔

شب قدر میں کینہ پرور کی محرومی:

چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ لیلۃ القدر میں اللہ تعالیٰ سب گناہ گاروں کی مغفرت فرما دیتے ہیں لیکن جس کے دل میں ایمان والوں کے بارے میں کینہ ہوتا ہے، اس کی اللہ تعالیٰ لیلۃ القدر میں بھی مغفرت نہیں فرمائیں گے۔لہٰذا یہ آواز مردوں اور اگر عورتوں تک جا رہی ہے، تو آج اس محفل سے اٹھنے سے پہلے پہلے دل میں جس کسی مومن کے بارے میں جو بھی رنجش ہے اللہ کے لئے اس رنجش کو معاف کر دیجئے تاکہ لیلۃ القدر میں بخشش کے مستحق بن جائیں۔

نبی اکرم ﷺ کی سنت:

چنانچہ ایک حدیث پاک میں ہے نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: جب تو شام کو سوئے تو کسی کے خلاف دل میں کینہ نہ ہو، یہ میری سنت ہے اور جو میری سنت پر عمل کرے گا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔تو آج ہم اس سنت پر عمل کرلیں اپنے سینے کو کینے سے خالی کرلیں، اللہ تعالیٰ ہمیں قیامت میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا ساتھ نصیب فرما دیں گے۔ ہمارے مشائخ نے فرمایا:

کفر است در طریقت ما کینہ داشتن

آئینِ ما است سینہ چوں آئینہ داشت است

[طریقت کے راستے میں سینے میں کینہ رکھنا کفر کی مانند برا ہے اور میرا آئین تو یہ ہے کہ اپنے سینے کو آئینہ کی طرح چمکتا ہوا بنا لے]

تو ہم دل سے کینے کو دور کر دیں تو ہمارا سینہ آئینہ بن جائے گا اور یہی ذکر و سلوک کا بنیادی مقصد ہے۔ پروردگار عالم ہمیں اس کینے والے گناہ سے بچنے کی توفیق عطا فرما دے۔

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخل

ازافادات

پیر طریقت رہبر شریعت مفکر اسلام

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

بخل

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِo بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o
یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَا اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ
وَمَنْ یَّفْعَلْ ذَالِکَ فَاُلٰئِکَ ھُمُ الْخَاسِرُوْن (الجمعہ: 9)
سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَo وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ o
وَ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّم

اللہ سے غافل کرنے والی دو چیزیں:

اللہ تعالیٰ قرآن عظیم الشان میں ارشاد فرماتے ہیں

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَا اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ
وَمَنْ یَّفْعَلْ ذَالِکَ فَاُلٰئِکَ ھُمُ الْخَاسِرُوْن (الجمعہ:٦)

اے ایمان والو! تمہیں تمہارے مال اور اولادیں اللہ رب العزت کے ذکر سے غافل نہ کردیں۔

اس آیت مبارکہ میں دو چیزوں کا تذکرہ کیا گیا۔ ایک مال اور دوسری اولاد جو اللہ رب العزت کی یاد سے غفلت کا سبب بنتی ہے۔ مال اللہ رب العزت کی ایک نعمت بھی ہے۔ اور انسان کے لیے ایک وبال بھی ہے۔

مال کے لیے دو قرآنی الفاظ:

اللہ رب العزت نے مال کے لئے قرآن پاک میں دو لفظ استعمال کیے۔ ایک لفظ ''خیر'' استعمال کیا۔

وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ

[اور بے شک وہ مال کی محبت میں بہت سخت ہے]

تذکرہ مال کا ہے لیکن لفظ خیر کا استعمال کیا۔ دوسری جگہ فرمایا:

اِنْ تَرَكَ خَیْرَاۨ الْوَصِیَّةُ لِلْوَالِدَیْنِ (البقرۃ:۱۸۰)

[اگر وہ کچھ مال چھوڑ جانے والا ہو تو والدین اور رشتہ داروں کے لیے دستور کے مطابق کچھ وصیت کر جائے]

یہاں بھی مال کے لیے خیر کا لفظ استعمال ہوا تو کوئی ایسی چیز تو ہے کہ جس کے لئے اللہ رب العزت خیر کا لفظ استعمال فرماتے ہیں۔

اور دوسرا اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے قیاما کا لفظ استعمال کیا۔ دو چیزوں کو قرآن مجید نے قیاما کہا۔ ایک بیت اللہ کو فرمایا۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ (المائدہ:۹۷)

[اللہ رب العزت نے کعبہ کو جو حرمت والا گھر ہے انسانوں کے قیام کا سبب بنایا]

اور یہی قیام کا لفظ اللہ تعالیٰ نے مال کے لئے بھی استعمال کیا۔ فرمایا:

[وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا](النساء:۵)

[اور اپنے مال جنہیں اللہ نے تمہارے قیام کا ذریعہ بنایا بے سمجھوں کے حوالے مت کرو]

اب مفسرین نے اس میں فرق لکھا کہ مال انسان کی جسمانی زندگی کے قیام کا

سبب ہے اور بیت اللہ انسان کی روحانی زندگی کے قیام کا سبب ہے۔
اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ نعمتیں ہیں۔

مال رحمت یا زحمت:

ایک حدیث پاک میں نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ پانچ نعمتیں ہیں تم ان کی قدر کرو۔

اغتنم خمسا قبل خمس

پانچ چیزوں کی قدر کرو پانچ سے پہلے
تو ان میں سے ایک مال ہے کہ
''تم مال کی قدر کرو غربت سے پہلے''

اس کا مطلب یہ کہ مال قابل قدر چیز ہوئی۔ تو اس تمام بات سے یہ بات سامنے آئی کہ جس نے اچھا استعمال کر لیا اس کے لیے مال اللہ رب العزت کی ایک نعمت ہے اور جو اس کی رو میں بہہ گیا اس کیلئے یہ زحمت بن گیا۔ تو یہ رحمت بھی ہے زحمت بھی ہے۔ رحمت اس کے لئے کہ جس نے اللہ کی نعمت سمجھ کر اس کو استعمال کیا۔ اور جس نے عیش و آرام کا نقطہ لگا دیا۔ تو یہ رحمت کی بجائے اس کے لئے زحمت بن گیا۔

دو طبقے:

دو طبقے ہیں۔ بعض مال کے اتنے شیدائی کہ اس کے پیچھے دین کو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ کتنے ہی لوگ ہیں جو مال کمانے کے چکر میں دن رات ایسے لگے ہوئے ہیں کہ نہ ان کو خدا یاد نہ رسول، نماز کا پتہ نہ روزے کا۔ اور بعض مال کے اتنے مخالف کہ کام چھوڑ کر ہی بیٹھ جاتے ہیں۔ دونوں طریقے ٹھیک نہیں ہیں۔ عبادت بھی کرنی ہے اور اپنے ایمان کی حفاظت کے لیے کام بھی کرنا ہے اور جو مال اللہ تعالیٰ دے اس کو اللہ کے لئے

استعمال کرنا ہے۔

مال ایمان کے لیے ڈھال ہے:

اس لئے کہ آج کے دور میں مال انسان کے ایمان کیلئے ڈھال ہے۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا

كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا

[ممکن ہے کہ تنگ دستی تمہیں کفر تک پہنچا دے]

خاوند کام نہ کرے تو ذرا اس کی بیوی کی باتیں سنا کریں وہ کیا بولتی ہے۔ اس کے سامنے شریعت کا نام لو تو وہ شریعت کے بھی خلاف بولے گی۔ تو تنگ دستی کو ہر بندہ برداشت نہیں کرسکتا۔ چونکہ اس سے کفر میں پڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے اس لئے اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے فرمایا کہ تم مال کی قدر کرو۔ اسی لئے مال ایک دم ہی سب لٹا دینا کہ انسان خود خالی اور کنگال ہو کر بیٹھ جائے اس کو منع کر دیا گیا۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ فرماتے ہیں۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً وَلَاتَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا (الاسراء:۲۹)

[اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ اسے بالکل کھول دے کہ تو پریشان اور تہی دست ہو کر بیٹھ جائے گا]

تو ایک ہی دفعہ میں نہ لٹا دو کہ بعد میں تمہیں حسرت اور ندامت ہو۔ اس قدر کرنے والی چیز کی قدر کرنی چاہیے۔

ہاں اس کی پوجا بھی نہیں کرنی چاہیے۔ کئی مرتبہ انسان مال کی پوجا بھی تو کرنے لگ جاتا ہے۔ زن پرست...... زر پرست...... نفس پرست...... شہوت پرست۔ سب کی سب بت پرستی کی قسمیں ہیں۔ تو کئی بندے زر پرست بن جاتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا:

اب سنئے سبحان اللہ قرآن مجید نے کیا حقیقتیں کھولیں ۔ کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اور اپنی اولاد کے لئے دعا مانگی کہ اے رب کریم

وَجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (ابراہیم:۳۵)

[اے اللہ! مجھے اور میری اولاد کو اس سے بچانا کہ ہم بتوں کی عبادت کریں]

تو مفسرین نے لکھا کہ نبی کی شان اس سے بہت بلند ہوتی ہے کہ وہ اس بت کی پرستش سے گھبرائیں جو سامنے رکھا ہوا ہے اس ۔ فرمایا نہیں ان کا مقصد یہ بت نہیں تھا۔ ان کا مطلب تھا سونے چاندی کے بت کہ اے اللہ! مجھے اور میری اولاد کو سونے چاندی کے بتوں کی پرستش سے بھی بچالینا۔ اسی لئے سیدنا علی رضی اللہ عنہ تہجد کے وقت میں محراب میں کھڑے ہو کر کہا کرتے تھے۔

یاصفراء یا بیضاء غر غیری

[اے سونے! اے چاندی! میرے غیر کو دھوکہ دے]

میں تیرے دھوکے میں آنے والا نہیں ہوں۔

صحابہ کی بڑی کرامت:

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب بات لکھی ہے ۔ فرماتے ہیں کہ عوام الناس کے نزدیک صحابہ کرام علیہم السلام کی بہت بڑی کرامت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیے اور انہیں دریا سے محفوظ نکال کر لے گئے ۔ مگر اہلِ علم کے نزدیک یہ اتنی بڑی کرامت نہیں ہے ۔ فرماتے ہیں کہ اہلِ علم کے نزدیک ان کی بڑی کرامت یہ ہے کہ جب فتوحات کا سلسلہ چلا اور اللہ نے ان کے سامنے سونے چاندی کے دریا بہا دیئے، وہ اس سونے چاندی کے دریا سے اپنے

ایمان کی کشتی کو سلامت بچا کر نکل گئے۔

دنیا جادوگرنی ہے:

ذہن میں رکھنا کہ مال آتا ہے تو وبال بھی آتا ہے۔ اس لیے کہ یہ دنیا جادوگرنی ہے، جادو کرتی ہے بندے پر۔ ایک جادو تو وہ تھا جو فرشتے لے کر آئے، ہاروت و ماروت دو فرشتے تھے جو یہ لے کر آئے۔ اللہ کے حکم سے آزمائش تھی بندوں کے لئے اس جادو کے اندر ایک تاثیر تھی۔ قرآن نے گواہی دی کہ اس جادو کے ذریعے سے۔

يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ (البقرۃ:۱۰۲)

[وہ بندے اور اس کی بیوی کے درمیان جدائیاں ڈال دیتے تھے]

تو ہاروت اور ماروت کا جادو تو خاوند اور بیوی کے درمیان جدائیاں ڈال دیتا تھا لیکن دنیا ایسی جادوگرنی ہے کہ جب اس کا جادو چل جاتا ہے یہ بندے اور اس کے پروردگار کے درمیان جدائی ڈال دیتی ہے اور جو بندہ اپنے پروردگار سے دور ہٹ گیا یہ ایسا نقصان ہے کہ جس کا کوئی متبادل نہیں۔

لكل شي اذا فارقته عوضا

و ليس لله ان فارقته من عوضا

اے دوست! تو کسی چیز سے بھی جدا ہو تو تیرے لئے کوئی نہ کوئی بدل موجود ہے لیکن اللہ سے تو جدا ہو گیا تیرے لئے اس کا کوئی بدل موجود نہیں۔

برائیوں کی جڑ:

اس لئے ہمارے بزرگوں نے ایک بات کہی فرمایا۔

حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ

[دنیا کی محبت تمام برائیاں کی جڑ ہے]

مال کی محبت دنیا کی تمام برائیوں کی جڑ اور بنیاد ہے۔ باقی ساری برائیاں اس سے آگے جنم لیتی ہیں۔

وَ تَرْکُھَا مِفْتَاحُ کُلِّ فَضِیْلَۃٍ

اوراس کا ترک کر دینا یہ ہر فضیلت کی کنجی ہے۔

پانی سے مماثلت:

اس کی مثال پانی کی مانند ہے۔ایک آدمی اگر کشتی چلانا چاہتا ہوتو وہ ریت پر تو نہیں چلے گی، وہ پانی میں ہی چلے گی۔لیکن یہ پانی میں تب چلے گی جب پانی کشتی کے نیچے رہے۔پانی کشتی کے نیچے رہے کشتی دوڑتی رہے گی، اس کے اوپر تیرتی رہے گی۔ اوراگر پانی کشتی کے اندر بھر جائے تو ڈوبنے جائے گی۔ نیچے رہے تو تیرنے کا سبب۔ اندر بھر جائے تو ڈوبنے کا سبب۔ ہمارے مشائخ نے کہا کہ مال جیب میں رہے تو تیرنے کا سبب جب دل میں گھس جائے تو ایمان کی کشتی ڈوبنے کا سبب۔اس لئے اس کو جیب تک رکھنا چاہیے، ادھر نہیں آنے دینا چاہیے۔ مرغابی پانی پر بیٹھتی ہے اپنا وقت گزارتی ہے لیکن عجیب بات ہے جب شکاری اس کو شکار کرنا چاہتا ہے وہ فوراً اڑ جاتی ہے۔علماء نے لکھا کہ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس کے پر اللہ رب العزت نے ایسے بنائے ہوتے ہیں کہ وہ پانی میں تر نہیں ہوسکتے۔جیسے کوئی آئل والی چیز ہوتی ہے کہ پانی میں تر نہیں ہوتی۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس کے پر ایسے بنائے ہیں کہ پانی پر بیٹھتی ہے مگر اپنے پروں کو پانی میں تر نہیں ہونے دیتی۔ چونکہ پر خشک ہوتے ہیں جیسے ہی اس کو شکاری کا پتہ چلتا ہے۔ایک ہی لمحے میں وہیں سے اڑ کر ہوا میں چلی جاتی ہے۔اوراگر کبھی اس کے پر تر ہو جائیں تو یہ اڑ نہیں سکتی۔

بندے تیری مثال مرغابی کی سی ہے اور تیرے مال کی مثال پانی کی سی ہے۔ یہ تیرے پاس تو رہے مگر تیرے پروں کو تر نہ کرے تاکہ جب موت کا بلاوا آئے تو

تیرے لئے پھراڑ جانا اڑان لینا آسان ہو اور اگر تو نے اپنے پروں کو تر کرلیا۔ تو پھر کہے گا۔

قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ ٥لَعَلِّي اَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ (المؤمنون:١٠٠)

[کہے گا، اے رب! مجھے لوٹا دیجئے تا کہ میں اس میں جسے میں چھوڑ آیا ہوں نیک کام کروں]

اور آگے سے جواب میں کہا جائے گا۔ کلا۔ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔

مال کا وبال:

چنانچہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اس چیز کو بڑی تفصیل کے ساتھ لکھتے ہیں کہ جب بندے کے پاس مال آتا ہے تو وبال بھی آتا ہے تو انہوں نے لکھا کہ وبال کیا ہوتا ہے۔

پہلا وبال:

فرماتے ہیں کہ سب سے پہلا وبال مال کا یہ ہے کہ بندے کے لئے معصیت کرنی آسان ہو جاتی ہے۔ جو بھی مال دار ہے اس کے لئے گناہ کرنا بہت آسان خود کرنا چاہے تو گناہ کے مواقع موجود ہیں۔ کیونکہ دولت جو پاس ہوتی ہے۔ کئی مرتبہ لوگ پیچھے لگ جاتے ہیں اور ان کو گناہوں میں گھسیٹ لیتے ہیں۔ شیطان کے نمائندے بھی تو ہوتے ہیں ...... کہیں مرد پیچھے لگ گیا تو وہ لے کر کلب میں چلا گیا، کہیں عورت لگ گئی تو اس نے گھر برباد کر دیا۔ تو جس کے پاس مال ہے اس کا معصیت میں مبتلا ہونے کا خدشہ تو ہر وقت رہے گا۔ نفس کہتا ہے بزنس کے لئے سفر پر جا رہے ہو، فلاں جگہ جا کر رہو وہ تو ہے ہی سیون سٹار ہوٹل بڑی سکریسی ہے۔ تمہارے کمرے میں مہمان آ جائیں گے، نہ بیوی کو پتہ نہ کسی اور کو، اپنا وقت گزارو اور

تو گناہ کو شیطان آسان کر کے پیش کر دیتا ہے۔ اس لئے بندہ ہر وقت خطرے میں ہوتا ہے۔ کہیں اپنا نفس گناہ میں اس کو کھینچتا ہے۔ اور کہیں خود نہ بھی چاہے تو دوسرے لوگ اس کو گناہ کا موقع فراہم کر دیتے ہیں۔ کئی دوست ہی ایسے بن جاتے ہیں، وہ اس کو پتہ نہیں کس کس جگہ کا راستہ دکھا دیتے ہیں۔ تو گناہ کے جو وبال ہیں ان میں سے سب سے پہلا وبال کہ بندے کے لئے معصیت کا دروازہ کھلنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔

دوسرا وبال:

چونکہ اللہ رب العزت نے مال دیا تو بندہ اپنے گھر میں ہر سہولت لو لاتا ہے۔ بڑا گھر بنالیا، ائیر کنڈیشنر کروالیا، اچھے گدے بچھالیے، خوب اس کو ڈیکوریٹ کر لیا۔ تو بندے کا جسم سہولت پسند ہو جاتا ہے۔ اس سہولت پسندی کی وجہ سے دین کی خاطر مجاہدہ اور قربانی کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کو نظر آتا ہے کہ حج پر تو بڑا ہی مجاہدہ ہے، یہ نہیں ہو سکتا ہم سے۔ اس کو یورپ جانا مجاہدہ نظر نہیں آتا، حج مجاہدہ نظر آتا ہے۔ سہولت پسند جو ہو گیا۔ تن آسانی کی وجہ سے دین کی مشقت اس سے اب برداشت نہیں ہوتی۔ اس کو کہو کہ نکلو تین دن کے لئے اس کی جان نکلتی ہے۔ کون جائے گا، چٹائیوں پر سوئے گا، اپنا بستر اٹھائے گا...... یہ کوئی معمولی کام ہے۔ بہت مجاہدہ ہے اس میں، مگر جسم کے سہولت پسند ہونے کی وجہ سے ایسے جو خیر کے کام ہیں، ان سے بندہ محروم ہو جاتا ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ جن کے پاس مال ہے سب ایسے ہی ہیں۔ اللہ کے ایسے بندے بھی ہیں، اللہ رب العزت نے ان کو خوب دیا اور وہ اس کو دین کے لئے خرچ بھی کرتے ہیں اور اپنے جسم کو مشقتوں اور مجاہدوں میں بھی ڈالتے ہیں مگر عمومی بات کی جاتی ہے۔

تیسرا وبال:

تیسرا وبال یہ کہ ایسے بندے کا مرنے کو دل نہیں چاہتا۔ اور واقعی بات سمجھ میں آنے والی ہے۔ اب جب جسم سہولت پسند ہو گیا تو پھر دنیا ہی اس کیلئے جنت بنی ہوتی ہے۔ گاڑی بھی ایسی، دفتر بھی ایسا، گھر بھی ایسا، پھر بیوی بھی دل لبھانے والی لے لی۔ تو اس کا گھر اس کی چھوٹی سی جنت بنا ہوتا ہے۔ عیش، آرام اور جو اللہ نے نعمت دنیا میں بنائی سب ہے، اب یہ جو چھوٹی سی جنت اس کی بن گئی جس میں ہر چیز اپنی من مرضی کی پوری ہوتی ہے۔ اس میں سے جاتے ہوئے دل کو ہول پڑتا ہے، موت کے نام سے گھبراہٹ ہوتی ہے۔

چوتھا وبال:

اور چوتھی بات امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جب مال آتا ہے تو پھر بندے کے دل میں حب جاہ بھی آ جاتی ہے، سٹیٹس حاصل کرنے کی خواہش بھی جنم لیتی ہے۔ کہیں سیاست میں آ گئے، کہیں چیئر مین بن گئے، کچھ نہ کچھ نمایاں ہونے کو دل چاہتا ہے۔ یا بادشاہ بنتا ہے یا پھر بادشاہ گر بنا کرتا ہے۔ پیچھے بیٹھ کے سیاست کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کے آگے پیچھے پھریں اس کی جی حضوری کریں۔ اس کو بڑا مان کر اس سے مشورے لیں تو یہ سب باتیں پھر اس کے اندر آ جاتی ہیں۔

پانچواں وبال:

اور پانچویں چیز دل مال میں اٹک جاتا ہے، فرمایا کہ اگر کوئی ان تمام سے اپنے آپ کو بچا بھی لے تو آخری وبال یہ کہ اس میں بندے کا دل اٹکا ضرور رہتا ہے۔ اب میں نے اپنی فیکٹری کو بڑا کرنا ہے، جدید مشینری لگانی ہے۔ اس میں دل اٹکا ہوا ہے۔ اب میں نے اپنے کام میں یہ شعبہ شروع کرنا ہے۔ اب اس شعبے کا کام اتنا پھیلا ہوا

ہوتا۔ اس کو سمیٹنا کوئی آسان نہیں ہوتا۔ کبھی پرچیز ڈیپارٹمنٹ نے
ستایا ہوتا ہے کبھی سیل ڈیپارٹمنٹ نے ستایا ہوتا ہے۔ کیونکہ کام کرنے والے تو
دوسرے ہوتے ہیں، ان کو تو دکھ نہیں ہوتا کسی چیز کا۔ یہ تو اوپر جو خود مالک ہوتا ہے درد
اس کو ہوتا ہے، اگر وہ تھوڑا سا غیر ذمہ داری کا اظہار کرے یا اوپر سر پر چڑھ کر نہ رہے
تو ہر بندہ لوٹنے کو تیار ہے۔ تو مجبوری ہے اس کی۔ لہٰذا ہر وقت سوچ سے دماغ بھرا ہوا
ہونا ہے۔ اس کو وبال کہتے ہیں۔ اس لئے بندہ یہ چاہتا ہے کہ میری زندگی طویل ہو
میں یہ پراجیکٹ بھی کرلوں، میں یہ بھی کرلوں۔ لمبی زندگی کی امید دل میں آجاتی ہے۔

چھٹا وبال:

اور آخری وبال یہ کہ اولاد بگڑ جاتی ہے۔ جس نے مال کمایا ہوتا ہے اس کو تو پھر
بھی مال کا درد ہوتا ہے خیال رکھتا ہے۔ اولاد کی تو محنت نہیں لگی ہوتی۔ اولاد کو وہ مفت
میں ملتا ہے، وہ ایزی لیتی ہے۔ تو عام طور پر اولاد کا بگڑنا آسان ہو جاتا ہے۔ یہ بہت
بڑا وبال ہے۔ بیوی بگڑتی ہے، اولاد بگڑتی ہے۔ سہولت پسند ہو جاتے ہیں بس ان کو
ہر وقت انجوائے کرنے کی فکر پڑی ہوتی ہے۔ یہی مصیبت ہے۔

ساتواں وبال:

ساتواں وبال یہ ہے کہ اس کا حساب کتاب دینا پڑے گا۔ مال کا بھی کیا حال
ہے۔ اللہ اکبر۔ حرامھا عذاب۔ اگر حرام طریقے سے ملا تو عذاب ہے۔ وحلالھا
حساب حلال طریقے سے بھی حاصل کیا تو بھی حساب پھر بھی دینا پڑے گا...... اللہ
اکبر کبیرا۔ اس لئے اس مال کی کیفیت کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

سانپ کا منتر:

کچھ لوگ ہوتے ہیں جو سانپ کا منتر سیکھ لیتے ہیں، پھر وہ سانپ کو پکڑ لیتے ہیں

لیکن سانپ انہیں کچھ نہیں کہتا۔ اللہ کی شان ہم نے اپنی زندگی میں ایک ایسے بندے کو دیکھا ،فقیر جب شوگرمل میں جنرل مینیجر تھا ، وہاں چونکہ دیہاتی علاقہ تھا تو جب پراجیکٹ لگنے لگا تو وہاں کھیتوں سے ادھر ادھر سے سانپ نکل آتے تھے۔ تو Management (انتظامیہ) نے فیصلہ کیا کہ بھئی ایک بندہ ایسا رکھ لو جو منتر بھی جانتا ہو اور آگے پیچھے کوئی ہیلپر کا کام بھی کرے،ایک بندہ رکھ لیا۔

وہ ایسا خدا کا بندہ تھا،سانپ دیکھتا،کہتا،یہ تو سویا ہوا ہے،اس کو پہلے جگانا ہے۔ وہ سانپ کو ہاتھ مار کے جگاتا تھا اور سانپ بھاگنے لگتا پھر اس کو پکڑتا تھا۔ اللہ کی شان پتہ نہیں اس کے پاس کیا تھا۔ مگر وہ سانپ کو اسی وقت پکڑ کے ایسے جیسے رسی کو لپیٹ کر گولہ بناتے ہیں ایسے گولہ بنا کر جیب میں ڈال لیتا تھا۔ اللہ اکبر کبیرا۔ اور یوں اس نے کئی مرتبہ سانپ کو پکڑا۔ ہم سوچتے تھے،سانپ پکڑے گا،دانت توڑے گا، پھر جا کے کام بنے گا۔ کچھ بھی نہیں کرتا تھا۔ یعنی لوگوں کے سامنے اس نے ایک بڑا سانپ پکڑا جو ایک میٹر کے قریب لمبا تھا اور اس نے پکڑ کے اس کو گلے کے گرد لپیٹ لیا۔ اللہ کی شان ۔تو بتانا یہ مقصد تھا کہ کچھ لوگوں کو سانپ کا منتر آجاتا ہے تو پھر سانپ کے نقصان سے وہ بچ جاتے ہیں۔

دنیا کا منتر:

اللہ والے بھی بندے کو دنیا کے سانپ کا منتر سکھا دیتے ہیں۔ پھر دنیا ان کو نقصان نہیں دیا کرتی ۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی علیہ السلام سے دنیا کا منتر سیکھا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے نبی علیہ السلام نے دعا دی ۔اے اللہ! اس کی اولاد میں اور اس کے رزق میں برکت دے دے ۔فرمانے لگے،اتنی برکت ہوئی کہ ایک سو چالیس پوتے پوتیاں،نواسے نواسیاں، بیٹے بیٹیاں میں نے اپنے ہاتھوں سے دفن کیے،ایسی اللہ نے اولاد میں برکت دی۔ اور فرماتے ہیں کہ مال میں اللہ نے ایسی

برکت دی کہ میں لکڑی کاٹنے والے کلہاڑے سے سونے کی اینٹیں توڑا کرتا تھا۔لکڑی والے کلہاڑے سے...... وہ کوئی تولے تو نہیں ہوں گے پھر تو کلوؤں میں ہوگا سونا۔اللہ اکبر کبیرا۔فرماتے ہیں نبی علیہ السلام کی دعا نے مجھے اتنا رزق دیا اور اتنی اولاد عطا فرمائی۔تو ان کے پاس یہ سب کچھ تھا مگر یہ چیز ان کے ایمان کو متزلزل نہیں کر سکی۔چونکہ انہوں نے نبی علیہ السلام کی صحبت بابرکت سے اس دنیا کا منتر سیکھ لیا تھا۔

مال کیسے ڈستا ہے؟

لہٰذا اللہ رب العزت جس کو یہ نعمت دے اس کو چاہیے کہ اپنے آپ کو اس سے بچا کر رکھے۔کہیں یہ سانپ ڈس نہ لے محتاط رہے۔کیسے ڈستا ہے مال، مال ایسے ڈستا ہے کہ بندے کی آواز میں پھر مال کی جھنکار شامل ہو جاتی ہے۔کہتا ہے''او تو مجھے جانتا نہیں'' ہے جب یہ کہتا ہے ناں''تو مجھے جانتا نہیں ہے''اب زہر ساتھ شامل ہو گیا جس نے اس کو متکبر بنا دیا، یہ بڑی مصیبت ہے۔چنانچہ بڑا بول بندہ بول بیٹھتا ہے۔اور یاد رکھنا کہ بڑا بول بندے کے برباد ہونے کا سبب بنتا ہے۔کبھی بھی بڑا بول نہیں بولنا چاہیے۔جتنا مرضی اللہ رب العزت انسان کو مال دے دے۔بندے کی زبان سے کبھی بھی بڑا بول نہیں نکلنا چاہیے۔اور عاجزی اختیار کرنی چاہیے کہ اللہ! تیرے میرے اوپر کتنے احسانات ہیں۔تو میری اوقات سے زیادہ مجھے عطا فرما رہا ہے۔لیکن کئی دفعہ گردن میں سریا آجاتا ہے۔گردن، جھکتی نہیں کہیں۔میں آجاتی ہے۔اللہ اکبر کبیرا۔پھر انسان نقصان اٹھاتا ہے۔

ایک لینڈ لارڈ کا واقعہ:

کئی دفعہ یہ عاجز نے واقعہ سنایا کہ ایک لینڈ لارڈ تھا جس کی ایگریکلچر لینڈ تھی۔

اس کی زمین میں کئی ریلوے اسٹیشن لگا کرتے تھے۔ پہلا ریلوے اسٹیشن اس کی زمین میں۔ پھر گاڑی چلتی تھی اور جہاں رکتی تھی پھر دوسرا ریلوے اسٹیشن بھی اس کی زمین میں اور پھر چلتی تھی تو تیسرا ریلوے اسٹیشن بھی اس کی زمین میں۔ کتنا بڑا الینڈ لارڈ ہوگا ...... عربوں پتی تھا۔ ایک دفعہ شہر کے چوک میں کھڑا آئس کریم کھا رہا ہے۔ دوست سے بات چیت ہوئی، کل کہاں تھے؟ اس نے کہا بس میں کچھ پریشان تھا کچھ کاروبار چل نہیں رہا۔ جب اس نے کہا کہ کاروبار چل نہیں رہا تو تکبر سے کہنے لگا یار کیا مسئلہ ہے تمہارا، ہر وقت پریشان رہتے ہو آئے گا کہاں سے او مجھے دیکھو میں ہر وقت پریشان رہتا ہوں لگاؤں گا کہاں پر۔ میری تو چالیس نسلوں کو پرواہ نہیں۔ اللہ رب العزت کو اس بندے کا بڑا بول پسند نہ آیا۔ ایک بیماری میں مبتلا ہوا چھ آٹھ مہینے کے بعد دنیا سے چلتا بنا۔

اس کا ایک ہی بیٹا تھا۔ عمر اٹھارہ سال وہ اس کے تمام مال کا وارث بن گیا۔ اب جب اس کو اتنی دولت مل گئی تو جیسے میں نے بتایا کہ پھر گناہ کی طرف گھسیٹنے والے بھی چپک جاتے ہیں۔ اٹھارہ سال عمر تھی اس کو کسی نے نوجوانی کا راستہ دکھا دیا۔ ہاں انجوائے کرو بھئی ...... اس کام میں پڑ گیا۔ عیاشی میں ہر دوسرے دن نیا مہمان اس کے پاس آرہا ہے۔ پیسہ لٹانا شروع کر دیا اور جوانی بھی لٹانی شروع کر دی۔ حتیٰ کہ کرتے کراتے بالآخر اس کو پینے پلانے کا چسکا بھی کسی نے ڈال دیا۔ چونکہ عیاشی بالآخر نشے تک انسان کو لے جاتی ہے۔ اب شراب اور شباب دونوں کام ہو رہے تھے۔ باپ کا پیسہ خوب لٹا رہا تھا۔ چند سال گزرے کسی نے اس کو بیرون ملک کا دروازہ دکھایا۔ آؤ تمہیں کلب لے کر چلتے ہیں۔ وہاں تو دنیا ہی اور تھی۔ اب اس کی عادت بن گئی یہ ہر دو چار مہینے کے بعد ایک مہینہ کے لئے جاتا اور لاکھوں روپیہ وہاں لٹا کے واپس آتا۔ ماں نے سمجھایا لوگوں نے سمجھایا اس کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی

تھی۔ یہ نشہ ہی ایسا ہے کہ جب لگ جائے تو پھر بندے کو کسی کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ حتیٰ کہ اس کے پاس جتنا کچھ بینک میں مال تھا، اس نے سارا انہی کاموں میں لٹا دیا۔ اب زمین بکنا شروع ہوگئی، زمین کا ٹکڑا بیچتا جو پیسہ ملتا باہر جا کے عیاشی کر آتا، پھر زمین بیچتا اور دو چار سال نکلے ساری زمین ہی بک گئی۔ اس نے دس بارہ سال اتنی عیاشی کی کہ جوانی بھی لٹا بیٹھا اور بیماریوں کا مجموعہ بھی بن گیا۔ جو روز ہی یہی کام کر رہا ہو صاف ظاہر ہے وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بنے گا چنانچہ بیمار بھی ہوگیا، کمزور بھی ہوگیا۔ اور ایک وہ وقت آیا کہ جب اس کو اپنا گھر بھی بیچنا پڑا۔ اور پھر اس پر وہ وقت آیا کہ جب اس کے پاس کچھ کھانے کو نہیں تھا، نشہ جو کرتا تھا کمائی تو تھی نہیں، چنانچہ یہ شہر کے اسی چوک میں کھڑے ہو کر جس میں اس کے باپ نے تکبر کا بول بولتا تھا۔ یہ بیٹا اسی چوک میں کھڑے ہو کر اللہ کے نام پے بھیک مانگتا تھا۔ اللہ نے دکھا دیا، میں پروردگار اگر دینا جانتا ہوں تو میں پروردگار لینا بھی جانتا ہوں۔ تو نقطے کی بات یہ سمجھئے کہ اللہ رب العزت جب یہ نعمت کسی کو دیں تو وہ گردن جھکائے، گردن اٹھائے نہیں، اکڑ نہ اپنے اندر پیدا ہونے دے۔ یہ نعمت کی ناقدری ہوتی ہے۔ کسی کو کم نہ سمجھے، حقارت کی نظر سے نہ دیکھے۔ عام طور پر بندہ پھر دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے، ذرا بات ہو تو تیرے جیسے کو تو میں خرید کر یہ کر دوں۔ اس کا کیا مطلب ہے اس کو حقیر سمجھتا ہے۔

گردشِ ایام:

چنانچہ ایک عجیب واقعہ کتابوں میں لکھا ہے۔ ایک بزنس مین تھا، پسند کی شادی کی۔ شادی کے ابتدائی دنوں میں اپنے گھر میں بیوی کے ساتھ بیٹھا کھانا کھا رہا ہے، دروازے پر کسی سائل نے آواز لگائی اللہ کے نام پر دے دو۔ اس کی بیوی جو ایک نیک خاتون تھی اس کی عادت تھی کہ وہ گھر کے دروازے پر آئے ہوئے سائل کو

کبھی خالی نہیں جانے دینا چاہتی تھی۔ اس نے اس سے پوچھا اگر آپ کی اجازت ہو تو میں ایک روٹی اس کو دے دوں۔ اس نے کہا دے دو، روٹی دینے چلی گئی۔ اب جانے اور آنے میں کوئی منٹ دو منٹ تو لگ ہی جاتے ہیں۔ اتنے میں صاحب کا موڈ آف ہو گیا۔ واپس آئی تو اس نے گالیاں نکالنی شروع کر دیں کہ یہ آجاتے ہیں مشٹنڈے لفنگے کہیں کے، کام کرتے نہیں مانگتے رہتے ہیں، وغیرہ، وغیرہ۔ بیوی نے سمجھایا ہم نے تو اللہ کے نام پر دیا ہے۔ اس نے پھر بولنا شروع کر دیا۔ بس اللہ کو اس کا سائل کو اس طرح گالیاں دینا پسند نہ آیا۔

پھر کیا ہوا دن بدلنے شروع ہو گئے۔ پہلے جو ڈیل کرتا تھا تو بینیفٹ ملتا تھا، پرافٹ آتا تھا۔ اب جو ڈیل کرتا تھا اسی میں نقصان ہوتا۔ ایک ڈیل، دوسری ڈیل، تیسری ڈیل، کاروبار گھاٹے میں جانا شروع ہو گیا۔ کچھ عرصے کے بعد ایسا وقت آیا کہ لینے کی بجائے الٹا دینے والا بن گیا۔ ایک وقت تھا لاکھوں لینے تھے اور اب وقت آ گیا کہ لاکھوں دینے ہیں۔ لینے والوں نے جب اس کو کھینچا، گھر بھی بیچنا پڑا حتیٰ کہ اس نے فرسٹیشن میں آکر ایک دن اپنی بیوی کو بھی طلاق دے دی۔ وہ اپنے والدین کے گھر آ گئی، خوبصورت نیک نوجوان لڑکی تھی اس کو دو تین سال اپنے ماں باپ کے گھر رہنا پڑا، اچانک اس کے لئے پھر کہیں سے رشتہ آ گیا۔ یہ بندہ بھی بزنس مین تھا اور اچھے بڑے گھر میں رہتا تھا، آسودہ حال تھا۔ ماں باپ نے دیکھا کہ بھئی بہت اچھا رشتہ ہے، انہوں نے اس کا نکاح ثانی کر دیا۔

اب یہ اپنے نئے خاوند کے پاس آ گئی۔ شادی کے ابتدائی دنوں میں، خاوند کے پاس بیٹھی کھانا کھا رہی تھی، پھر دروازے پر سائل آیا اللہ کے نام پر۔ اس نے اپنے اس خاوند سے پھر پوچھا کہ اگر آپ اجازت دیں تو ایک روٹی دے دوں، اس نے کہا ہاں دے دو۔ یہ روٹی دینے گئی، جب کواڑ کھول کے دینے لگی تو اس نے چیخ ماری،

خاوند بھاگا آیا کہ کیا ہوا میری بیوی کو۔ جب گیا تو اس کو دیکھا کہ اس کا رنگ پیلا، پسینہ آیا ہوا، ٹھنڈا جسم۔ پوچھا کیا ہوا؟ کہنے لگی کہ سائل کو روٹی دینے کیلئے جب میں نے دروازے کو کھولا تو میں نے دیکھا کہ مانگنے والا میرا پہلا خاوند تھا، اس کے خاوند نے اس کو دیکھ کر کہا کہ اچھا تم مجھے پہچانو، ایسا ہی ایک دن تھا جب میں تمہارے دروازے پر سائل بن کر گیا تھا۔ اللہ نے سائل کو گھر بھی دے دیا، بیوی بھی دے دی اور جو گھر اور بیوی والا تھا اس کو سائل بنا کر ان کے دروازے پر کھڑا کر دیا۔ تو میرے دوستو جو بندہ تکبر کا بول بولتا ہے تو اللہ رب العزت اسے ٹیبل کے دوسری طرف بھی بٹھا سکتے ہیں۔ آج تو یہاں بیٹھا ہے ناں مالک بن کے، کل وہاں بھی بٹھا سکتے ہیں، مانگنے والا بھی بنا سکتے ہیں۔

مال کا شکر کیسے ادا ہو؟

اہم بات یہ ہے کہ یہ نعمت جب اللہ کسی کو عطا کرے تو اس کا شکر ادا کرے اور اللہ کے سامنے اور زیادہ جھکے اور عاجزی کرے۔ اپنے اندر عجب اور تکبر نہ پیدا ہونے دے، یوں سمجھ لو کہ بس یہ منتر ہے اس سانپ کا۔ جب آپ نے یہ سمجھ لیا، اب آپ کو یہ مال نقصان نہیں دے سکتا۔ آپ اس مال کو اللہ کے راستے میں خرچ کر سکتے ہیں اور جنت میں اپنے رتبے اونچے کر سکتے ہیں۔

بخل کیا ہے؟

لیکن اکثر و بیشتر یہ بھی دیکھا کہ کچھ لوگ تو اس مال کو اللہ کی نعمت سمجھ کر اپنی آخرت بناتے ہیں اور کچھ کے دل میں ایسی محبت آجاتی ہے کہ وہ بس دنیا ہی میں اس کو پھیلاتے چلے جاتے ہیں، دنیا ہی میں اس کو بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔ مال کی محبت ان کے دل میں آجاتی ہے، ایسی محبت دل میں آتی ہے کہ بندے کا مال خرچ

کرنے کو دل ہی نہیں کرتا۔اس کا نام ہے بخل یا کنجوسی۔

بخل کی علامت:

یہ بخل کیا ہوتا ہے۔شریعت نے کہا کہ جس بندے کو اپنا مال بیوی بچوں پر خرچ کرتے ہوئے مشکل محسوس ہو، یا اللہ کے راستے میں زکوٰۃ دیتے ہوئے مشکل محسوس ہوتو دونوں میں سے کوئی بھی ایک علامت اس کے اندر ہے تو یہ بخالت کی دلیل ہے۔ بیوی بچوں پر بھی خرچ کرنے کو دل نہیں چاہتا اور زکوٰۃ دیتے ہوئے بھی دل گھبراتا ہے۔حقوق العباد اور حقوق اللہ دونوں کو سامنے رکھنا چاہیے۔جس کو اللہ نعمت دے تو وہ جائز حدود میں اپنے اہل خانہ پر ضرور خرچ کرے۔ چونکہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ

[تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو تم میں سے اپنے اہل خانہ کے لئے بہتر ہے]

جو اپنے اہل خانہ پر خرچ کرتا ہے وہ اس کے لئے بہترین صدقہ ہوتا ہے۔تو اہل خانہ پر انسان خرچ کرے جو ضرورت کے مطابق ہو اور اگر انسان حقوق العباد میں کمی کرے یا حقوق اللہ میں کمی کرے تو اس کو بھی بخل کہتے ہیں۔

بخل قرآن کی روشنی میں:

اللہ رب العزت کو سخی سے محبت ہے اور بخیل بندے کے ساتھ اللہ رب العزت کو نفرت ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (الحشر:۹)

[اور جو لوگ اپنے حرص نفس سے بچا لیے گئے پس وہی کامیاب ہیں]

شح کہتے ہیں بخل کو، نفس میں بخل ہوتا ہے کنجوسی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو اس سے بچ گیا یہ یقیناً فلاح پانے والا بندہ ہے۔

اور سنیے! قرآن عظیم الشان۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرٌ لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (آل عمران:۱۸۰)

[جو لوگ مال میں جو خدا نے اپنے فضل سے ان کو عطا فرمایا بخل کرتے ہیں، وہ اس بخل کو اپنے حق میں اچھا نہ سمجھیں، بلکہ وہ ان کے لیے برا ہے، وہ جس مال میں بخل کرتے ہیں وہ قیامت کے دن طوق بنا کر ان کے گلے میں ڈالا جائے گا]

تو آدمی اگر بخالت کر کے سوچتا ہے کہ میرا بینک بیلنس بڑھ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ مت سوچو کہ یہ خیر ہے، یہ تمہارے لئے شر ہے۔ بل هو شر لهم۔ اور اسی کا طوق بنا کر ہم اسی میں جکڑ کر اس کو جہنم کے اندر ڈالیں گے۔ اور قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا۔

وَمَنْ يَبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ

کہ جو انسان بخل کرتا ہے وہ اپنے آپ سے بخل کر رہا ہوتا ہے۔

بخل احادیث کی روشنی میں:

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ

''تم بخل سے دور رہو تم سے پہلی قومیں اسی بخل کی وجہ سے تباہ کر دی گئیں۔''

چنانچہ ابلیس کہتا ہے کہ سخی سے مجھے دشمنی ہے اور بخیل میرا پکا یار ہے۔

حدیث پاک میں آیا ہے نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ

''اللہ رب العزت نے قسم کھا کر فرمایا کہ میں بخیل کو کبھی اپنی جنت میں داخل

نہیں ہونے دوں گا۔‘‘

اسی سے اندازہ لگائیں اللہ تعالیٰ کو بخالت سے کتنی زیادہ نفرت ہے۔اس کے بدلے سخاوت کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں۔

سخاوت اور فضول خرچی میں فرق:

مگر سخاوت کا مطلب فضول خرچی بھی نہیں۔فضول خرچ بھی شیطان کا بھائی بن جاتا ہے۔شریعت نے تو اعتدال کی زندگی بتائی۔اعتدال کی زندگی گزاریں گے تو یہ اللہ رب العزت کی نعمت کی یہ قدر دانی ہوگی۔اور یہ ذہن میں رکھیں کہ انسان کو جب اللہ رب العزت مال دیں، حرام سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرے۔اس لئے کہ جو مقدر میں ہے اس نے آ کر رہنا ہے۔جو مرضی ہو جائے وہ مل کر رہتا ہے۔

رزق آسمانوں میں ہے:

ہمارے ایک اور بڑے قریبی ساتھی ہیں، وہ دفتر میں کام کرتے تھے۔ساری عمر دفتر میں کام کرتے کرتے ریٹائرمنٹ لی۔اللہ کی شان کہ ان کو کوئی دس پندرہ لاکھ روپے دفتر کی طرف سے ریٹائرمنٹ بینیفٹ کے طور پر ملے، انہوں نے سوچا کہ میں اپنے بچوں کے لئے کہیں انویسٹ کر دیتا ہوں۔ایک ان کا جاننے والا تھا، ان کو انہوں نے وہ دس پندرہ لاکھ دے دیے کہ بھئی اس کو تم بزنس میں ڈال لو منافع میں مجھے حصہ دیتے رہنا۔وہ آدمی بدنیت تھا، اس نے دو سال میں وہ سارے کے سارے پیسے زیرو کر کے ان کو کہہ دیا کہ ایک پیسہ بھی نہیں ہے۔کہنے لگے جس دن اس نے مجھے یہ کہا کہ اب کوئی پیسہ نہیں۔وہ رات پوری مجھے نیند نہیں آئی کہ میں نے پوری زندگی کی کمائی اس کے حوالے کی اور اس نے یوں میرے ساتھ دھوکا کیا۔میں اب کیا کروں گا، ریٹائر ہو چکا ہوں، نوکری مل نہیں سکتی، کاروبار آتا نہیں۔میں نے سوچا میں کسی اللہ

والے کے پاس جاتا ہوں۔ کہنے لگے، ایک اللہ والے کے پاس گیا، آنکھوں میں آنسو لیے روداد سنائی کہ مظلوم ہوں، میں کیا کروں؟ میں اس سے زبردستی بھی نہیں کرسکتا، لڑائی جھگڑے والا میں بندہ نہیں۔ کہنے لگے، انہوں نے میری بات تسلی سے سنی اور سن کر فرمانے لگے کہ یہ بتاؤ کہ تمہارا رزق کس کے ذمے ہے۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ کے۔

﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ﴾

جو بھی زمین میں ہے اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے۔

کہنے لگے انہوں نے دوسری بات یہ پوچھی کہ یہ بتاؤ کہ تمہارا رزق زمین میں ہے یا آسمان میں ہے۔ یہ سوال تھوڑا مشکل تھا، میں نے کہا حضرت آپ بتائیں! کہنے لگے قرآن پاک کہہ رہا:

وَ فِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ　[لوگو تمہارا رزق آسمانوں میں ہے]

خزانے ہمارے پاس آسمانوں میں ہیں۔ ہم وہاں سے تمہارا رزق آہستہ آہستہ اتارتے ہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ جب رزق آسمانوں میں ہے تو تمہارا رزق تو وہاں پڑا ہوگا۔ جس نے تمہارے پیسے ضائع کیے دنیا کے ضائع کیے ہیں، جو اوپر تمہارا سرمایہ ہے وہ تو نہیں ضائع کیا، کہنے لگا نہیں۔ کہنے لگے قدم بڑھاؤ، ایک وعدہ کرو میرے ساتھ: دل میں یہ سوچو! اے اللہ! میں رزق حلال کے لئے قدم بڑھا رہا ہوں۔ میرے اوپر رحمت فرما! میں کسی بندے کے ساتھ زیادتی نہیں کروں گا، میرے ساتھ کوئی زیادتی کرے گا تو میں تیری رضا کے لئے اس کو معاف کردوں گا۔ انہوں نے کہا کہ اس پہلے کو بھی معاف کردو! اللہ معافی کو پسند کرتے ہیں اور اپنا کام کرو! خود وہ کہنے لگا: میں نے اپنا کام چند ہزار روپے سے شروع کیا اللہ رب العزت نے میرا کام ایسا سمیٹ دیا۔ اس کی رحمت نے ایسا میرا ہاتھ پکڑ لیا کہ اگلے چند سالوں میں وہ آدمی

کروڑوں روپے کی مالیت کا مالک بن چکا تھا۔ کہنے لگا: اس وقت میں کروڑوں میں ڈیل کرتا ہوں جب کہ ایک وقت تھا کہ جب ہزار مشکل سے کہیں سے ملتے تھے۔تو پریشانی کس بات کی؟ اس لئے جب اللہ رب العزت رزق دیں، تو بندہ حرام کی طرف قدم نہ اٹھائے، حلال کی طرف سوچے اللہ برکت دینے والے ہیں، وہ عطا فرما دیتے ہیں۔

بخل کا علاج:

اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بندے میں بخل کی بیماری ہے تو کیا کرنا چاہیے۔امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا ایک ہی حل ہے، اپنے دل پر جبر کر کے اپنے مال کو اللہ کے لئے خرچ کرو! جب خرچ کرنے لگ جاؤ گے، پھر دل بھی اس میں دلچسپی لینا شروع کر دے گا۔ یہ ایسا ہی ہے کہ بعض دفعہ بندے کو پوچھو کہ کھانا کھانا ہے؟ کہتا ہے نہیں بھوک نہیں ہے۔ بھائی ایک لقمہ لے لو! وہ بندہ ایک لقمہ لینے بیٹھتا ہے تو دو روٹیاں کھا کے اٹھتا ہے۔ یہی حال اس کا بھی ہے کہ اگر دل بخیل ہے تو آپ دل پر جبر کر کے اللہ کے راستے میں خرچ کرائیں۔ جو حقوق العباد ہیں اس پر خرچ کریں، جب خرچ کرنے لگیں گے اللہ رب العزت خود بخود دل کو بھی اس کے مطابق ہی ڈھال دیں گے۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سخاوت:

لہٰذا کچھ خوش نصیب ہوتے ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ مال بھی دیتا ہے اور وہ اس مال کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کر رہے ہوتے ہیں۔ جیسے سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خوب خرچ کرتے تھے۔کبھی مسلمانوں کے لئے پانی کا کنواں لے کر وقف کر رہے ہیں،کبھی پورا کا پورا قافلہ اونٹوں کا سامان سے بھرا ہوا اللہ کی راہ میں دے رہے ہیں۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اللہ رب العزت نے مال بھی خوب دیا اور انہوں نے اللہ کے لئے اس کو استعمال بھی خوب کیا، چنانچہ مشہور ہے کہ مدینہ طیبہ میں پانی کی کمی تھی۔ ایک کنواں تھا، جو یہودی کا تھا اور وہ پانی بیچتا تھا، لوگوں کو بڑی تنگی تھی کہ پانی خریدنے کیلئے پیسے دینے پڑتے تھے۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس کے پاس گئے بھئی کنواں بیچ دو۔ اس نے کہا میں کیوں بیچوں؟ مجھے تو پیسے ملتے ہیں۔ بھئی! منہ مانگی قیمت لے لو، اس نے کہا: نہیں یہ تو میرا بزنس ہے۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی بزنس مین تھے، فرمانے لگے: میں تجھے ایک مشورہ دیتا ہوں اگر تجھے اچھا لگے! کیا؟ فرمانے لگے: پوری قیمت جو تمہاری سمجھ میں آتی ہے وہ بھی لے لو اور آدھا پانی مجھے بیچ دو! اس نے سوچا، ہاں یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ پیسے بھی پورے مل گئے جو میں چاہتا ہوں اور ایک دن میں پانی نکالوں گا ایک دن یہ نکالیں گے۔ کوئی بات نہیں پانی تو میں پھر بھی بیچتا رہوں گا، چنانچہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس کو پیسے دے دیے اور ایک دن خود نکالنے لگے ایک دن وہ نکالنے لگا۔ چند دن میں جب ہر چیز سیٹ ہوگئی تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اعلان کروا دیا کہ میری باری کے دن جو پانی بھرے گا مفت پانی لے جائے۔ اب لوگوں کو ایک دن پانی مفت ملنے لگا تو پیسے سے کون خریدے، سب لوگ مفت والے دن آ کے بھرتے اور دوسرے دن انتظار کر لیتے۔

چند دنوں میں یہودی کے پاس گاہک ہی کوئی نہیں رہا، پھر وہ آیا کہ جی میں باقی آدھا حصہ بیچنے آیا ہوں، تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس کو کچھ اور پیسے دے کر وہ باقی بھی خرید لیا اور اللہ کے راستے میں مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔ دیکھا...... یہ تھے جن کو اللہ نے عطا کیا تھا۔ دیکھو اللہ نے نعمت دی، انہوں نے اس نعمت کو کیسے استعمال کیا۔

سات سو گنا منافع:

مدینہ طیبہ میں گندم ختم ہوگئی، قحط پڑ گیا، لوگ پریشان تھے، عین انہی دنوں۔

عثمان غنی ﷛ کا ایک قافلہ جو کئی سو اونٹوں پر مشتمل تھا، وہ گندم لے کر بلادِ شام کی طرف سے آ گیا۔ اب جیسے ہی وہ آیا تو جو تھوک والے بیوپاری تھے وہ سب آ گئے کہ عثمان ہمیں بیچ دو پھر ہم آگے بیچتے رہیں گے۔ پوچھا کیا دو گے؟ انہوں نے کہا جو قیمت چل رہی ہے اس سے دوگنی دیں گے۔ فرمایا، تھوڑی ہے۔ ایک نے کہا تین گنا قیمت دیں گے۔ فرمایا، تھوڑی ہے۔ چار گنا دیں گے، تھوڑی ہے...... بڑھتی گئی قیمت...... حتیٰ کہ گندم کی اتنی شارٹج تھی کہ مدینہ کے بیوپاریوں نے دس گنا قیمت دینے کیلئے کہہ دیا۔ ذرا سوچیے کہ دس گنا نفع کتنا ہوتا ہے؟ آپ سو روپے کی چیز خریدیں اور ہزار روپیہ میں بک جائے تو یہ ہوتی ہے دس گنا قیمت۔ جب دس گناہ قیمت لگ گئی اور عثمان غنی ﷛ نے پھر بھی انکار کر دیا تو دو چار بیوپاری مل کر آئے۔ عثمان! کیا چاہتے ہو؟ اتنا ہم پیسہ دے رہے ہیں اور پھر بھی بیچنا نہیں چاہتے۔ عثمان غنی ﷛ نے کہا کہ آپ لوگ مجھے نفع تھوڑا دے رہے ہیں۔ عثمان! دس گنا قیمت دے رہے ہیں ہم آپ کو یہ تھوڑا نفع ہے! فرمانے لگے: ہاں تھوڑا نفع ہے۔ تو بھئی! زیادہ نفع کون دے گا؟ کہنے لگے: ایک ایسا خریدار ہے جو میرے اس مال کو سات سو گناہ پرافٹ پر خریدتا ہے، میں اس کو دے رہا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے سینکڑوں اونٹوں کا غلہ اسی وقت سارے کا سارا مدینہ کے لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں: ہم ایک دانے کو سات سو دانے بنائیں گے، اس لیے فرمایا: میرے پاس ایک ایسا خریدار ہے جو میرے مال کو سات سو گنا منافع پر خریدے گا۔

تو اللہ رب العزت جن کو یہ نعمت دیتا ہے۔ وہ اس نعمت کے ذریعے پھر اللہ کا قرب بھی پاتے ہیں اور جنت کے درجے بھی پاتے ہیں۔

دنیا کے سیٹھ اور جنت کے سیٹھ

یہ ذہن میں رکھنا ہماری ضروریات صرف یہاں نہیں ہیں۔ میرے دوستو! یہاں

تو ہم ستر یا اسی سال ہیں اور آگے تو ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ تو بزرگ فرماتے تھے: جتنا یہاں رہنا ہے، اتنا یہاں کے لئے کوشش کرلو اور جتنا آگے رہنا ہے اتنا آگے کے لئے کوشش کرلو۔ اللہ تعالیٰ جس بندے کو دنیا کا سیٹھ بنائے، اسے لازماً کوشش کرنی چاہیے کہ نیک کاموں میں خرچ کرے تاکہ اللہ تعالیٰ اسے جنت کا بھی سیٹھ بنادے۔

مالدار یا مال کے چوکیدار:

یاد رکھیں! کچھ لوگ مالدار ہوتے ہیں اور کچھ مال کے چوکیدار ہوتے ہیں۔ مالدار تو وہ ہوا کہ جس کو اللہ نے دیا بھی خوب اور وہ اللہ کے راستے میں خرچ بھی خوب کررہا ہے۔ اللہ کی رضا کے لئے دائیں ہاتھ سے خرچ کرتا ہے، بائیں ہاتھ کو پتہ نہیں چلنے دیتا۔ یہ اپنی آخرت بنارہا ہے اور چوکیدار وہ ہوا جو صبح اٹھ کے بینک سٹیمنٹ دیکھتا ہے، اب اکاؤنٹ میں اتنا فلاں جگہ اتنا فلاں جگہ پیسہ موجود ہے۔ یہ حقیقت میں مال کا چوکیدار ہے۔ یہ بندہ کچھ سالوں کے بعد یہاں سے چلا جائے گا، اولاد اس مال پر عیاشی کرے گی اور باپ کو قیامت کے دن اس کا حساب دینا پڑے گا۔

صدقہ مال کو کم نہیں کرتا:

اس لئے اللہ کے راستے میں خوب خرچ کریں۔ نبی علیہ السلام نے قسم کھا کر فرمایا جو بندہ اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس صدقہ کی وجہ سے اس کے مال کو کم نہیں ہونے دیتے۔ مال ہمیشہ زیادہ ہوتا ہے صدقہ کی وجہ سے۔ نبی علیہ السلام ویسے ہی کوئی بات فرمادیتے تو بہت کافی تھی سچائی کے لئے لیکن آپ نے قسم کھا کر یہ بات ارشاد فرمائی کیا اب بھی ہم یقین نہ کریں۔

اس لئے نبی علیہ السلام فرماتے تھے۔

انفق بلال ولا تخش من ذی العرش اطلالا

بلال خرچ کرو اور عرش والے سے تم کمی کی امید نہ کرو۔ کم نہیں ہونے دے گا۔

نفق کے معنی:

خرچ کرنے کو انفاق کہتے ہیں۔ انفاق کیوں کہتے ہیں؟ عربی کا ایک لفظ ہے نفق۔ ''نفق'' کہتے ہیں ٹنل (Tunnel) کو جس کے معنی سرنگ کے ہوتے ہیں۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ ٹنل میں سے پہلے والی ٹریفک نکلتی ہے تو پھر نئی داخل ہوسکتی ہے۔ اسی طرح یہ جو اللہ کے راستے میں بندہ خرچ کرتا ہے اس میں بھی یہی ہے کہ پہلے خرچ کرتے ہیں تو پھر اور آ جاتے ہیں۔ سبحان اللہ کیا Concept دیا۔ فرمایا: نکالو گے تو اور بھیجیں گے نہیں نکالو گے تو بھیجیں گے بھی نہیں۔ اس لئے بعض علماء نے فرمایا:

اَنْفِقْ اُنْفِقَ عَلَيْكَ

[خرچ کرو تم پر خرچ کیا جائے گا]

یعنی تم اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرو گے اور اللہ تعالیٰ تمہیں عطا کرے گا۔

اور یہ بھی فرمایا:

اَنْفِقْ يُنْفِقَ عَلَيْكَ

[خرچ کرو، اللہ تم پر خرچ کرے گا]

اور بعض بزرگوں نے فرمایا۔

اَنْفِقْ مَا فِي الْجَيْبِ يَأْتِيْكَ مِنَ الْغَيْبِ

خرچ کرو جو تمہاری جیب میں ہے، تو آئے گا جو کچھ کہ غیب میں ہے۔

انگلش میں کسی نے اس کا ترجمہ کیا

Spend and God will send

خرچ کرو اللہ اور بھیجے گا

کر Spend نہیں ہوگا۔تو Send بھی نہیں ہوگا۔ چنانچہ دین کے لئے خرچ نہیں کرتے۔اللہ تعالیٰ اوپر سے بھیجتے نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ڈاکیے:

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں جن کو اللہ رب العزت اس لئے رزق زیادہ دیتا ہے کہ وہ ان کے ذریعے سے اپنی مخلوق کو پہنچانا چاہتا ہے، یہ ڈاکیے ہوتے ہیں۔ اللہ ان کی ضرورت سے بہت زیادہ ان کو دے دیتا ہے، اگر یہ اس پیسے کو اللہ کی مخلوق تک نیک کاموں تک پہنچاتے رہیں گے، اللہ ان کو برکت دیتے رہیں گے، جب یہ پہنچانا چھوڑ دیں گے، اللہ ان کی بجائے کسی اور کو اپنا ڈاکیا متعین فرمالیں گے۔تو معلوم ہوا کہ جب اللہ رب العزت زیادہ کسی کو نعمت دیتا ہے تو ساری اس کی اپنے پیٹ کے لئے تو ہوتی نہیں، اس میں اوروں کا بھی حصہ ہوتا ہے۔تو انسان، اہلِ خانہ پر خرچ کرے، قریبی رشتہ داروں پر خرچ کریں، غرباء، مساکین، مساجد، مدارس جو اللہ کے کام ہیں ان پر خرچ کرے اور اپنی آخرت کو بنائے۔

مال کے خرچ سے مال کی آمد کا اندازہ ہوتا ہے:

جب اللہ تعالیٰ مال بڑا دے تو دل بھی بڑا مانگے۔ مال بڑا ہونا اور چیز ہے اور دل بڑا ہونا اور چیز ہے، ان دونوں میں فرق ہے۔ کتنے ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے پاس مال پیسہ تو بہت ہوتا ہے لیکن خیر کے کاموں پر خرچ کرنے کی توفیق نہیں ملتی۔

ہم نے ایک مرتبہ واشنگٹن میں دارالھدیٰ کے نام سے ایک مرکز بنایا۔الحمد للہ لوگوں کے اندر خوشی کی لہر چل رہی تھی۔ 2.5 ملین ڈالر کی وہ عمارت تھی جس کی فائنل

Show تھا لوگ اس پر گئے ہوئے تھے، حضرت! میں بھی وہاں گیا
تھا اور بھی بڑے لوگ وہاں گئے ہوئے تھے۔ اس نے پتہ نہیں کیسے اسی بندے کا نام لیا
کہ حضرت سب سے آگے ٹکٹ خریدنے والا وہ بندہ تھا اور اس نے اپنے گھر کے گیارہ
بندوں کے لئے سوڈالر فی آدمی کے حساب سے ٹکٹ خریدے۔ حیران رہ گئے کہ جو
بندہ آکر بیان دے رہا ہے کہ میں دس ڈالر مسجد کے لئے نہیں خرچ کر سکتا، وہ کسی کا گانا
سننے کے لئے گھر کے گیارہ افراد کے لئے سوڈالر کے حساب سے گیارہ سوڈالر کی ٹکٹ
وہاں خرید رہا تھا۔ اس دن یہ بات سمجھ میں آئی کہ واقعی اگر اللہ تعالیٰ حلال کا مال دیتا
ہے تو پھر اس کو خیر کے راستے میں خرچ کرنے کی توفیق دیتا ہے، جب حلال کا نہیں
ہوتا تو خیر پر خرچ کرنے کی توفیق ہی نہیں ہوتی۔ مسجد کے لئے دس ڈالر کی توفیق نہیں
تھی اس بندے کو اور معصیت کے لیے گیارہ سوڈالر خرچ کر رہا ہے۔

اسی لیے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہم مال کے خرچ کرنے سے مال
کی آمد کا اندازہ لگا لیا کرتے تھے۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ مال خرچ کہاں ہو رہا ہے، ہمیں
پتہ چل جاتا ہے کہ مال کی آمد کیسی ہے۔ اگر دین پر خرچ ہو رہا ہے تو اس کا مطلب ہے
مال حلال ہے اور اگر برائیوں پر خرچ ہو رہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ مال حرام کا
ہے۔

اللہ رب العزت ہمیں یہ نعمت عطا بھی فرمائے اور اس نعمت کو اپنی مرضی کے
مطابق استعمال کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائے۔

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حسد

از افادات

پیر طریقت رہبر شریعت مفکر اسلام

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

حسد

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِo بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o
وَدَّ کَثِیْرٌ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ لَوْ یَرُدُّوْنَکُمْ مِّنْ بَعْدِ اِیْمَانِکُمْ کُفَّارًا
حَسَدًا مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِہِمْ (البقرۃ:۱۰۹)
وقال اللہ تعالیٰ فی مقام آخر
فَسَیَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا (فتح: ۱۵)
وَ قَالَ اللّٰہُ فِی مقام آخر .
وَ مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَo
سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَo وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ o
وَ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّم

حسد ایک روحانی بیماری:

حسد ایک روحانی مرض ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب کسی کو کوئی نعمت ملے تو دوسرے بندے کو وہ بری لگے۔ یہ جو ناپسندیدگی کا جذبہ ہے،اس کو حسد کہتے ہیں۔
چنانچہ اس بیماری کی بد تعریفی یہ ہے،تعریف تو کہہ نہیں سکتے۔اس بیماری کی بد تعریفی یہ ہے:

الحسد ھو تمنی زوال نعمۃ عن صاحبھا سواء کان نعمۃ دین

او دنیا

[کہ حسد وہ خواہش ہے کہ دوسرے ساتھی کے پاس نعمت زائل ہو جائے، وہ نعمت دین کی ہو یا دنیا کی]

یعنی کسی بندے کو اللہ نعمت دے تو دوسرا بندہ یہ چاہے کہ یہ نعمت اس سے چلی جائے، نعمت بھلے دین کی ہو یا دنیا کی ہو، اس کیفیت کو حسد کہتے ہیں۔ شریعت نے اس کو گناہ کبیرا اور حرام قرار دیا ہے۔ اس کا تعلق انسان کے نفس کے ساتھ ہے۔ عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں کہ شاید دل میں حسد ہوتا ہے، نہیں اس کا تعلق نفس کے ساتھ ہے۔ چنانچہ قرآن مجید سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ حَسَدًا مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ ﴾

عرش پر پہلا گناہ:

اس کی سب سے پہلی مثال عرش پر ظاہر ہوئی۔ عزازیل عبادت کرتے کرتے سب سے بڑا عبادت گزار بن چکا تھا، زمین کے چپے چپے پر اس نے سجدہ کیا، یہ طاؤس الملائکۃ بن گیا تھا۔ اللہ رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور پھر فرشتوں کو حکم دیا:

اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ [آدم کو سجدہ کرو]

اب اس کو یہ بات مشکل نظر آئی، چنانچہ سب فرشتوں نے تو سجدہ کیا اور یہ صاحب کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ پوچھا کہ بھئی کیوں سجدہ نہیں کیا؟ کہنے لگا انا خیر منه میں اس سے زیادہ اچھا ہوں۔ گویا حضرت آدم علیہ السلام کو جو فضیلت ملی جو نعمت ملی اس کو وہ نعمت کا ملنا اچھا نہ لگا، پہلے اعتراض کیا پھر اس پر دلیلیں باندھنے لگا۔ اس کو اصل میں حضرت آدم علیہ السلام سے حسد ہوا کہ یہ چیز مجھے ملنی چاہیے تھی اور یہ کل کے پیدا ہونے والے آدم علیہ السلام کو مل گئی، تو حسد کی وجہ سے یہ گناہ آسمان پر ہوا۔ نتیجہ کیا نکلا کہ

اللہ رب العزت نے اپنے دربار سے دھتکار دیا۔ اور فرمایا:

اِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ

[تجھ پر قیامت تک کے لئے میری لعنتیں برسیں گی]

تو حسد کا گناہ سب سے پہلے عرش پر ہوا۔ اور یہ اتنا بڑا گناہ کہ طاؤس الملائکۃ جیسے عبادت گزار کو اللہ رب العزت نے اپنے دربار سے دھکا دے دیا۔

فرش پر پہلا گناہ:

اس گناہ کا دوسرا اظہار فرش پر ہوا۔ چنانچہ تاریخ انسانیت کا سب سے پہلا جرم اور واقعہ حسد کی وجہ سے ہوا۔ شروع میں حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد جب ہوتی تھی تو لڑکا اور لڑکی ایک ساتھ پیدا ہوتے تھے، دوسری مرتبہ ولادت میں پھر لڑکا اور لڑکی پیدا ہوتے۔ نسل بڑھانے کے لئے پروردگار عالم کی طرف سے قانون یہ تھا کہ پہلی مرتبہ جو لڑکا پیدا ہوا اس کا دوسری دفعہ پیدا ہونے والی لڑکی سے نکاح ہو اور دوسری مرتبے کے لڑکے کا پہلی لڑکی سے نکاح ہو۔ قابیل اور ہابیل دونوں بھائی تھے، آدم علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ ہابیل کی بیوی بہت خوبصورت تھی، قابیل نے چاہا کہ یہ مجھے ملتی، اس کے دل میں حسد پیدا ہوا۔ دیکھو کہ تفصیل وہی کہ اگر کسی کو کوئی نعمت ملے اور اس کو بری لگے کہ اس کو کیوں ملی؟ چنانچہ قابیل کو یہ بات بری لگی اپنے بھائی سے حسد شروع کر دیا۔ یہ حسد اتنا بڑھا کہ اس نے سوچا کہ میں اس کو قتل ہی کر دوں، چنانچہ اس نے کہا میں تمہیں مار ڈالوں گا۔ بھائی نیک تھا، اس نے آگے سے جواب دیا:

لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ (المائدہ: ۲۸)

[تو اگر اپنا ہاتھ بڑھائے گا کہ مجھے قتل کرے، میں ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا کہ تمہیں قتل کروں کیونکہ میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں]

اب دیکھئے کہ جس کے پاس نعمت ہو اس کو یوں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے، نعمت کی قدر کرنی چاہیے اور یہ بے قدرا کہنے لگا کہ قتل کر دوں گا، چنانچہ اس نے قتل کر دیا۔ یہ واقعہ قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے بیان فرما دیا۔ تاریخ انسانیت کا یہ پہلا واقعہ ہے جو کتاب اللہ میں محفوظ ہے اور اس گناہ کا سبب حسد بنا۔

حسد کی علامات:

تو ایک گناہ عرش پر ہوا وہ بھی حسد کی وجہ سے اور پھر ایک گناہ فرش پر ہوا اور وہ بھی حسد کی وجہ سے، پھر یہ حسد آگے چلتا رہا۔ قابیل فطرت کے لوگ جتنے بھی تھے ان سب نے اس میں سے حصہ پایا۔ چنانچہ کسی کو کسی کی دولت پر حسد...... کسی کے علم پر حسد...... کسی کے عمل پر حسد...... کسی کی اولاد کے اچھا ہونے پر حسد...... کسی کی صحت پر حسد...... کسی کے پاس کوئی اللہ کی نعمت ہوتی ہے جو اس بندے کو بری لگتی ہے اور اس کے دل کے اندر بے چینی اور پیٹ میں مروڑ اٹھتے ہیں، اپنے بس میں نہیں ہوتا۔ یہ روحانی اعتبار سے بیمار ہے۔ ایسے Symptoms (علامات) ہوں تو اس مرض کو حسد کہتے ہیں۔

ہمارے مشائخ نے کتابوں میں یہ بات بھی لکھی کہ حسد کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ جس سے حسد ہوتا ہے اگر اس پر کوئی آزمائش آجائے، کوئی برا حال آجائے تو یہ حاسد آدمی خوشی مناتا ہے، خوش ہوتا ہے کہ اچھا ہے اب پھنسا ہے۔ کسی کو مصیبت میں مبتلا دیکھ کر خوشی منانے والا خود خطرے میں ہوتا ہے۔ بسا اوقات اللہ تعالیٰ اس مصیبت والے کو مصیبت سے نجات دے دیتے ہیں اور اس بندے کو مصیبت میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ اس لئے کتنے حاسد ہیں جو حسد کی وجہ سے ایسی مصیبتوں کے اندر آجاتے ہیں۔ ایک دانا نے کہا کہ حسد کی آنکھیں نہیں ہوتیں مگر کان بہت بڑے ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس بندے کے بارے میں اتنی سی بھی کوئی بات کرے

اس کی پک اپ بہت زیادہ ہوتی ہے۔ حاسد فورا پک کرتا ہے اس سگنل کو کہ اس کی بات کہی جا رہی ہے۔

یہود کا حسد:

اس حسد کا کامل اظہار نبی ﷺ کے دور مبارک میں ہوا اور وہ حسد یہود کو ہوا۔ نبی علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے تین قسم کے لوگ تھے ایک قوم یہود تھی۔ یہ صاحب علم لوگ تھے، ان کے پاس کتاب کا علم تھا۔ اپنے وقت کے مولوی اور مفتی تھے۔ لوگ آ کر ان سے باتیں پوچھا کرتے تھے مگر علم کی وجہ سے ان کے اندر تکبر آ گیا، نخرے میں تھے اور کہا کرتے تھے:

نَحْنُ اَبْنَاءُ اللّٰهِ وَ اَحِبَّاءُ ہٗ

[ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پسندیدہ ہیں]

دوسرے لوگ عیسائی تھے، جن کی اپنی ایک حکومت تھی اور وہ Established (ترقی یافتہ) زندگی گزارتے تھے اور ایک مشرک تھے جو جزیرہ عرب میں رہتے تھے، وہ بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ اب ان تینوں میں سے علم کی نسبت یہود کی طرف ہوتی تھی۔ ان کے پاس جو کتاب تھی اس میں نبی آخر الزمان کے تشریف لانے کی پوری پوری نشانیاں لکھی ہوئی تھی اور وہ منتظر تھے کہ وہ کب آئیں گے اور ان کے آنے سے ہمارے اوپر فتوحات اور برکات کے دروازے کھلیں گے۔ تورات کے اندر نبی علیہ السلام کی تشریف لانے کی نشانیاں پوری موجود تھیں۔ انجیل میں بھی موجود تھیں۔

ذَالِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاتِ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ (الفتح:٢٩)

[ان کے یہی اوصاف تورات میں مرقوم ہیں اور یہی انجیل میں]

چنانچہ انہوں نے ان نشانیوں کو پڑھ کر مختلف جگہوں سے اس جگہ کی طرف اپنا

رخ کیا جہاں آپ کی آمد متوقع تھی۔ آپ غور کریں کہیہود مکہ مکرمہ میں آباد نہیں ہوئے، یہود کی تمام بستیاں مدینہ کے گرد تھیں۔ چونکہ ان کی کتاب ان کو بتارہی تھی کہ نبی آخر الزمان نے آنا ہے تو ان نشانیوں کے ساتھ اس علاقے میں آنا ہے۔ چنانچہ مدینہ اور مدینہ کے قریب بنو قریظہ اور یہ سارے لوگ جو آباد تھے۔ حقیقت میں یہ منتظر تھے نبی علیہ السلام کے تشریف لانے کے، اتنا انتظار تھا کہ جب ان کو کوئی مسئلہ بن جاتا تھا۔

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (البقرۃ:۸۹)

[وہ پہلے ہمیشہ کافروں پر فتح مانگا کرتے تھے]

نبی علیہ السلام کی برکت سے کافروں کے اوپر فتح مانگا کرتے تھے کہ نبی علیہ السلام جو آرہے ہیں اس کی برکت سے اللہ ہمیں فتح عطا فرما۔ چنانچہ ان کی کتابوں میں تھا کہ جب بچہ پیدا ہوگا تو آسمان پر ایک سرخ ستارہ نمودار ہوگا۔ یہ اس کے بھی انتظار میں تھے۔ اللہ کی شان کہ سرخ ستارہ نمودار ہوگیا تو یہود کے گھروں میں ایک تہلکہ مچ گیا کہ جس کا انتظار تھا وہ آگیا۔ ان کے علماء نے کہا کہ پتہ کرو کہ کہاں کہاں پر بچے کی پیدائش متوقع ہے۔ پتہ چلا کہ پورے مدینے کے اندر جتنی بھی عورتیں حمل سے ہیں، ان میں سے کسی کی بھی ڈلیوری (وضع حمل) قریب نہیں ہے، ابھی کافی ایام ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ یہاں تو بچے کی ولادت ممکن نہیں۔ بڑے پریشان کہ پیدائش مدینہ میں نہیں ہورہی تو پھر کہاں ہورہی ہے؟ پھر خیال آیا کہ چلو مکہ میں پتہ کرتے ہیں۔ انہوں نے مکہ کے اندر اپنے بندے بھیجے اور وہاں سے معلوم کروایا۔ یہ چھوٹا سا شہر تھا جائزہ لیا گیا تو بہت سی عورتیں امید کے ساتھ تھیں۔ مگر ان میں سے بھی بہت سی عورتوں کی ابھی تاریخ باقی تھی۔ صرف ایک عورت تھی جس کا نام آمنہ تھا اور وہ حضرت عبداللہ کی اہلیہ عبدالمطلب کے گھرانے سے تھیں۔ وہ امید سے تھیں اور ان کی ولادت کا وقت بالکل قریب تھا۔

جب یہود کو یہ معلوم ہوا تو ان کے گھروں کے اندر تو صف ماتم بچھ گئی۔ اور اس دن سے نبی علیہ السلام کے ساتھ ان کو حسد ہونا شروع ہو گیا۔

حسد کی وجہ:

حسد کیوں پیدا ہوا؟ کہ یہود بنو اسحاق میں سے تھے اور نبی علیہ السلام کا سلسلہ نسب بنو اسماعیل میں سے تھا۔ ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے اسحاق علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام۔ یہود کا جو شجرہ نسب چلتا تھا وہ اسحاق علیہ السلام کے ذریعے آگے چلتا تھا اور وہ یہی توقع کرتے تھے کہ نبی آخر الزماں ہمارے ہی خاندان میں سے ہوں گے۔ چونکہ ہم اللہ کے پسندیدہ ہیں، اللہ کے بیٹے ہیں۔ لہٰذا وہ ہماری ہی نسل سے آئیں گے۔ جب یہ بات کھلی کہ نہیں وہ تو بنو اسماعیل میں سے ہیں۔ اب حسد شروع ہو گیا کہ یہ مقام، یہ نعمت ہمارے نسب کو ملنی چاہیے تھی۔

تو بنیاد سمجھ رہے ہیں کہ بندہ ایک نعمت کا اپنے آپ کو مستحق سمجھتا ہے۔ حالانکہ تقسیم تو اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے دے دے۔ تو وہ اللہ کی تقسیم پر راضی نہیں ہوتا کہتا ہے کہ ان کو کیوں یہ نعمت مل گئی۔ اس سے اس بندے کے دل کے اندر ایک آگ لگ جاتی ہے۔ اس آگ کے لگنے کا نام حسد ہے۔ چنانچہ اس وقت سے یہود کو مسلمانوں کے ساتھ ایک حسد رہا۔

ان کے پیغمبر علیہ السلام نے دعا مانگی تھی کہ یا اللہ! جس نبی آخر الزمان کا آپ نے تذکرہ کیا اور ان کے صحابہ کا تذکرہ کیا اور جو نعمتیں ان کو دینے کا وعدہ کیا، اے اللہ! وہ نعمتیں ہمیں بھی عطا فرما:

وَاكْتُبْ لَنَا فِىْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِى الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَا اِلَيْكَ

(الاعراف:١٥٦)

[اور ہمارے لیے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی، ہم

تیری طرف رجوع ہو چکے]

اللہ تعالیٰ نے آگے فرمادیا کہ وہ نعمتیں انہوں نے مانگی تھیں، وہ آپ اپنی امت کے لئے مانگ رہے ہیں۔ یہ نعمتیں، یہ مقام، یہ سعادتیں میرے محبوب آئیں گی اور جو ان کی اتباع کریں گے، ان کو ملیں گی۔

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ (الاعراف:۱۵۷)

[وہ جو امی نبی ورسول کی پیروی کرتے ہیں جن کو وہ اپنے ہاں تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں]

جو اس نبی امی کی اتباع کریں گے اس جماعت کو میں یہ سعادتیں عطا فرماؤں گا، وہ تو صحابہ کا تذکرہ تھا۔ اب جب یہود کو پتہ چلا کہ یہ تو بات ہی کچھ اور ہو گئی۔ اس وقت سے ان کے دلوں کے اندر مسلمانوں کے بارے میں حسد بغض اور کینہ بیٹھ گیا، اللہ تعالیٰ نے سچے کلام میں تصدیق کر دی۔ ارشاد فرمایا کہ:

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ آمَنُوا الْیَهُوْدَ (مائدہ:۸۲)

[کہ تم پاؤ گے کہ ایمان والوں میں سے سب سے زیادہ جن کو دشمنی ہو گی وہ یہود ہوں گے]

یہ پہچانتے تھے اندر سے ساری نشانیاں پوری ہو چکی ہیں۔ ایسے پہچانتے تھے کہ جیسے باپ اپنے بیٹے کو پہچانتا ہے۔

یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآئَهُمْ (البقرۃ:۱۴۶)

[یہ انہیں ایسے پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں]

مگر وہ حمیۃ الجاہلیہ جو ہوتی ہے اس کی بنا پر اس حقیقت کو انہوں نے تسلیم نہ کیا۔ چنانچہ ان کو نبی علیہ السلام سے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اتنا حسد پیدا ہوا کہ کائنات میں حسد کی ایسی مثال مل نہیں سکتی۔ چنانچہ اس حسد کے اندر انہوں نے کیا کچھ نہ کیا؟

نبی علیہ السلام اگر دیوار کے سائے میں بیٹھے ہیں تو ان کو شہید کرنے کے لئے پتھر پھینکا گیا۔ اگر کچھ کھانا چاہتے ہیں تو بکری کے گوشت میں زہر ملا کر بھیجا۔ اور کچھ نہیں بس چلا تو نبی علیہ السلام کو نقصان پہنچانے کے لیے جادو ٹونے شروع کر دیئے۔ دھاگوں پر پڑھ پڑھ کر گرہیں لگا لگا کر کنویں کے پتھروں کے نیچے دبائیں۔ اتنا حسد کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بالآخر فرمادیا کہ میرے محبوب حاسدین کے حسد سے پناہ مانگو:

وَ مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدْ

جتنا کمال بڑا ہوتا ہے اتنا حاسد کا حسد زیادہ ہوتا ہے۔ چونکہ نبی علیہ السلام جیسا کمال کسی کو نہیں ملا اس لئے ان کے مخالفین جیسا حسد بھی کسی نے نہیں کیا۔ تو ان حاسدین کا سامنا نبی علیہ السلام کو کرنا پڑا۔ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کی مدد فرمائی اور بالآخر حق غالب آیا۔ یہود کو شروع سے یہ جو حسد پیدا ہوا یہ آج تک امت مسلمہ کے ساتھ چلتا آرہا ہے۔

حسد کی وراثت:

تو حسد کی یہ تاریخ ہے اور مومنوں کو یہ حسد امت کی ابتدا سے بھگتنا پڑ رہا ہے۔ اور جس کو بھی نبی علیہ السلام کی وراثت سے حصہ ملے گا، اس کو حسد برداشت کرنا پڑے گا۔ کیونکہ دستور یہ ہے کہ جو وارث ہوتا ہے اس کو مورث کی ہر چیز میں سے حصہ ملتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر وراثت میں ایک سوئی بھی چھوڑی گئی ہو، تقسیم کے وقت اس کا بھی لحاظ کیا جائے گا۔ تو جب ایک سوئی کی تقسیم کا بھی خیال رکھا جائے گا۔ تو ہر ہر چیز میں سے حصہ ملے گا۔ معلوم ہوا کہ جو نبی علیہ السلام کے کامل وارث ہوں گے۔ ان کو ایسی عداوتوں اور دشمنیوں کا بھی سامنا کرنا پڑے گا۔ مگر ان کو وہی خلق اپنانا چاہیے جو نبی علیہ السلام نے اپنایا۔

اس امت میں بڑے علماء گزرے صلحاء گزرے اور ان سب کو اس حسد کا سامنا

کرنا پڑا۔

امام اعظمؒ ابوحنیفہ کے حاسد:

مثال کے طور پر امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، ان کو اتنے حسد کا سامنا کرنا پڑا کہ علماء امت میں سے شاید اتنا کسی اور کو کرنا پڑا ہو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں امام اعظم جو بنا دیا تھا۔ تو جو جتنا بڑا ہو گا حسد بھی اتنا ہی برداشت کرنا پڑے گا۔ جتنے کسی میں کمالات زیادہ ہوں گے، جتنے کسی پر اللہ تعالیٰ کے انعامات زیادہ ہوں گے، اتنا ہی اس کو حسد زیادہ برداشت کرنا پڑے گا۔ چنانچہ ان کے بھی حاسدین زیادہ تھے۔

لایعنی سوال:

ان کے حاسد ان کو ایذا پہنچانے کے لئے اور ستانے کے لئے کیسے کیسے طریقے اختیار کرتے تھے، اس سلسلے میں ایک واقعہ آپ کو سنا دوں۔ ایک مرتبہ آپ سوالوں کا جواب دے رہے تھے کہ ایک حاسد وہاں بھی پہنچ گیا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح میں ان کو چپ کرا دوں تا کہ سارے مجمع کو پتہ چل جائے کہ ان کو اس سوال کا جواب نہیں آتا۔ وہ دراصل آپ کو نیچا دکھانا چاہتا تھا۔ کہنے لگا، ابوحنیفہ! میں نے سنا ہے کہ آپ سوالوں کا جواب دیتے ہیں۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھئی پوچھو۔ کہنے لگا جی مجھے یہ بتائیں کہ پاخانے کا ذائقہ کیسا ہوتا ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ میں ایسی بات کروں کہ جس کا جواب نہ ہو۔ مگر اللہ رب العزت نے بھی ان کو بلا کا ذہین بنایا تھا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے لوگ فقہ میں ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بال بچے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو قوتِ استدلال اتنی دی تھی کہ اگر لکڑی کے ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہیں ایسی دلیلیں دیں گے کہ مخاطب کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا۔ جب اس نے پوچھا کہ بتائیں پاخانے کا ذائقہ کیسے ہوتا ہے۔

آپ نے فرمایا میٹھا ہوتا ہے۔تو وہ حیران ہو کر پوچھنے لگا کہ اس کی کیا دلیل ہے۔آپ نے فرمایا، اس لئے کہ نمکین چیز کے اوپر مکھیاں نہیں بیٹھا کرتیں۔تو اللہ تعالیٰ نے ان کو عجیب کمال عطا کیا تھا۔

حسد کی انتہا:

اس حسد کے عجیب وغریب واقعات ہیں۔لیکن ایک واقعہ تو بہت ہی عجیب ہے کہ یہاں تک بھی حاسد جا سکتے ہیں۔بعض حاسد نے مل کر پروگرام بنایا کہ ان کی کسی طرح عوام میں Public insult (جگ ہنسائی) کروائیں۔جب پبلک انسلٹ ہو گی تو پھر ہم لوگوں سے کہیں گے کہ ایسے بندے کی بات ماننے کی کیا ضرورت ہے۔چنانچہ انہوں نے ایک منصوبہ بنایا۔یہ مسجد سے جب اپنے گھر آیا کرتے تھے۔راستے میں ایک بیوہ کا گھر تھا، اس بیوہ کو تیار کیا کہ تجھے ہم مال پیسہ دیں گے۔تو صرف یہ کر کہ کسی بہانے سے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے گھر میں بلا لے۔ ایک طرف غربت تھی ایک طرف اتنی دولت تھی۔وہ سمجھی کہ شاید یہ ان سے کوئی بات کرنا چاہتے ہیں تو چلو میں کسی بہانے میں ان کو گھر بلاتی ہوں۔چنانچہ آپ اپنے گھر آ رہے تھے کہ وہ عورت جلدی سے اپنے گھر کے دروازے سے نکلی، چادر میں تھی۔کہنے لگی، اے گزرنے والے! گھر میں کوئی مریض ہے جس کا آخری وقت ہے، سکرات کی حالت میں ہے اور وہ وصیت کرنا چاہتا ہے، مجھے سمجھ نہیں آ رہی تم ذرا اس کی وصیت سن لو۔شریعت کا حکم ہے کہ اگر مرنے والا وصیت کر رہا ہو تو قریب جو بندہ بھی ہو وہ اس کی وصیت کو سنے۔یہ چیز واجب کے درجے میں آ جاتی ہے۔اب جب اس نے یہ کہا تو امام صاحب نے اعتماد کر لیا کہ میں اس کی بات سن لیتا ہوں۔جیسے ہی دروازے سے اندر قدم رکھا، حاسدین تو پہلے سے چھپے بیٹھے تھے۔کیونکہ انہوں نے کہا

تھا کہ ہم نے کوئی بات کرنی ہے۔ اب انہوں نے امام صاحب کو گھیرا ڈال لیا۔ کہنے لگے، عشاء کے بعد رات کی تنہائی میں بیوہ کے گھر میں تمہارا آنا جانا ہے اور تم لوگوں کے امام بنے پھرتے ہو۔ عورت کو بھی یہ بات عجیب لگی۔ ان میں سے ایک بندہ بھاگ کر گیا اور جا کر حاکمِ وقت کو بتا دیا کہ جی شہر کی علمی محفل کا سب سے بڑا امام رات کی تنہائی میں ایک بیوہ کے گھر پایا گیا۔ اس کو نیند آرہی تھی اس نے آرڈر جاری کر دیئے کہ ان کو اور اس عورت کو جیل میں ڈال دو۔ میں صبح اٹھ کر مقدمہ سنوں گا۔

اب اس عورت کو بھی ساتھ پکڑ لیا گیا۔ وہ تو نہیں سمجھتی تھی کہ میرے اوپر یہ مصیبت بن جائے گی۔ چنانچہ امام صاحب اور اس عورت دونوں کو پکڑ کر جیل میں بند کر دیا گیا۔ حاسدین بغلیں بجاتے گھر گئے کہ اب صبح سب تیہ پانچہ ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیں پولیس نے ان دونوں کو ایک کمرے میں بند کر دیا۔ امام صاحب وضو سے تھے، انہوں نے اس اندھیرے میں نفل پڑھنے شروع کر دیئے۔ جو عادت تھی عشاء کے وضو سے فجر کی نماز۔ انہوں نے اپنا معمول شروع کر دیا۔ عورت ذات آخر عورت تھی سوچتی رہی میں بھی جوان العمر ہوں اور ان کی عمر بھی ایسی ہی ہے، تنہائی ہے اندھیرا ہے اگر ان کی طبیعت کے اندر کوئی برائی ہوتی تو یہ اس وقت مجھ سے برائی کے مرتکب ہوتے۔ یہ بندہ اس وقت بھی اپنے رب کی عبادت میں لگا ہوا ہے۔ اب اس کے دل کے اندر ندامت ہونی شروع ہوئی کہ میں نے ایسے آدمی کو جیل پہنچایا۔ چنانچہ اندر اندر وہ شرمندہ ہوئی۔ بالآخر جب آپ نے کچھ رکعتوں کے بعد سلام پھیر تو وہ آکر معذرت کرنے لگی کہ مجھے معاف کر دیں۔

اور اس نے پوری سٹوری ان کو سنا دی کہ اس طرح مجھ سے تو پیسوں کا وعدہ کیا گیا تھا، غربت کی وجہ سے میں نے ہاں کر لی تھی۔ امام صاحب نے جب ساری بات سن لی۔ امام صاحب فرمانے لگے اچھا اب میں تمہیں اس کا حل بتاتا ہوں۔ وہ کہنے لگی

کیا؟ کہنے لگے حل یہ ہے کہ یہ جو پولیس والا کھڑا ہے اس کو بلاؤ اور اس کو رو دھو کے کہو کہ میرا گھر میں ضروری کام ہے اور میں یہاں قید میں ڈال دی گئی ہوں اور صبح پتہ نہیں میرے بارے میں کیا فیصلہ ہو۔ تو تم مجھے لے کر میرے گھر جاؤ اور پھر واپس آ جاؤ میں اپنا کام سمیٹ کر آتی ہوں۔ عورت ذات ہو منت سماجت کرو گی تو مان جائے گا۔ اور اگر مان جائے تو تم سیدھا میرے گھر جانا اور میرے گھر جا کے میرے بیوی کو ساری بات بتا دینا اور یہ برقعہ اسے دے دینا اور اسے کہنا کہ یہی برقع پہن کر واپسی پر اس پولیس والے کے ساتھ میرے پاس آ جائے۔ چنانچہ اس عورت نے دو آنسو نکالے، اس وقت تو ویسے ہی نکلنے تھے دو کے بھی چار نکلے ہوں گے، اس کی منت سماجت کی۔ وہ پولیس والا کہنے لگا ٹھیک ہے۔ چنانچہ وہ ساتھ چلا اور یہ برقعے میں پیچھے پیچھے اب یہ سیدھا امام صاحب کے گھر پہنچی۔ ان کی اہلیہ کو جا کر پورا واقعہ سنایا اور برقعہ ان کو دے دیا۔ چنانچہ انہوں نے برقعہ پہنا اور پولیس کے ساتھ واپس آ گئیں۔ اب جب صبح ہوئی وقت کے حاکم نے دربار لگایا۔ سارے شہر کے حاسدین اکٹھے ہو کر آ گئے۔ آج ہم تماشا دیکھیں گے۔ پولیس آئی اور ان دونوں کو گرفتار کر کے دربار میں پہنچا دیا۔

حاکم وقت نے کہا ابو حنیفہ! تمہارے علم کا اتنا چرچا اور تم لوگوں کے مقتدا کہے جاتے ہو۔ اور تمہاری اخلاقی حالت یہ ہے کہ تم غیر عورت کے پاس عشاء کے بعد تنہائی میں ہوتے ہو۔ آپ نے فرمایا کون سی غیر عورت؟ وہ کہنے لگے یہ جس کے ساتھ تمہیں گرفتار کیا گیا۔ فرمایا یہ غیر تو نہیں یہ تو میری بیوی ہے۔ اس نے کہا نہیں یہ تمہاری بیوی کیسے؟ آپ نے فرمایا وہ میرے سسر کھڑے ہیں ان کو بلا لیں کہ وہ برقعے میں دیکھ لیں کہ یہ ان کی بیٹی ہے یا نہیں۔ اب سسر صاحب آ گئے انہوں نے دیکھا تو وہ کہنے میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ میری بیٹی ہے۔ میں نے گواہوں کی موجودگی میں ان کا نکاح کیا تھا۔ حاسدین کا یہ تصور بھی نہیں تھا کہ اس مصیبت کا یہ حل بھی نکل سکتا ہے۔

اللہ رب العزت نے امام صاحب پر رحمت فرمائی حاسدین پھر حسد کی آگ میں جلتے ہوئے واپس اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے عزت کے ساتھ امام صاحب کو بری فرمادیا۔

بتانا یہ مقصود ہے کہ حسد میں لوگ پتا نہیں کیا کیا کر جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس حسد کی آگ کو بجھائے ورنہ تو یہ آگ وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی رہتی ہے۔

حسد احادیث کی روشنی میں:

چنانچہ اس کا حدیث مبارک میں تذکرہ موجود ہے۔ سنیے صحاح ستہ کے اندر احادیث میں حسد کے بارے میں کیا بتلایا گیا؟

⊙...... نبی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

انه سیصیب امتی داء الامم.

[بے شک میری امت کو امتوں کی مرض پہنچ کر رہے گی]

یہ حسد امتوں کی مرض ہے۔ اللہ اکبر کبیرا۔ صحابہ نے پوچھا اے اللہ کے حبیب! **وما داء الامم** ۔ امتوں کی مرض کیا ہوتی ہے؟ فرمایا:

العشر والبطر والتكاثر والتنافس والحسد

تکبر، تکاثر، تنافس، اور حسد یہ ساری کی ساری امتوں کی بیماریاں ہیں اور یہ میری امت میں بھی پہنچیں گی۔

⊙...... نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا اور حدیث کو پڑھ کر بندہ بہت حیران ہوتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

لا يجتمعان فی قلب عبد الايمان والحسد

کسی بندے کے دل میں دو چیزیں اکٹھی نہیں ہوسکتیں ایک ایمان اور دوسرا حسد۔ یہ حسد اتنی بری ہے بیماری۔

⊙......ایک حدیث مبارکہ نبی علیہ السلام نے میں فرمایا:

لا یزال الناس بخیر مالم یتحاسدوا

اگر لوگ آپس میں حسد نہ کریں تو ان کو جو نعمتیں عطا ہوئی ہیں کبھی ان کو زوال ہی نہ آئے۔ نعمتوں کو زوال آتا حسد کی وجہ سے ہے۔

⊙...... نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔

ما حسدتکم الیھود علیٰ شیء ما حسدکم علی الاسلام

(یہود نے کسی چیز سے اتنا حسد نہیں کیا جتنا انہوں نے تمہارے اسلام سے حسد کیا ہے)

حسد یہ تھا کہ اسلام ان کو کیوں ملا۔

⊙......ایک حدیث مبارکہ میں نبی علیہ السلام نے فرمایا۔

ولتذھبن الشحناء والتباغض والتحاسد

[اور البتہ پہنچ کر رہے گا تمہیں کینہ، غصہ اور حسد]

شحناء کینہ کو کہتے ہیں۔ **تباغض** اور آگے **تحاسد** فرمایا اور یہ عام طور پر قریب رہنے والوں میں خوب ہوتا ہے۔

⊙...... یہ لفظ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی استعمال فرمایا۔ فرماتی ہیں۔

ما حسدت احدا ما حسدت خدیجه

میں نے کسی کے ساتھ اتنا حسد نہیں کیا جتنا میں نے خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ کیا۔ کیوں کہ ان کی وفات ہو چکی تھی لیکن نبی علیہ السلام جب بھی گھر میں کوئی بکری ذبح فرماتے، جانور ذبح فرماتے تو گوشت تقسیم کرتے ہوئے خدیجہ کی سہیلیوں کو خدیجہ کی طرف سے ہدیہ بھیجا کرتے تھے، ان کو یاد کیا کرتے تھے۔ تو فرماتی ہیں کہ ان کو یاد کرنے سے میرے اندر ایک چیز آتی تھی۔

حسد پر اکابرینِ امت کے اقوال:

علماءِ امت نے حسد کی مذمت میں بڑی عجیب وغریب باتیں کی ہیں۔

⊙...... سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لیس فی خصال الشر اعدل من الحسد یقتل الحاسد قبل ان یصل الی المحسود

[جو شر کی خصال ہیں ان میں سے حسد سے بڑھ کر عدل کسی میں نہیں کہ محسود کو پہنچنے سے پہلے یہ حاسد کو قتل کر دیتی ہے]

حسد کرنے والا تو خود مرتا ہے، دوسرے نے کیا مرنا وہ تو اپنے گھر میں آرام سے مزے سے ہوتا ہے، یہ آگ میں جل رہا ہوتا ہے۔

⊙......سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ

کل الناس اقدر علیٰ رضا الا حاسد نعمة فانه لا یرضیه الا زوالها

[ہر بندے کو راضی کیا جا سکتا ہے لیکن حاسد کو نہیں وہ ایک ہی طرح سے راضی ہو سکتا ہے کہ نعمت بندے سے زائل ہو جائے]

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

ما کانت نعمة اللہ علی احد الا وجه لها حاسدا

جب اللہ رب العزت کسی بندے پر نعمت عطا فرماتے ہیں تو اس کی طرف کوئی نہ کوئی حاسد ضرور متوجہ ہو جاتا ہے۔

نعمت آتی ہے تو ساتھ حاسدین بھی آجاتے ہیں۔

⊙......اور سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔

ما اکثر عبد ذکر الموت الا قل فرحه و قل حسده

[فرماتے تھے کہ موت کا تذکرہ ایسی نعمت ہے کہ جب بندہ موت کو یاد کرتا ہے اس کی خوشی بھی کم ہو جاتی ہے اور اس کا حسد بھی کم ہو جاتا ہے]

⊙......اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ انہوں نے حسد کے بارے میں یوں فرمایا۔

یابن آدم، لم تحسد اخاك فان كان الذى اعطاه اكرامة عليه فلم تحسد اكرمه الله وان كان غير ذالك فلم تحسد من مصيره الى النار

[اے آدم کے بیٹے! تو اپنے بھائی کے ساتھ کیوں حسد کرتا ہے۔ اگر اللہ نے اسے نعمت دی اس کی کرامت کی بنا پر عزت کی بنا پر جو اللہ کے ہاں اس کی ہے۔ تم کیوں اس سے حسد کرتے ہو جس کا اکرام اللہ نے کیا اور اگر اکرام کی وجہ سے نہیں اس پر فتنہ بن کر وہ نعمت آئی۔ تم کیوں حسد کرتے ہو کہ جس کا ٹھکانہ اللہ نے جہنم میں بنا دیا]

⊙......ابن المعطہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

الحسد داء الجسد

[کہ حسد، وہ جسم کی ایک بیماری ہوتی ہے]

⊙......کسی نے کہا:

الحسد جرح لا يبرح

[حسد ایسا زخم ہے جو کبھی بھرتا نہیں]

⊙......اور علماء نے یہ بھی کہا:

الحسد اول ذنب عصى الله به فى السماء و اولَ ذنب عصى الله به فى الارض

[حسد آسمانوں پر پہلا گناہ ہے کہ اس سے اللہ کی نافرمانی ہوئی اور حسد زمین پر پہلا گناہ جس سے اللہ کی نافرمانی ہوئی]

یعنی شیطان نے حسد کی بناء پر انسان کو سجدہ نہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔
ہابیل نے قابیل سے حسد کی بناء پر اسے قتل کر دیا اور یوں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب ہوا۔

⊙......ایک بزرگ فرماتے تھے۔

الحاسد لا ینال من المجالس الا مذمة وذلة.
و لا ینال من الملائكة الا لعنة وبغضة.
و لا ینال من الخلق الا جزع وغما
و لا ینال عند النزع الا شدة وحول .
و لا ینال بیوم القیامة الا فضیحة ونكالا

حاسد کو مجالس میں سے سوائے مذمت اور ذلت کے کچھ نہیں ملتا۔
اور ملائکہ سے کچھ نہیں ملتا سوائے لعنت اور بغض کے۔
اور مخلوق سے کچھ نہیں ملتا سوائے غم اور جزع کے۔
اور اس کو موت کے وقت کچھ نہیں ملتا مگر موت کی شدت اور ایک غم کے۔
اور اس کو قیامت کے دن کچھ نہیں ملے گا، سوائے فضیحت اور حسرت کے

⊙......چنانچہ ایک بزرگ فرماتے تھے۔

من رضی بقضا الله تعالیٰ لم یسقطه احد. و من قنع بعطاء لم یدخله حسد

جو اللہ کی رضا پر راضی ہو جائے کسی سے اس کو حسد نہیں ہوگا اور جو اللہ کی عطا پر قناعت کر لے تو حسد اس میں داخل ہی نہیں ہوسکتا۔

⊙......عبدالحمید کاتب کہتے ہیں:

الحسود من الحم كساقی السلم

کہ حاسد جو ہوتا ہے اس کا غم ایسے ہوتا ہے کہ جیسے کوئی زہر پینے والا

اور فرماتے تھے:

اسد تقاربه خير من حسود تراقبه

اور اگر شیر کسی کے پیچھے لگ جائے یہ زیادہ بہتر ہے کہ کوئی حاسد کسی کے پیچھے پڑ جائے۔

⊙......بعض مشائخ نے فرمایا:

حسد ایسا زخم ہے کہ جو کبھی مندمل نہیں ہوتا۔

حسد کا مرض عام ہے:

چنانچہ اس بیماری کی وجہ سے انسان کے سینے میں ہر وقت ایک آگ لگی ہوئی ہوتی ہے۔اس کو قرار نہیں ہوتا کہ اس کو یہ چیز کیوں مل گئی۔آج ہمارے زمانے میں قریبی لوگوں دوستوں میں خاندان میں پڑوسیوں میں اس قسم کی بیماری دیکھنے میں آتی ہے۔کسی کے بیٹے کا رشتہ اچھی جگہ ہو گیا، دو بہنوں میں آپس میں حسد پیدا ہو گیا۔کسی کی ڈیل اچھی ہو گئی کاروبار میں، جو اس لائن کے بزنس مین تھے ان کے دل میں ایک حسد پیدا ہو گیا۔ پڑوسیوں کے اندر حسد، ایک شہر کے اندر رہنے والوں میں حسد۔ہم عصروں میں حسد۔تو حسد کی بیماری عام ہے۔

حسد کی حقیقت:

یہ حسد اتنی بری بیماری ہے کہ اس کی مثال آگ کی مانند ہے۔ یہ ایک آگ ہے جو بندے کے دل کو لگی ہوتی ہے۔ بندہ اپنے بس میں نہیں ہوتا، پیچ وتاب کھا رہا ہوتا ہے۔حالانکہ حسد کرنا یہ تو اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر اعتراض بنتا ہے۔

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ

(الزخرف:۳۲)

[کیا یہ لوگ پروردگار کی رحمت کو بانٹتے ہیں۔ہم نے ان کی معیشت کو دنیا میں تقسیم کر دیا]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، ہم نے ان کے درمیان معیشت کو تقسیم کر دیا اور بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرما دی۔تو حسد کرنے والا درحقیقت پروردگار عالم کی تقسیم پر اعتراض کر رہا ہوتا ہے۔اب نعمتیں تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔

وَ اِنْ مِّنْ شَیءٍ اِلَّاعِنْدَنَا خَزَائِنُهٗ وَ مَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّابِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ (الحجر:۲۱)

[اور ہمارے ہاں ہر چیز کے خزانے ہیں اور ہم ان کو بمقدار مناسب اتارتے ہیں]

وہ جس کو چاہے اپنی نعمتوں میں سے حصہ دے دے۔اگر وہ کسی کو نعمت دے اور دوسرے کو اگر بری لگے کہ اس کو کیوں ملی؟ تو یہ اللہ تعالیٰ کی تقسیم کے اوپر اعتراض بنتا ہے،اس لئے کہ یہ بڑا شدید گناہ بن جاتا ہے۔

انتہائی مہلک گناہ:

جیسے کہتے ہیں کہ نیکی برباد گناہ لازم۔حسد ایسے ہی گناہوں میں سے ہے۔نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔

الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب

[حسد کی ہوئی نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ خشک لکڑی کو کھا جاتی ہے]

تو جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے ایسے ہی یہ حسد کی ہوئی نیکیوں کو کھا جاتا ہے۔

دیکھیں ایک تو شرک ہے کہ جس کے بارے میں فرمایا کہ کی ہوئی نیکیوں کو برباد کر دیتا ہے۔فرمایا:

﴿ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ ﴾

اگر آپ شرک کے مرتکب ہوں گے۔ کیے ہوئے عملوں کو ضائع کر بیٹھیں گے۔

دوسرا نبی علیہ السلام کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کا مرتکب ہونا۔ یہ ایسا گناہ کہ کیے ہوئے عمل ضائع ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ سورۃ حجرات میں اللہ تعالیٰ نے فرمادیا:

لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ (الحجرات:۲)

[اپنی آوازوں کو نبی ﷺ کی آوازوں سے اونچا نہ کریں]

اے میرے محبوب کے یارو! اپنی آواز کو میرے محبوب کی آواز سے اونچا بھی نہ کرنا اگر کر بیٹھے اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ تمہارے کیے ہوئے عملوں کو ضائع کر دیا جائے گا اور تمہیں اس کا پتہ بھی نہیں چلے گا۔

تو گویا تین گناہ ایسے ہوئے جن سے بندے کے کیے ہوئے عمل ضائع ہو جاتے ہیں۔ ایک اللہ رب العزت کے ساتھ کسی کو شریک بنانا، یہ اللہ کی غیرت کا معاملہ ہے۔ اور ایک نبی علیہ السلام کی شان میں بے ادبی کرنا، یہ محبوب کی محبت کا معاملہ ہے۔ اور ایک مومن کے ساتھ حسد کرنا یہ دی ہوئی نعمت پر اس کی تقسیم پر اعتراض ہے۔ اس لئے حسد کو بھی ایسا گناہ کہا گیا کہ جو کی ہوئی نیکیوں کو برباد کر دیتا ہے۔ غور کا مقام ہے کہ اول تو ہمارے پاس نیکیاں ہیں ہی نہیں اور اگر کوئی ٹوٹے پھوٹے عمل ہیں تو فقط حسد کے پیچھے ان عملوں کو بھی تباہ کر بیٹھیں تو پھر ہم جیسا بے وقوف کوئی نہیں ہوسکتا۔ اس لئے حسد کے گناہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے۔

رشک اور حسد میں فرق:

یہ بھی ذہن میں رکھئے ایک ہوتا ہے رشک اور ایک ہوتا ہے حسد۔ رشک کو عربی میں غبطة کہتے ہیں۔ رشک کا کیا مطلب کہ جب کسی کے پاس کوئی نعمت دیکھے تو دل میں بات پیدا ہو کہ یہ نعمت مجھے بھی مل جائے۔ یہ رشک کہلاتا ہے اور یہ جائز ہے۔ ایک ہے حسد، حسد کا کیا مطلب کہ یہ نعمت اس کے پاس کیوں ہے۔ تو رشک اور حسد

کے درمیان فرق کرنے کی ضرورت ہے، مومن میں رشک ہوتا ہے۔ اہل علم میں سے کسی کو دیکھا رشک پیدا ہوا، مجھے بھی اللہ ایسا علم عطا کر دے، ایسا عمل عطا کر دے۔ کسی کے بچے کو دیکھا دل میں آیا میرا بیٹا بھی ایسا نیک بن جائے۔ یہ رشک کہلاتا .... للہ رب العزت کی نعمت کو دیکھ کر یاد کر کے اللہ سے نعمت مانگنے کا دوسرا نام۔ یعنی یہ خواہش ہو کہ اس کی نعمت سلامت رہے مگر مجھے بھی مل جائے۔ تو یہ ٹھیک ہے۔ مگر یہ سوچنا اس کو کیوں ملی یہ تو اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر اعتراض ہے۔ اس لئے کہ دینے والے نے چاہا تو مل گئی۔ وہ مالک بااختیار مالک ہے۔ فعال لما یرید ہے۔ وہ جس کو چاہے جو عطا کرے۔ کوئی مائی نے لال نہیں جنا جو اس کی بات کے اوپر اعتراض کر سکے۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر اعتراض بنتا ہے۔ اس لئے یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ حاسد کو یہی ہوتا ہے کہ دوسرے کے پاس کیوں ہے۔

سبق آموز حکایت:

ایک کہانی بنی ہوئی ہے۔ مجھے تو بناوٹی لگتی ہے لیکن بات سمجھانے کے لئے بڑی موزوں ہے اس لئے نقل کر دیتے ہیں۔ ایک آدمی تھا، اس کو عبادت کا شوق ہوا۔ چنانچہ وہ جنگل میں چلا گیا، ایک غار میں جا کے اس نے بڑی عبادت کی، لمبے لمبے سجدے اور تسبیحات اور لا الٰہ کا ذکر کیا۔ کرتے کراتے ایک ایسا وقت آیا کہ اس کو یہ الہام ہوا کہ ہم نے تمہاری عبادت قبول کی اس وقت تم جو دعا مانگو گے تمہاری دعا قبول ہوگی۔ چنانچہ اس نے دعا مانگی کہ یا اللہ! مجھے اور میرے اہلِ خانہ کو روز کھانے کے لئے مل جایا کرے تا کہ میں رزق کی طرف سے مطمئن ہو کے تیری عبادت میں لگا رہوں۔ دعا قبول ہوگئی۔ یہ کچھ عرصے بعد گھر میں واپس آیا اللہ تعالیٰ کہیں نہ کہیں سے پکی پکائی ہنڈیا بھجوا دیتے۔ یہ بھی کھاتا گھر والے بھی کھاتے، اب جب روز کھانے کو ملتا تو چہرے پر بھی لالی آگئی اور خوب ہشاش بشاش خوش باش رہنے لگے، عبادت بھی

خوب چل رہی ہے، اللہ اللہ ہو رہی ہے۔ ان کے رشتہ داروں میں سے ایک بندے نے جب دیکھا کہ بھئی ان پر تو پتہ نہیں خزانے کے منہ کھل گئے ہیں، بڑے بہار کے دن ہیں، روٹی بھی ہے بوٹی بھی ہے، ہر نعمت ہے۔ ذرا پوچھیں تو سہی کیا معاملہ ہے۔ وہ پیچھے لگ گیا، کچھ لوگ ہوتے ہیں لسوڑھے کی طرح چپک جاتے ہیں۔ وہ بھی چپکا ہی رہا اور بڑی عاجزی اور محبت سے منت سماجت کرتا رہا، مطلب جو نکالنا تھا۔ کرتے کراتے یہ سادہ بندہ ایک دن اسے بتا بیٹھا کہ جی یوں میں نے عبادت کی تھی اور مجھے الہام ہوا تھا کہ تیری دعا قبول ہو گی تو میں نے کھانے کی دعا کی تھی۔ اب ہمیں تو پکی پکائی مل جاتی ہے۔ من وسلویٰ آ جاتا ہے، ہم کھا کے اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں، نہ غم نہ فکر نہ فاقہ۔ اس نے جو یہ سنا تو اس نے بھی اپنی گٹھڑی باندھی اور اسی غار میں پہنچ گیا اور وہاں جا کے اس نے بھی ماشاء اللہ تسبیح در تسبیح خوب سجدے کیے اور خوب ڈٹ کے عبادت کی۔ کرتے کرتے کئی مہینوں بعد اس پر بھی ایک ایسا وقت آیا کہ اس کو بھی وہی الہامی کیفیت ہوئی۔ اور کہا گیا کہ میرے بندے تو نے بڑی عبادت کی۔ اب تیری عبادت قبول ہوئی، جو دعا تو مانگے گا ہم تیری دعا کو قبول کریں گے۔ تو جیسے ہی اوپر سے یہ الہام ہوا اس نے ہاتھ اٹھا کے دعا کی، یا اللہ! وہ فلاں رشتہ دار کو جو ہنڈیا ملتی ہے وہ بند ہو جائے۔ یہ ہوتا ہے حسد کہ فلاں کے پاس یہ نعمت کیوں ہے۔ وہ برداشت نہیں ہوتی۔

نکتے کی بات:

حسد کے اندر جتنے حروف ہیں کسی میں بھی نکتہ نہیں ہے سب نقطے سے خالی ہیں۔ ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ جس کے دل میں حسد کی بیماری ہوتی ہے وہ بھی ہر من پاک سے خالی ہوتا ہے۔

ویسے جتنی تکلیف میں حاسد ہوتا ہے۔ اتنی تکلیف میں دنیا میں اور کوئی نہیں

ہوتا۔ اس لئے کہ لوگوں کی بیماری تو گولی کھا کے آرام آجائے گا۔ کسی کو پیٹ میں درد ہے، کسی کو سر میں درد ہے، کسی کو کمر میں درد ہے تو گولی کھائی اور دو گھنٹے کے بعد آرام آ گیا۔ یہ حسد کے درد کا کیا کریں؟ اس کا کوئی علاج نہیں۔ ہر وقت کا درد، ہر وقت کا دکھ بندے کے دل میں، جتنی تکلیف میں حاسد ہوتا ہے اتنا تکلیف میں کوئی نہیں ہوتا۔

بنیادی اصول:

ایک بنیادی اصول (Thumb rule) سمجھ لیجئے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو نعمت دیتا ہے تو اس نعمت کی قدر دانی کرنے والوں کو بھی اللہ تعالیٰ نعمتیں عطا کرتا ہے۔ نعمت کی جو بھی قدر دانی کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو بھی اجر عطا کرے گا۔ جو بھی نعمت کی قدر دانی کرے گا، اس پر اس کو اجر ملے گا۔ تو جب اللہ تعالیٰ نے کسی کو نعمت عطا کی تو جس بندے نے اس کی قدر کی وہ بھی اجر کا مستحق بنا۔ شیطان دل میں حسد اس لئے ڈالتا ہے کہ یہ اس نعمت کی ناقدری کریں اور نعمت کی قدر کے اجر سے محروم ہو جائے۔ ایک تو بندہ نعمت سے محروم کہ نعمت نہیں ملی۔ اور دوسرا جس کو نعمت ملی اس کی قدر دانی کے اجر سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے۔ اس لئے شیطان دل میں خطا ڈالتا ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ کی نعمت والوں کی محبت کا اجر بھی اس کو نہ مل جائے۔

حسد کی وجوہات:

سوچنے کی بات ہے کہ یہ حسد پیدا کیوں ہوتا ہے۔ اس کے بھی کچھ اسباب اور وجوہات ہیں۔

(۱) عجب و تکبر

حسد پیدا ہونے کی پہلی وجہ یہ ہے کہ دل میں عجب ہوتا ہے بندہ اپنے آپ کو کوئی شئے سمجھتا ہے۔ چنانچہ جب کسی اور کو دیکھتا ہے کہ اس کو بھی کسی فیلڈ میں کوئی مقام مل رہا

ہے تو وہ حسد میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ شیطان کو آدم علیہ السلام سے اسی عجب اور تکبر کی وجہ سے حسد ہوا تھا۔

(۲) دشمنی

دوسری بات یہ کہ دل میں عداوت ہوتی ہے، کوئی دشمنی ہوتی ہے۔ کسی وجہ سے بھی اگر دل کے اندر دشمنی ہے۔ اس دشمنی کی وجہ سے دوسرے کے پاس اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت یا اس کی کوئی خوشی اچھی نہیں لگتی۔

(۳) ہم عصری

اور ایک اس کی وجہ ہم عصری ہے۔ اگر ایک دور میں لوگ ہوں، ہم عمر ہوں، ہم سبق ہوں۔ ایک لیول پر ہوں، ایک ہی لائن میں کام کر رہے ہوں تو اگر ان میں سے کسی پر اللہ تعالیٰ کی نعمت زیادہ ہو جائے تو پھر دوسروں کو محسوس ہوتا ہے۔ یہ ہم عصری بھی حسد کا سبب بنتی ہے۔ اس کو کہتے ہیں۔ Professional Jalousy ہر لائن کے لوگوں میں یہ حسد ہوگا۔ حتیٰ کہ علم کی لائن میں کوئی ہے تو ان کو بھی آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ حسد پیدا ہو گا۔ طلباء بیٹھے ہیں۔ عربی کا ایک فقرہ بولتا ہوں۔ ہمارے مشائخ نے فرمایا

لَوْ لَا الْحَسَدُ فِي الْعُلَمَاءِ لَصَارُوا بِمَنْزِلَةِ الْاَنْبِيَاءِ

[اگر علماء میں حسد نہ ہوتا تو وہ انبیاء کے مقام پر ہوتے]

عقل مند کے لئے اشارہ کافی ہے۔

اکثر ہم نے دیکھا کہ دفتروں میں جہاں ایک لیول پر کام کرنے والے کئی سارے ہوتے ہیں۔ ماشاء اللہ اس کا نام رکھا ہوا ہے لوگوں نے ٹانگ کھینچنا۔ ایک کوئی اچھا کام کرتا ہے دوسرے اس کی ٹانگ کھینچنے میں لگ جاتے ہیں۔ اور اس کی پریکٹیکل

مثال......وہ کیکڑا یا جھینگا ہوتا ہے ناں جس کو کھاتے ہیں لوگ۔ پران کیا کہتے ہیں اس کو۔تو ایک کک نے پران کو پکانا تھا، بہت سارے تھے سینکڑوں میں تھے۔تو اس نے ان کو ایک بالٹی یا ٹب میں ڈال دیا اور اس پر ڈھکنا بھی نہیں دیا۔اب سب اندر چل پھر رہے ہیں۔تو کسی نے دیکھ کر کہا اوئے یہ کیا کیا تم نے بالٹی کا منہ ڈھانپا ہی نہیں اس نے کہا فکر کی کوئی بات نہیں یہ باہر نہیں نکل سکتے۔کیوں؟ کہنے لگا خود ہی دیکھ لو ہوتا کیا ہے۔اس نے جب غور کیا تو ان میں سے ایک چلتا ہوا جب بالٹی کی دیوار پر چڑھا کہ میں باہر نکلوں تو دو نے مل کے اس کی ٹانگیں نیچے کھینچیں۔پھر دوسرا چڑھنے لگا تو دو اور نے مل کر اس کی ٹانگیں نیچے کھینچیں۔بالکل اسی طرح حاسد بندہ جس کو اللہ نے نعمت دی ہو اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرتا ہے۔

حسد کے نقصانات:

حسد سے اللہ تعالیٰ کی نارضگی اور آخرت کا خسارا تو ملتا ہی، دنیا ہی میں اس کے نقصانات سامنے آتے ہیں۔فرمایا:

- پہلا نقصان یہ ہوتا ہے کہ بندے کے اندر حسرت پیدا ہوتی ہے اور بندے کا جسم بیمار یعنی ڈیپریشن کا شکار ہوتا ہے۔
- دوسرا نقصان یہ کہ جو بندہ حاسد بنتا ہے وہ ہمیشہ اپنے رتبے سے لوگوں کی نظر میں گر جاتا ہے۔
- تیسرا نقصان یہ کہ لوگوں کی ناراضگی اسے ملتی ہے حتیٰ کہ لوگوں کے دل میں اس کے لئے محبت نہیں رہتی۔
- چوتھا یہ کہ یہ کئی شرور کو جنم دیتا ہے۔بڑے بڑے شرور کا منبع حسد ہے۔
- پانچواں نقصان حسد کا۔دل کے اندر کینہ پیدا ہو جاتا ہے۔فرماتے ہیں کہ۔

اب ذہن میں آتا ہے کہ جب اتنے نقصان ہیں اس لیے نبی علیہ السلام نے

ارشاد فرمایا۔ ایاکم و الحسد۔تم بچو حسد سے۔

اس لئے نبی علیہ السلام نے فرمایا۔

لا تحاسدوا۔ کہ تم ایک دوسرے کے ساتھ حسد مت کرو۔

حسد کی اصلاح کیسے ہو؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس مہلک مرض کو دور کیسے کیا جائے۔ کیا طریقے اختیار کیے جائیں کہ اس کی اصلاح ہو سکے۔

(۱) تعوذ:

اگر کسی سے حسد کی کیفیت دل میں پیدا ہو تو اللہ کی پناہ مانگے۔ اے اللہ! یہ کیا میرے دل کے اندر بیماری پیدا ہو گئی ہے میں اس سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ امید ہے کہ اللہ کی مدد شامل ہو کر اس کے اندر سے حسد کی بیماری نکل جائے گی۔

(۲) تقوی:

دوسری بات یہ کہ تقوی اختیار کرے۔ اور جس کسی سے انقباض یا حسد کی کیفیت ہے اس کے بارے میں اللہ سے ڈرے کہ اللہ میرے دل کے حال کو جانتا ہے اگر میں کسی کا برا چاہوں گا تو اللہ تعالیٰ مجھ سے ناراض ہوں گے۔ موت کی یاد اور فکرِ آخرت اللہ کے حضور پیشی کا خوف یہ سب ایسی فکریں ہیں کہ جس بندے کو لگ جائیں تو پھر اسے دوسروں کی طرف نظر ہی نہیں کرنے دیتیں۔ اسے اپنی فکر اتنی پڑی ہوتی ہے کہ دوسروں کی سوچنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔

(۳) صبر:

صابر بندہ بھی حسد کی بیماری سے بچا رہتا ہے۔ اگر وہ دوسروں کی ایذا پر صبر کرنے والا ہوگا تو کسی کے بارے میں خواہ مخواہ کی بدگمانی یا ناراضگی یا حسد اس کے

دل میں پیدا ہی نہیں ہوگا۔

(۴) رضا بقضا:

بندہ اگر رضا بقضا پر راضی رہے تو حسد کے جذبات پیدا نہیں ہو سکتے۔ اگر بندے کو پتہ ہے کہ اللہ رب العزت کی جو تقسیم ہے، جس کا جو مقدر ہے وہ اسے ملنا ہے۔ تو اگر کسی کے پاس کوئی نعمت ہے تو اس پر اعتراض بھی نہیں ہوگا۔

(۵) مراقبے کی پابندی:

ہمارے مشائخ نے یہ فرمایا کہ یہ حسد کی بیماری لطیفہ خفی سے وابستہ ہے۔ جب ایک سالک لطیفہ خفی کا سبق کرتا ہے اور مراقبے کی کثرت کرتا ہے تو اس بیماری سے جان چھوٹ جاتی ہے۔ پھر بندے کو اپنی فکر ایسی لگتی ہے کہ نظر دوسروں کے احوال کا موازنہ کرنے سے ہی رک جاتی ہے، لہٰذا دل میں کسی کے بارے میں حسد کے جذبات پیدا ہی نہیں ہوتے۔ یہ ایک خفیہ طریقہ ہے اس بیماری کو دور کرنے کا لیکن یہ اسباق کسی شیخ کے زیرِ سایہ ہی ہو سکتے ہیں۔

حسد کا عملی علاج:

ہمارے بزرگوں نے اس کا بہت آسان علاج بتایا۔ ذرا توجہ فرمائیے اگر بندہ محسوس کرے کہ میرے دل میں فلاں کے بارے میں حسد ہے، آگ لگتی ہے، کسی کا اچھا ہوتا ہے تو میرے دل کے اندر ایک انقباض آتا ہے۔ تو فرمایا کہ حسد والی کیفیت کی مخالفت کرو۔ بہت پکی بات بتائی حسد والی کیفیت کی مخالفت کرو۔ کیسے؟ حسد کی وجہ سے انسان کا دل اس کی غیبت کرنے کو چاہتا ہے، فرمایا کہ تم غیبت کی جگہ اس کی تعریف کرو۔ یہ غیبت کا الٹ ہے۔ جو کام کرنے کو دل چاہ رہا ہے اس کا الٹ کرو۔ غیبت کرنے کو دل چاہتا ہے تو تعریف کریں۔ اس کے ساتھ اکڑ کر رہنے کو دل چاہتا

ہے تو تواضع سے پیش آئیں۔ اس کے ساتھ دشمنی کرنے کو دل چاہتا ہے تو اس کے ساتھ دوستی لگائیں۔ اور دل چاہتا ہے کہ اس کی نعمتیں اس سے چھن جائیں، فرمایا کہ تم ہدیہ اور تحفہ لے کر اس کے گھر پہنچ جاؤ، اس کو ہدیہ دو۔

چنانچہ حضرت تھانویؒ کو کسی نے لکھا کہ حضرت مجھے فلاں سے بڑا حسد ہے تو حضرت نے بالکل اسی طرح کا ایک علاج ان کو بتایا جس میں یہ تھا کہ تم ہدیہ لے کر اس کے گھر جاؤ اور اس سے محبت کرو۔ چند مہینے کے بعد اس نے خط لکھا کہ حضرت حسد کی بیماری میرے دل سے بالکل ختم ہوگئی۔

اس میں ایک اور چیز بھی شامل کر لیجئے۔ وہ یہ کہ جس سے حسد ہو اس کے لئے دعا کریں اللہ اس کو اور نعمت عطا فرمائے۔ یہ ایسا نسخہ ہے آپ دو دن اس کے لئے اگر دعا کریں گے تو دل سے حسد بالکل ختم ہو جائے گا۔ اے اللہ! میں تیری رضا پر راضی ہوں اس کو اور عطا فرما۔ بس ایک دن میں اس بندے کے لئے دعا مانگ لیجئے۔ یہ دعا حسد کے لئے انشاء اللہ دوا بن جائے گی۔ اللہ رب العزت ہمیں اس کبیرہ گناہ سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حسد کی آگ میں کیوں جل رہے ہو
کفِ افسوس تم کیوں مل رہے ہو
خدا کے فیصلے پر کیوں ہو ناراض
جہنم کی طرف کیوں چل رہے ہو

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العلمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تکبر

از افادات

پیر طریقت رہبر شریعت مفکر اسلام

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

کَذَالِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ قَلْبِ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ (المؤمن:۳۵)

وقال اللّٰہ تعالیٰ فی مقام آخر .

اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ (النحل:۲۳)

و قالَ رسولُ اللّٰہ ﷺ

لَایَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالَ ذَرَّۃً مِنْ کِبْرٍ

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ○ وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○

وَ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَامُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّم

تکبر ایک مہلک بیماری:

آج کی گفتگو کا عنوان ہے تکبر، یہ انسان کی باطنی بیماریوں میں سے سب سے مہلک بیماری ہے، اس لئے کہ نبی علیہ السلام نے وضاحت وسراحت کے ساتھ فرمادیا۔

لَایَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالَ ذَرَّۃً مِنْ کِبْرٍ

[جنت میں وہ شخص داخل نہیں ہوسکتا، جس کے دل میں ذرہ کے برابر بھی تکبر ہوگا]

تو جس کے اندر ذرہ کے برابر بھی تکبر ہوگا، وہ آدمی جنت میں داخل نہیں ہوسکتا، ''ذرہ'' کہتے ہیں ایٹم کو یعنی ایک ایٹم کے برابر بھی تکبر ہوگا تو جنت میں نہیں جائے گا، اس لئے یہ عاجز اس بیماری کو ایٹمی بیماری Atomic Disease کہتا ہے، یہ ایٹمی بیماری ہے۔ جیسے ایٹمی وار ہیڈ (جنگی ہتھیار) ہوتے ہیں، بہت زیادہ تباہی پھیلاتے ہیں، دنیا ان سے ڈرتی ہے، بالکل اسی طرح یہ بیماری بھی ایٹمی بیماری ہے، سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دیتی ہے، کیونکہ جس کے اندر ذرہ کے برابر بھی تکبر ہوگا، وہ انسان جنت میں داخل ہو نہیں سکتا۔

تکبر کا مطلب:

تکبر کا مطلب ہوتا ہے بڑائی۔ جب کوئی بندہ اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا یا افضل سمجھے تو کہتے ہیں کہ اس کے اندر تکبر ہے۔

تکبر کی دو علامتیں:

ہمارے بزرگوں نے اس کی تفصیل یوں کی ہے کہ۔

بطر الحق وغمت الناس

[حق بات کا انکار کرے اور لوگوں کو حقیر سمجھے]

وہ بندہ حق بات کو ماننے سے انکار کرے، جب بھی کوئی اچھی بات کرو آگے سے یہ نہ کرے، گھر کے اندر کئی دفعہ یہ منظر دیکھنے میں آتا ہے کہ آپ ایک صحیح بات بھی کر رہے ہیں، مگر اگلا بندہ کہتا ہے نہیں، میں نہیں مانتا۔ تو حق بات کو ماننے سے انکار کرنا اور دوسرے انسانوں کو حقیر سمجھنا۔ یہ دو علامتیں جو ہیں یہ انسان کے تکبر کا پتہ دیتی ہیں۔

نفس کی بیماری:

یہ تکبر انسان کے نفس میں ہوتا ہے:

وَلَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيْرًا (الفرقان:۲۱)

[اور انہوں نے اپنے آپ کو بڑا سمجھ لیا اور بہت بڑی سرکشی کی]

نفس کے اندر تکبر ہوتا ہے یہ نفس کے اندر کی مصیبت ہے۔ تکبر کیا ہوتا ہے، اپنے آپ کو بڑا سمجھنا کہ جیسا میں ہوں ویسا کوئی نہیں۔ ''ہم چناں دیگرے نیست''، جیسا میں ہوں ویسا کوئی اور نہیں۔ یعنی دوسرے لفظوں میں وہ یوں کہنا چاہتا ہے کہ ''ہم چناں ڈنگرے نیست''۔ جیسا ڈنگر میں ہوں، ایسا کوئی اور ہے نہیں۔

پہلی نافرمانی کی وجہ تکبر:

اللہ رب العزت کی سب سے پہلی نافرمانی تکبر کی وجہ سے ہوئی، پروردگار عالم نے حکم فرمایا فرشتوں کو:

اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ.

سب سجدے میں گر پڑے الا ابلیس ابلیس کے سوا۔

ابلیس سے پوچھا کہ تجھے کیا بنی تو نے سجدہ کیوں نہ کیا۔ کہنے لگا۔

انا خير منه [میں اس سے زیادہ بہتر ہوں]

انا یعنی میں، تو سب سے پہلی نافرمانی ''میں'' کی وجہ سے ہوئی۔ یہ ''میں'' بڑی بری بیماری ہے، شیطان لگا آگے سے اپنی دلیلیں پیش کرنے، مجھے آگ سے پیدا کیا گیا اور اسے مٹی سے پیدا کیا اور یہ بھول گیا کہ میں کس کی بارگاہ میں کھڑا ہوں۔ فرمایا:

فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْم وَ اِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْن

(ص:۷۸)

[نکل جا یہاں سے تو مردود ہے، قیامت تک کے لئے میری تیرے اوپر لعنتیں برستی رہیں گی]

اب سوچیے کہ شیطان اس وقت کس چیز میں مدہوش تھا، شراب تو پی نہیں تھی،

کونسا نشہ تھا جس نے اس کو مدہوش کر رکھا تھا؟ یہ ''میں'' کا نشہ تھا، جیسے شرابی نشے میں ہوتا ہے نا تو پرواز کر رہا ہوتا ہے، ''میں'' کی بھی شراب ہے، یہ بھی اس نشے میں ہوتا ہے کہ میرے جیسا کوئی ہے نہیں اور یہی ''میں'' اس انسان کے راندۂ درگاہ ہونے کا سبب بن جاتی ہے۔

اللہ کی چادر:

حدیث پاک میں آتا ہے اور یہ حدیث قدسی ہے، اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

الكبرياء ردائي ومن نازعني، قصمته

[کہ بڑائی میری چادر ہے جو اس چادر کو مجھ سے کھینچتا ہے میں اس بندے کی گردن کو توڑ دیتا ہوں]

جو اس چادر کو مجھ سے کھینچنے کی کوشش کرتا ہے میں اس بندے کی گردن کو توڑ دیتا ہوں، یہ کیوں کہا کہ گردن کو توڑ دیتا ہوں؟ کیونکہ اس نے گردن اونچی کی تھی، تو جزا من جنس العمل (تو عمل کا بدلہ بھی اسی عمل کی جنس سے) اس نے اپنی گردن اونچی کرنے کی کوشش کی، فرمایا: میں اس کی گردن توڑ دوں گا۔

عزیز اور حکیم ذات:

اللہ تعالیٰ ایک جگہ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

وَ لَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْم

[آسمان اور زمین میں اللہ کی بڑائی ہے اور وہ عزیز اور حکیم ہے]

یہاں پر اللہ رب العزت نے دو اسمائے گرامی استعمال فرمائے: ایک عزیز اور دوسرا حکیم۔ عزیز کا مطلب ہے غالب آنے والا، طاقت والا۔ ایسا طاقت والا جو طاقت کے ذریعے دوسرے پر غالب آجائے، اس کو عزیز کہتے ہیں اور حکیم اسے کہتے

ہیں جس کے پاس حکمت ہو، گویا معنی یہ بنے کہ اللہ رب العزت طاقت بھی رکھتے ہیں اور انہیں طاقت کے حسنِ استعمال کا بھی پتہ ہے، دیکھیں ایک بندہ طاقت والا ہے لیکن گھر کے اندر کبھی اس کے تھپڑ مار کبھی اس کے تھپڑ مار۔ اس کو تو بڑا کوئی نہیں سمجھتا، سب بے وقوف سمجھتے ہیں، تو بڑے پن کے لئے طاقت کا صحیح استعمال بھی ضروری ہے، اس لئے اللہ رب العزت نے دو لفظ استعمال فرمائے کہ اللہ رب العزت طاقت والا بھی ہے اور طاقت کے حسنِ استعمال میں بھی وہ کامل ہے، جیسے کچھ افسر لوگ ہوتے ہیں، کہتے ہیں جی ہمیں اپنے اختیارات کو استعمال کرنا آتا ہے، اللہ رب العزت بھی یہی فرماتے ہیں کہ طاقت بھی ہے اور مجھے اپنی طاقت استعمال کرنے کا بھی پتہ ہے، لہٰذا اللہ رب العزت ہی کو بڑائی سجتی ہے۔

متکبر کو ذلت ملتی ہے:

اس لئے فرمایا:

من تکبر وضع اللہ حتیٰ لھو احون علیھم من کلب او خنزیر

[جو کوئی تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ایسا کرتے ہیں کہ وہ لوگوں میں کتے اور خنزیر سے بھی بدتر ہوتا ہے]

جو بندہ دنیا میں تکبر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو نیچے لٹاتے، ہیں گراتے ہیں، اتنا ذلیل کرتے ہیں، حتیٰ کہ وہ لوگوں کے نزدیک کتے اور خنزیر سے زیادہ بدتر ہو جاتا ہے، اللہ اکبر کبیرا!!!!

اس لئے لقمان علیہ السلام نے نصیحت کی:

[وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَ لَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا] (الاسراء:۳۷)

[زمین میں اکڑ کر نہ چل کہ نہ تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے، نہ تو پہاڑوں کی اونچائی کو حاصل کر سکتا ہے]

قرآن مجید کی آیت:

ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰىٓ اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى (القیامۃ:۳۳)

[وہ اتراتا ہوا اپنے گھر والوں کی طرف گیا]

یتمطی کا مطلب مفسرین نے اترانا لکھا ہے۔

اِنِّی عُذْتُ بِرَبِّی وَ رَبِّكُمْ من كل متكبر لا يومن بيوم الحساب

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ (النحل:۲۳)

[اللہ رب العزت تکبر کرنے والوں سے محبت نہیں فرماتے]

کیا مطلب کہ ان سے ناراض ہوتے ہیں، جب محبت نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہی ہوا کہ اللہ تعالیٰ ان سے خفا ہوتے ہیں، ان کو پسند نہیں کرتے۔ چنانچہ جب تک یہ بندہ تکبر سے توبہ نہ کرے گا، اس وقت تک اللہ رب العزت کے پسندیدہ بندوں میں شامل نہیں ہوسکتا، اس لئے ایک روایت میں آتا ہے، کہ متکبر آدمی کی کوئی بھی نیکی قبول نہیں ہوتی۔

متکبر قوموں کا انجام:

اس دنیا میں بڑی بڑی قومیں آئیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے بڑی طاقت دی، قوت دی، مال و دولت دی، خزانوں کے مالک بنائے، اس طاقت کے نشے میں وہ اپنی اوقات کو بھول گئے۔ چنانچہ ایک قومِ عاد تھی، مفسرین نے لکھا کہ ان کے قد ساٹھ ہاتھ کے برابر تھے۔

وَ تَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا (الشعرا: ۱۴۹)

پہاڑوں کو کھود کر گھر بناتے تھے اور کہتے تھے۔ مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّة۔ کون ہے ہم جیسا طاقت ور۔ اور اللہ تعالیٰ تصدیق بھی فرماتے ہیں۔ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ

ان جیسی قوم پھر شہروں میں پیدا نہیں ہوئی۔ مگر ان کو اپنی طاقت پر ناز آ گیا، مان آ گیا، تکبر کرنے لگے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے لگے۔ نتیجہ کیا نکلا؟ اللہ رب العزت نے ان کو عبرت ناک انجام تک پہنچایا، ایک تیز ہوا چلی جو آٹھ دن سات راتیں چلتی رہی، ایسی تیز کہ مومن کے لئے تو فرحت بخش، لیکن کافر کے لئے وہ اتنی شدید تھی کہ ان کو تھپیڑے لگتے اور وہ زمین پر آ گرتے اور ان کو زمین پر پٹخ پٹخ کر مار دیا گیا، اگلے دن ان کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَه جیسے کہ کھجوروں کے تنے زمین پر بکھرے ہوتے ہیں، تو جب قوموں نے تکبر کیا تو قومیں مٹ گئیں، افراد نے تکبر کیا افراد مٹ گئے، میں کو اللہ نے مٹا دیا۔ تو بندے کو میں نہیں سجتی۔

انسان کی اوقات:

احمد بن قیسؒ فرماتے تھے کہ سوچو تو سہی کہ پیشاب گاہوں کے ملاپ سے پیدا ہونے والا انسان بھلا کیا تکبر کرتا ہے ..... انسان اپنی اوقات کو تو دیکھے کہ میں ہوں کیا؟ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ انسان بھی بھلا کیا تکبر کرے کہ یہ دن میں کئی مرتبہ تو اپنے ہاتھ سے پاخانے کو صاف کرتا ہے، کیا ابھی بھی اس کو اپنی اوقات کا پتہ نہیں۔

......ایک جگہ نجاست پڑی تھی، کسی نے اپنے ناک کو رومال سے ڈھانپ لیا تو نجاست نے اس سے گفتگو کی، کہتی ہے: ''تم کیوں مجھ سے نفرت کرتے ہو؟ تم نے ہی مجھے کھایا اور کھانے سے پہلے تو میں مزے دار پھل تھی، خوشبو دار غذا تھی اور میرے اندر انواع و اقسام کی نعمتیں تھی، تھوڑی دیر مجھے تیرے جسم میں رہنے کا موقع ملا، جب تیرے جسم سے نکلی تو بدبودار بن چکی تھی، مجھ سے تو تم نفرت کر رہے ہو اور یہ نہیں دیکھتے کہ میری بو کا باعث تم خود بنے ہو۔

تو انسان اپنی اوقات کو پہچانے تو سہی کہ ہماری اوقات کیا ہے؟ ہم سے تو گائے بھینس اچھی، کھاتی ہیں تو چلو دودھ تو دیتی ہیں۔ جب کہ انسان کے جسم سے کیا پروڈکٹ نکلتا ہے؟ پیشاب اور پاخانہ تو جو انسان اپنی اوقات پر غور کرے تو یقیناً وہ

تکبر نہیں کرسکتا۔

پیٹ بھروں کی باتیں:

جب انسان کو کھانے کو مل جاتا ہے تو اس میں تکبر آجاتا ہے، یہ سب پیٹ بھرے کی باتیں ہیں، کوئی بھوکا آدمی متکبر نہیں بنا، کسی بھوکے بندے نے تکبر کا بول نہیں بولا، تکبر کا بول وہی بولتا ہے، جس کا پیٹ بھرا ہوتا ہے۔ ایک بزرگ فاقے کے فضائل بیان کررہے تھے، کسی نے کہا حضرت! فاقہ بھی کوئی ایسی چیز ہے کہ فضائل بیان کیے جائیں، فرمانے لگے: تجھے کیا بتائیں اگر فرعون کو کبھی فاقہ آیا ہوتا، تو انا ربکم الاعلیٰ کا دعویٰ نہ کرتا، تو جب پیٹ خالی ہو تو اپنی اوقات کا پتہ چل جاتا ہے اور جب پیٹ بھرا ہو تو انسان پھر اپنے آپ میں نہیں ہوتا اور جیب مال سے بھری ہو پھر ہوش میں نہیں ہوتا، پھر اس کی آواز میں مال کی جھنکار شامل ہوجاتی ہے۔ مال کے ہونے کے باوجود عاجزی ہونا یہ اولیاء کی صفات میں سے ہے، اتنا مال ہو اور انسان کے اندر سادگی ہو اور عاجزی ہو یہ ولیوں کی صفت ہے، ورنہ تو انسان خدا کے بندوں کو بندہ ہی نہیں سمجھتا۔ لوگوں کو کہتے ہوئے سنتے ہیں۔ ''میں تجھے کیا سمجھتا ہوں تیرے جیسے کو تو میں خرید کر مار ڈالوں'' کیا انسان باتیں کرتا ہے۔ ''میں ایڑی مار کے دھرتی ہلا دوں گا''۔ اندازہ کرو۔ ''ہم بدلتے ہیں رخ ہواؤں کا''۔ یہ بندے کا کلام بنتا ہے ''ہم بدلتے ہیں رخ ہواؤں کا، آئے دنیا ہمارے ساتھ چلے''۔ تو کبھی کبھی انسان خدا کے لہجے میں بولنا شروع کر دیتا ہے، اس بات کو ذرا سمجھئے گا۔ کبھی کبھی انسان اپنی اوقات کو بھول جاتا ہے اور خدا کے لہجے میں بولنا شروع کر دیتا ہے، ''ہم بدلتے ہیں رخ ہواؤں کا آئے دنیا ہمارے ساتھ چلے''۔

قیامت کے دن متکبر کی حالت:

تو تکبر کی بیماری بہت زیادہ مہلک ہے، دنیا میں بھی اس کا عذاب ملتا ہے اور

آخرت میں بھی، اور آخرت میں اس کا عذاب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ متکبر بندے کو قیامت کے دن چیونٹی جیسا جسم عطا کریں گے، شکل انسانوں والی جسم چیونٹی جیسا چھوٹا سا۔ جب میدان محشر میں یہ چلیں گے تو مخلوق ان کو اپنے پاؤں کے نیچے مسل کے چلے گی، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تم دنیا میں گردن اٹھا کے چلتے تھے، سر اٹھا کر چلتے تھے، اپنے آپ کو کچھ سمجھتے تھے، دیکھو! میں اپنی مخلوق کے پاؤں میں تمہیں مسل کر دکھا رہا ہوں: ایسا عذاب دیا جائے گا۔

سیدھا جنت میں:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر بندہ دنیا سے مرے اور اس کے سر پر تین بوجھ نہ ہوں تو وہ سیدھا جنت میں جائے گا۔ ایک فرمایا قرض کا بوجھ نہ ہو۔ دوسرا کسی کے ساتھ خیانت کرنے کا بوجھ نہ ہو اور تیسرا اس پر تکبر کا بوجھ نہ ہو۔ قرض، خیانت، اور تکبر، اگر ان تین کا بوجھ بندے کے اوپر نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ اس کو سیدھا جنت میں جگہ عطا فرما دیں گے۔

تکبر کی تین اقسام:

چنانچہ تکبر تین طرح کا ہوتا ہے

۱)۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تکبر:

اللہ رب العزت کے ساتھ تکبر، جیسے فرعون نے کہا تھا: **انا ربکم الاعلیٰ** خدائی کا دعویٰ کیا۔

۲)۔ نبی علیہ السلام سے تکبر:

ایک ہوتا ہے وقت کے نبی علیہ السلام کے ساتھ تکبر، جیسے مشرکین نے کیا، کہتے تھے۔

وقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْم ۔
(الزخرف:۳۱)

کہ قرآن نازل ہی ہونا تھا تو طائف اور مکہ کی جو دو اتنی بڑی بستیاں ہیں تو ان کے کسی اچھے بندے پر نازل ہو جاتا، گویا نبی علیہ السلام ان کی نظر میں اس کے اہل نہیں تھے، یہ تکبر تھا۔

۳)۔عوام سے:

اور تیسرا ہوتا ہے عوام الناس کے ساتھ تکبر، اللہ رب العزت قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ (البقرۃ:۲۰۶)

[اور جب اسے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر تو غرور اسے گناہ میں پھنسا دیتا ہے]

یہ ہوتا ہے تکبر بندوں کے ساتھ اور اس کی علامات یہ ہیں کہ اس بندے کو اکیلا سفر کرنا پڑے تو دکھی ہوتا ہے کہ میرے ساتھ کوئی خادم ہونا چاہیے، کوئی کیئر ٹیکر ہونا چاہیے، اکیلا سفر کرنا اس کو مشکل لگتا ہے...... چاہتا ہے کہ جب میں کہیں آؤں تو لوگ مجھے دیکھ کر کھڑے ہو جائیں...... پھر اس کو دین دار اور فقراء سے ملنا اچھا نہیں لگتا...... وہ مشہور ہے ناں کسی صاحب نے پھانسی کا حکم سن کر کہا تھا میری شیو کر دو۔ تو کسی نے کہا تھا کہ اس وقت کیوں شیو کرواتے ہو۔ کہتا ہے:

I do,nt want to like a molvi

میں مولوی کی شکل میں مرنا نہیں چاہتا

یہ تکبر اس حد تک بندے کے اندر آ جاتا ہے۔

تکبر کے اسباب

تکبر کیوں پیدا ہوتا ہے؟ اس کے مختلف اسباب ہوتے ہیں، وجوہات ہوتی ہیں۔ چند ایک بیان کرتے ہیں:

پہلا سبب "علم":

غرور کا پہلا سبب علم ہے، علم دین کا ہو یا دنیا کا، جس کے پاس علم زیادہ آجائے وہ اپنے آپ کو کوئی شئے سمجھنے لگ جاتا ہے۔ پھر بندہ علم جھاڑتا ہے اور حقیقت میں کہہ رہا ہوتا ہے عارفو نی مجھے پہچانو میں کون ہوں۔ بندہ کہتا ہے کہ میری تعریف ہو، جو میں ہوں وہ کوئی اور نہیں، بندے کے اندر تکبر آجاتا ہے۔ اسی لئے فرمایا:

آفت العلم الخیلیٰ [علم کی آفت تکبر ہے]

میں آجاتی ہے بندے کے اندر۔ قوم یہود کے اندر علم کی وجہ سے تکبر آ گیا تھا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

سَاَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ

(الاعراف:۱۴۶)

[اور جو لوگ زمین میں ناحق غرور کرتے ہیں، ان کو میں اپنی آیتوں سے پھیر دوں گا]

نورِ علم سے محرومی:

اور جب تکبر آجاتا ہے تو اللہ رب العزت پھر دنیا میں ہی بندے کو علم کے نور سے محروم کر دیتے ہیں۔ ابوالفضل الفیضی میں ظاہراً بہت زیادہ علم تھا، انہوں نے عربی میں قرآن مجید کی بے نکتہ تفسیر لکھی، یعنی پوری تفسیر کے اندر نکتے والا کوئی حرف استعمال ہی نہیں ہوا۔ کتنی عجیب بات ہے؟ پوری حدیث میں با، تا، ثا، ج، خ، ذ، ن، ظ، ش، پوری تفسیر میں یہ حروف استعمال نہیں ہوئے۔ کوئی آسان کام ہے تفسیر لکھنا، پھر تفسیر

بھی ایسی کہ کوئی نقطے والا حرف استعمال ہی نہیں کرنا اور اس کا نام رکھا، ''سواطع الالہام''۔ اس میں بھی نکتہ کوئی نہیں، ایسا ان کا علم تھا۔

اور ذہانت ایسی تھی کہ فیضی جو چھوٹا تھا، ایک مرتبہ جو بات سن لیتا تھا، اسے یاد ہو جاتی تھی اور ابوالفضل دو مرتبہ سن لیتا تھا تو اسے یاد ہو جاتی تھی۔ چنانچہ ان کے زمانے میں شعراء بادشاہ کی منقبت لکھا کرتے تھے، جو شاعر بھی آ کر اپنا کلام پڑھتا تھا، تو چھوٹا یعنی فیضی کھڑے ہو کر کہتا تھا کہ بادشاہ سلامت یہ تو میرا کلام ہے۔ بادشاہ کہتا سناؤ، وہ اس پورے کو Reproduce (دوبارہ بیان) کر دیتا، سن جو لیا تھا ایک دفعہ۔ اب چونکہ ایک مرتبہ شاعر نے پڑھ لیا، ایک مرتبہ چھوٹے بھائی نے پڑھا تو دو دفعہ ہو جاتا تو ابوالفضل بڑے کو بھی یاد ہو جاتا، وہ کھڑا ہوتا میں تصدیق کرتا ہوں یہ میرے بھائی کا کلام ہے، پھر وہ بھی اس کلام کو سنا دیا کرتا تھا۔ ذہانت بھی اتنی اور علم بھی اتنا مگر اللہ رب العزت نے پھٹکار دیا۔ یہی لوگ تھے جنہوں نے فتویٰ دیا کہ وقت کے بادشاہ کے سامنے تعظیمی سجدہ کرنا شریعت میں جائز ہے، پھٹکار دیے گئے، مخلوق کے سامنے لوگوں کو جھکایا، تو تکبر علم کی وجہ سے ہی بندے میں آ جائے تو اللہ تعالیٰ علم کے نور سے محروم کر دیتے ہیں۔

عبرت ناک واقعہ:

ہمیں اپنی زندگی میں ایک واقعہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ ایک نوجوان عالم تھے، قاری اور حافظ بھی تھے۔ انہوں نے تخصص فی الفقہ بھی کیا ہوا تھا، بڑے ذہین، بڑے سمجھدار اور شاعر بھی تھے۔ انہوں نے اپنا تخلص کامل رکھا۔ ایک موقع پر میں نے انہیں عرض کیا، میں اس وقت لڑکپن کی عمر میں تھا، بیس بائیس کی عمر ہو گی، ہم ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ میں نے عرض بھی کیا کہ حضرت اتنے الفاظ ہیں اردو کے کوئی اور بہترین لفظ پسند کر لیں، یہ لفظ تو مناسب نہیں۔ کہنے لگے کیوں؟ جو کمال انسان میں ہوتا ہے، اللہ نے سب مجھے دیا ہے۔ بس ان کے اس فقرے سے مجھے اسی دن سے اندازا

ہو گیا کہ کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔ درس قرآن دیتے تھے تو لوگ مست ہو جاتے تھے۔ جمعہ پڑھنے کے لئے دور دور سے لوگ چل کر آتے تھے، مجمع سنبھلتا نہیں تھا۔

ایک دفعہ کسی چھوٹی سی بات پر کسی مقتدی سے ان کی ان بن ہو گئی، معمولی سی بات تھی کہ مسح کیسے کرنا ہے؟ چھوٹی سی بات تھی اس کو چاہتے تو سلجھا بھی لیتے، مگر انہوں نے مقتدی کے ساتھ ذرا زیادتی کر دی۔ اس کو دیکھ کر ایک کی جگہ دو مقتدی ہو گئے کہ جی آپ کے لئے یہ مناسب نہیں۔ وہ بجا ئے اپنی غلطی ماننے کے اور ضد پکڑ گئے، ایک تناؤ کی کیفیت پیدا ہو گئی اور ایک سے اندر یہ کام اتنا بڑھا کہ مسجد والوں نے ان سے معذرت کر لی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اتنی نفرت سی ڈال دی کہ انہوں نے کہا کہ اب میں نے مسجد میں امامت کروانی ہی نہیں، میں نے اپنی زندگی کے پچیس سال اس عالم کو شہر کے اندر رکشے کے اوپر سواریوں کو بٹھا کے آتے جاتے دیکھا، پچیس سال رکشہ چلایا نہ مسجد کی نمازیں، نہ جماعت، نہ حفظ نہ درس۔ میں انہیں دیکھتا تھا روتا تھا یا اللہ آپ چاہتے ہیں تو مصلے سے اٹھا کر بندے کو رکشے پر بٹھا دیتے ہیں۔

تو یہ ذہن میں رکھنا کہ تکبر ایسا گناہ ہے کہ موت سے پہلے اس دنیا میں بھی بندے کو اس کا عذاب ملتا ہے آخرت میں تو ملے گا ہی سہی۔

دوسرا سبب ”عبادت“:

دوسری وجہ عام طور پر بندے کی عبادت بنتی ہے، بندہ عبادت کرتا ہو، نفلیں پڑھتا ہو، تسبیح پھیرتا ہو، دین کا کام کرتا ہو تو شیطان اس کے اندر احساسِ بڑائی پیدا کر دیتا ہے کہ میں اس سے بہتر ہوں۔ تو عبادت بھی تکبر کا سبب بنتی ہے۔

واقعہ:

چنانچہ بنی اسرائیل کا ایک عابد تھا، جس کے سر کے اوپر بادل رہا کرتا تھا، جہاں جاتا بادل اس کے سر پر رہتا تھا۔ ایک جگہ کہیں کھڑا تھا تو ایک گناہ گار فاسق سا آدمی

تھا، وہ بے چارہ دھوپ سے پریشان تھا، اس کے دل میں خیال آیا یار نیک بندہ ہے، بادل نے سایہ کیا ہوا ہے، میں بھی اس نیک کے ساتھ تھوڑی دیر جا کر کھڑا ہو جاؤں، شاید مجھ پر بھی کوئی نیکی کا اثر ہو جائے۔ اچھی نیت کے ساتھ وہ اس عابد کے پاس جا کر کھڑا ہوا، عابد نے جب اس کو دیکھا تو کہنے لگا: کیوں تو میرے پاس کھڑا ہے؟ مجھے ڈر ہے کہ کہیں تیری وجہ سے میرے اوپر اللہ کا عذاب نہ آجائے، چلا جا یہاں سے۔ جب اس نے تکبر کے ساتھ اس کو کہا، چلا جا یہاں سے تو فاسق وہاں سے چل پڑا لیکن بادل نے عابد کو چھوڑ کر اس فاسق کے سر پر سایہ کر دیا، یہ عابد سایے سے محروم گیا۔ اللہ تعالیٰ نے وقت کے نبی علیہ السلام کے ذریعے پیغام بھجوایا کہ اس کو کہو کہ نئے سرے سے زندگی شروع کرے، جتنی عابد کی نیکیاں تھیں میں نے سب کو ختم کر دیا اور فاسق کے جتنے گناہ تھے میں نے سب کو نیکیوں میں تبدیل فرما دیا۔

تیسرا سبب ''نسب'':

تکبر کی تیسری وجہ انسان کا نسب اور خاندان ہو سکتا ہے، کسی اونچے خاندان کا ہو تو اپنے آپ کو سمجھتا ہے کہ میں تو کوئی شئے ہوں۔ مثال کے طور پر سید خاندان میں سے ہے تو پھر بعض اوقات اپنے عملوں کو نہیں دیکھتا، بلکہ اپنے خاندان اور نسب کی وجہ سے تکبر میں آجاتا ہے، یا کہیں کوئی خاندان امیر ہے تو اب اس بندے کے اندر تکبر ہوتا ہے کہ میں فلاں خاندان کا بندہ ہوں، تو نسب کی وجہ سے انسان کے اندر تکبر آجاتا ہے اور اگر انسان میں ویسے کمالات نہ ہوں اور وہ نسب کی وجہ سے اپنے آپ کو کچھ سمجھتا پھرے، اللہ تعالیٰ اس کو بھی دنیا میں اس کی حقیقت دکھا دیتے ہیں۔ اللہ اکبر کبیرا!!!

صاحبزادگی:

ہمارے حضرتؒ کے صاحبزادے ان سے بیعت تھے، تو میں نے دیکھا کہ ایک مرتبہ وہ صاحبزادے کوئی بات پوچھنے کے لئے آئے تو حضرت نے پوچھا بتاؤ! تم

صاحبزادے بنو گے یا حرام زادے بنو گے؟ یہ الفاظ کہے: تم صاحبزادے بنو گے یا حرام زادے بنو گے۔ جو اصلاح کرنے والے ہوتے ہیں وہ یوں کھینچ کے رکھتے تھے۔ اس لئے مولانا یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ اپنے فرزند شیخ الحدیث حضرت زکریا رحمۃ اللہ علیہ کو بچپن میں کبھی ڈانٹا کرتے تھے اور ساتھ فرماتے کہ یہ صاحبزادگی کا سور بڑی دیر کے بعد نکلتا ہے۔

علاج:

اور اس کا علاج یہ ہے کہ انسان سوچے کہ قیامت کے دن یہ نسب کام نہیں آئے گا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَلَا اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّ لَا يَتَسَاءَ لُوْنَ (مؤمنون:۱۰۱)

[اس دن نہ ان میں قرابتیں ہوں گی اور نہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے]

قیامت کے دن ہم نسب کا خیال نہیں رکھیں گے کہ کون کس کا بیٹا تھا، اس لئے نبی علیہ السلام نے سیدنا فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو نصیحت فرمائی کہ

''بیٹی قیامت کے دن یہ امید لے کر نہ آنا کہ میں نبی آخر الزمان کی بیٹی ہوں، عمل کرنا، تیرے عمل تجھے کام آئیں گے۔''

تو اس لئے انسان اپنے آپ کو سمجھائے کہ اگر میں کسی بڑے خاندان میں پیدا ہو گیا تو مجھے کونسے لعل لگ گئے ہیں کہ اب جو میری اپنی مرضی کرتا پھروں۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کی مثال:

قرآن مجید میں ہمارے لئے ایک عبرت کی مثال ہے، حضرت نوح علیہ السلام اللہ کے پیغمبر اور ان کا بیٹا پیغمبر زادہ تھا، حضرت نوح علیہ السلام اس کو بچانا چاہتے ہیں، بیٹا سامنے ہے، والد کشتی پر سوار ہیں اور کہتے ہیں:

يَابُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا. (هود:۴۲) [اے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جا]

تو یہ کلام حضرت نوح علیہ السلام کا ہے، لیکن مجھے کبھی کبھی مناظر اب بھی نظر آتے ہیں، آپ حیران ہوں گے، وہ کیسے؟ سارا گھرانا دینداروں کا ہے، نیکوں کاروں کا ہے۔ ایک ان میں سے انوکھی شکل نکل آتی ہے، اب باپ اس کو سمجھاتا ہے، بیٹے نیک بن جا بیٹا کان ہی نہیں دھرتا۔ یہ وہی منظر ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کا تھا، جب باپ بیٹے کو سمجھا رہا ہوتا ہے تو کہہ رہا ہوتا ہے۔ یٰبُنَیَّ ارْکَبْ مَّعَنَا اے بیٹے! ہم دین کی کشتی میں سوار ہیں، دنیا کے طوفانوں سے بچنے کے لئے ایک ہی راستہ ہے کہ تو بھی نیک بن جا مگر بیٹا نہیں مانتا، مجھے اس وقت یہ آیت یاد آتی ہے کہ دیکھو! پہلے یہ واقعہ پیش آیا، اب اس کی کئی نشانیاں ہمیں اس دور میں بھی نظر آتی ہیں۔

تو باپ بیٹے کو نصیحت کرتا ہے: یٰبُنَیَّ ارْکَبْ مَّعَنَا اے بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہو جا بچ جائے گا، کہتا ہے نہیں! میں فلاں پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاؤں گا۔ یَعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ وہ مجھے پانی سے بچالے گا، پھر کیا ہوا:

وَ حَالَ بَیْنَهُمَا الْمَوْجُ فَکَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ (هود: ۴۳)

بس ایک لہر آئی اور وہ نوح علیہ السلام کی آنکھوں سے سامنے غرق ہو گیا۔

اب جب وہ غرق ہو گیا تو حضرت نوح علیہ السلام نے دعا مانگی۔ اے میرے پروردگار! آپ نے وعدہ فرمایا تھا کہ تجھے اور تیرے اہل کو بچاؤں گا۔

اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ. (هود: ۴۵)

اے اللہ میرا بیٹا میرے اہل میں سے تھا اور آپ کے وعدے سچے ہیں

اتنا کہنا تھا کہ اوپر سے جلال والی تنبیہ آ گئی۔ خطاب آ گیا۔ کیا خطاب آیا.

اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صٰلِحٍ (هود:۴۶)

[وہ آپ کے اہل میں سے نہیں تھا، اس کے عمل نیک نہیں تھے]

اس وجہ سے وہ آپ کے اہل میں سے نہیں تھا

اِنِّیْ اَعِظُكَ اَنْ تَکُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ (هود:۴۶)

[اور میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ نادان نہ بنیں]

اللہ اکبر۔ پیغمبر علیہ السلام کو خطاب ہو رہا ہے کہ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ جہالت والی باتیں نہ کریں، آپ نے اسی وقت معافی مانگنی شروع کر دی۔ تو پیغمبر زادہ تھا، عمل اچھے نہیں تھے، پروردگار نے فرما دیا، وہ آپ کے اہل میں سے نہیں۔ تو یہ لکھا ہے کہیں کہ جو کسی سید گھرانے میں پیدا ہو گیا، بدعملیوں کے باوجود یہ نسبت قیامت تک محفوظ رہے گی؟ کیا پتہ اللہ اس نسبت سے ہی محروم کر دے، ڈرنے والی بات ہے۔ اس لئے دنیا میں نسب کی وجہ سے کوئی بندہ اپنے آپ کو اونچا نہ سمجھے، اس کی وجہ سے تکبر نہ کرے۔

چوتھا سبب حسن و جمال:

تکبر کی چوتھی وجہ عام طور پر حسن و جمال ہے، یہ خوبصورتی بھی بندے کے اندر میں پیدا کر دیتی ہے۔ جیسے کہتے ہیں ناں کہ

؎ خدا جب حسن دیتا ہے
نزاکت آ ہی جاتی ہے

حسن جب ملتا ہے تو بندے میں پھر فخر آ جاتا ہے، غرور و تکبر آ جاتا ہے۔

عمر روتے گزری:

ہمارے ایک دوست تھے اور اپنا واقعہ سنانے لگے کہ ان کی چار بہنیں تھیں۔ یوں تو ساری لکھی پڑھی تھیں مگر ان میں سے ایک کو تو اللہ نے ایسی پرسنیلٹی دی تھی کہ شاید لاکھوں میں کسی کے پاس ایسی پرسنیلٹی ہو، جب عورتیں گھر ملنے کے لئے آتی تھیں تو میری والدہ اس کو کمرے میں چھپا دیتی تھی کہ کسی کی نظر نہ پڑے ورنہ یہ بھی رشتہ مانگے گی۔ اور والدہ کو باقی تین کے رشتوں کی بڑی فکر تھی۔ کہنے لگے: رشتے چاروں کے ہوئے، اللہ کی شان دیکھیں کہ تین بہنیں جو اتنی خوبصورت نہیں تھیں، وہ خوش اپنے گھر

میں آباد ہیں، ان کو اللہ نے خاوندوں کی خوشیاں عطا فرمائیں۔ جو سب سے زیادہ خوبصورت تھی اسی کو طلاق ہو گئی، جو سمجھتی تھی کہ میں کچھ ہوں اس کا گھر برباد ہو گیا۔ کہنے لگے کہ میری اس بہن کی باقی عمر روتے ہی گزر گئی۔

نازکوزوال:

ہمارے ایک واقف آدمی تھے، ان کے گھر میں ایک واقعہ پیش آیا مگر بہت ہی عبرتناک۔ بیٹی کا یہ واقعہ باپ نے خود سنایا۔ کہنے لگا: اللہ نے مجھے بیٹی تو دی مگر پری کی طرح خوبصورت، لاکھوں میں کوئی ایک بچی ایسی خوبصورت ہوتی ہوگی۔ انوکھی بچی اور اللہ تعالیٰ کی شان کہ عقلمند بھی بڑی، چنانچہ وہ میڈیکل کالج کے اندر پہنچی اور ڈاکٹر بنی۔ پورے میڈیکل کالج کے طلبہ اور اساتذہ ہر بندہ یہ سمجھتا تھا کہ اگر یہ لڑکی کسی کی بیوی بنے تو وہ بڑا خوش نصیب انسان ہوگا۔ انوکھی خوبی تھی اس میں، لائق بھی بڑی، شکل بھی تھی عقل بھی تھی، وہ ایک ماڈل تھی پورے کالج کے لئے، جب بھی لوگ باتیں کرتے اسی کے حسن کی باتیں ہوتیں۔ اس کے اندر ''میں'' آ گئی، سائنس زیادہ پڑھ گئی، کچھ ڈارون کی تھیوری اس کو پسند آ گئی۔ چنانچہ بجائے دیندار رہنے کے وہ دھریت کی قائل ہو گئی......لڑکیوں میں ایک دفعہ بیٹھی تھی، لڑکیاں آپس میں باتیں کر رہی تھیں کہ بھئی اس کالج میں تو جس کی زبان سے سنو بس اسی کے حسن کے ہی تذکرے ہیں، تو آگے سے یہ کہتی ہے کہ مجھے تو مردوں سے نفرت ہے اور بھی دو چار ایسی باتیں کی۔ ان کا کیا ان کو تو میں اشارہ کروں تو یہ میرے جوتے کے تلوے بھی چاٹتے پھریں، تکبر کی بات کی۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی یہ تکبر کی یہ بات ناپسند آئی۔

اس نے ہاؤس جاب شروع کی۔ ہاؤس جاب کرنے کے دوران اس کے ہاتھوں کی پشت کی جلد مردہ ہونی شروع ہو گئی، حتی کہ دونوں ہاتھوں کی جلد مردہ ہو گئی۔ خود لیڈی ڈاکٹر ہے، ڈاکٹروں نے علاج کیا، حتیٰ کہ بیرون ملک علاج کے لئے گئی، ڈاکٹروں نے کہا، اس بیماری کا کوئی علاج نہیں۔ اب وہ جاب تو کیا کرتی ہر وقت

اپنے ہاتھوں کو چھپائے رکھتی اور اس کی وجہ سے وہ لڑکی جس کے ہزاروں رشتے تھے اب اس کا رشتہ لینے والا کوئی نہیں تھا۔ کہاں بیس بائیس سال کی تھی، تیس سال کی ہو گئی، پینتیس سال کی ہوگئی، اس کا رشتہ لینے والا کوئی نہیں تھا۔ اب کسی نے اس کو سمجھایا کہ تم نے جو تکبر کا بول بولا، اللہ تعالیٰ نے تجھے تیری اوقات دکھا دی۔ بہر حال پھر اس نے توبہ کی نیت سے خط لکھا، پھر اسے سمجھایا کہ بھئی اب اس کی توبہ کا یہ طریقہ ہے۔ بتانے کا مقصد یہ تھا کہ ایک بچی کو اپنے حسن و جمال پر ناز تھا، ہزاروں رشتے تھے، پڑھے لکھے، دولت مند، ہر طرح کے بچے تھے۔ اور وہ سمجھتی تھی کہ میں جس کو اشارہ کر دوں وہ میرے جوتے کا تلوے چاٹنے لگے گا، اور کہاں اللہ نے اس کو دکھا دیا کہ جوانی کی عمر ڈھلنے کو آ گئی اور کوئی اس کا رشتہ مانگنے والا نہیں تھا۔

علاج:

مگر ہمارے مشائخ نے فرمایا: انسان یہ سوچے کہ میری خوبصورتی تو عارضی چیز ہے، چند دن کی بات ہے، اس کے بعد یہ جوانی بڑھاپے میں ڈھل جائے گی اور یہ سارا حسن چلا جائے گا۔ اس خوبصورتی میں کتنی گہرائی ہوتی ہے؟ اتنی جتنی گہرائی جلد کی ہے، جلد اتار دیں سب برابر ہیں۔ اس لئے جوانی میں جو پری چہرہ ہوتے ہیں، ذرا بڑھاپا آتا ہے تو انہیں کی شکل چھوہارے جیسی بنی ہوتی ہے۔ حسن پر کیا ناز کرے بندہ؟ سوچے! کہ دنیا مجھے حسین سمجھتی ہے اور ابھی اس وقت بھی میرے پیٹ کے اندر پیشاب پاخانے کی شکل میں کتنی زیادہ نجاست موجود ہے، اگر اللہ تعالیٰ اس پر پردے نہ ڈالتے تو بدبو کی وجہ سے لوگ میرے پاس بیٹھنا پسند نہ کرتے۔ حقیقت تو یہی ہے کہ پروردگار نے ہماری ظاہری نجاستوں پر پردہ ڈالا ہوا ہے۔ کون بندہ ہے کہ جس کے جسم میں ہر وقت، پاخانہ اور پیشاب کی مقدار موجود نہیں؟ ہر وقت موجود ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈال دیا۔ اب اس پردے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے، چہ جائیکہ انسان تکبر کر کے بیٹھ جائے۔ تو سوچے کہ ہوں تو میں پاخانے کا ٹوکرا، تو مجھے یہ بات

زیب نہیں دیتی کہ میں کوئی اونچا بول بولوں، جب انسان اس طرح سوچے گا تو یہ حسن وجمال کا تکبر زائل ہو جائے گا۔

تمہارا محبوب وہ ہے.....

ایک شیخ تھے، ان کے پاس ایک سالک آیا، طرح طرح کے آتے ہیں۔ خانقاہ میں رہنے لگا۔ ایک کام کرنے والی آئی تو اس نے اس کی طرف ذرا آنکھ بھر کے دیکھا، نفس کی خباثتیں تو رہتی ہیں۔ اس نے جا کے شیخ کو بتا دیا، شیخ نے کہا بہت اچھا، چنانچہ اس عورت سے کہا کہ تم ایسا کرو کہ کوئی مسہل لے لو، جو پیٹ صاف کرنے کیلئے نرم کرنے کیلیے ہوتا ہے۔ اور اس کو کہا کہ تم جہاں جا کے قضائے حاجت سے فارغ ہونا تو گندگی کے ڈھیر کو ایک جگہ ہی رکھنا۔ چنانچہ اس نے گلقند یا کوئی اور ایسی دوا لے لی تا کہ لوز موشن آ جائیں۔ دو دن جو گزرے تو وہ بے چاری کمزور بھی ہو گئی، چونکہ موشن ہیں ہی ایسی چیز، ایک دن لگیں تو بندے کی شکل بدل جاتی ہے۔ اب دوسرے دن جب وہ اپنے کام کے لئے آئی اور اس نے اس کی شکل دیکھی تو منہ پھیر لیا۔ جب منہ پھیر لیا تو اس نے شیخ کو پھر بتایا کہ آج تو اس نے منہ ہی پھیر لیا۔ اب انہوں نے اس نوجوان کو بلایا اور کہا کہ بھئی ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ جو چیز تمہیں محبوب ہے وہ تمہیں دے دیں۔ وہ حیران ہوا، کہنے لگا حضرت وہ کیا؟ کہنے لگے وہ جو کچھ پڑا ہے ڈھیر تمہارا محبوب وہ ہے۔ اس نے جا کر دیکھا تو نجاست اور گندگی اور پاخانہ تھا۔ کہنے لگا، حضرت یہ میرا محبوب کیسے بنا؟ انہوں نے کہا دیکھو وہ عورت تمہارے پاس آئی تھی، تم نے للچائی نظروں سے دیکھا تھا، یہ چیز اس سے جدا ہوئی تو تمہاری وہ جو للچائی نگاہیں تھیں وہ ہٹ گئیں، اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اصل میں چاہت تو تمہیں اس چیز کی تھی تو اسے لے جاؤ۔

تو حسن وجمال پر کیا ناز کرنا؟ یہ تو بے وقوفی کی بات ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے کوئی نعمت دی تو عاجزی ہونی چاہیے کہ پروردگار آپ نے نعمت عطا فرمائی، میں آپ

کی نعمت کا شکر ادا کرتا ہوں۔

حسین باندی کی قیمت......دو خشک کھجوریں

مالک ابن دینار رحمۃ اللہ علیہ جا رہے تھے۔ ایک باندی کو دیکھا بڑی خوبصورت، ٹہلتی ہوئی چل رہی ہے، چند غلام بھی ساتھ ہیں، ان کے دل میں خیال آیا کہ تھوڑا اس کو سبق سکھائیں۔ وہ قریب ہوئے اور کہنے لگے، اے باندی تجھے تیرا مالک بیچتا ہے۔ وہ ہنسی کہ دیکھو مجھے دیکھ کر بوڑھے بھی جوان ہو گئے۔ کیوں جی! آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟ کہنے لگے: میں تمہیں خریدنا چاہتا ہوں۔ کہنے لگی: اچھا چلو میرے ساتھ، وہ اپنے غلاموں کو کہنے لگی: اس بوڑھے کو ساتھ لے کر چلو ہم جا کر اپنے مالک کو بتائیں گے کہ دیکھو میری شکل دیکھ کر ایسے بوڑھے بھی میرے خریداروں میں شامل ہو جاتے ہیں، ذرا مذاق رہے گا۔ مالک ابن دینار رحمۃ اللہ علیہ بھی پیچھے ساتھ ساتھ چلتے رہے حتیٰ کہ اس کے مالک تک پہنچ گئے۔ اس نے بڑا ہنس ہنس کر ناز نخرے سے اپنے مالک کو بتایا کہ دیکھو! مجھے دیکھ کر یہ بوڑھا بھی میرا خریدار بن گیا۔ وہ بھی بڑا ہنسا، کہنے لگا، کیوں بڑے میاں! خریدنا چاہتے ہو؟ جی خریدنا تو چاہتا ہوں۔ مالک نے کہا کہ آپ بتاؤ کتنے میں خریدو گے؟ کہنے لگے اگر مجھ سے پوچھتے ہو تو میں تو چند خشک کھجوروں کے بدلے خریدلوں گا۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ ایسی رشک قمر پری چہرہ باندی اور یہ کہہ رہے ہیں کہ میں چند خشک کھجوروں کے بدلے خریدوں گا۔ انہوں نے کہا کیوں بھئی! اتنی تھوڑی قیمت کیوں؟ کہنے لگے اصل میں اس میں عیب بہت زیادہ ہیں۔ وہ بڑا حیران ہوا۔ کہنے لگا بھئی کون سے عیب ہیں۔ کہنے لگے کہ عیب یہ ہیں کہ اس کا جو حسن ہے وہ عارضی ہے۔ تھوڑے دنوں کے بعد بڑھیا ہو جائے گی، شکل دیکھنے کو دل نہیں کرے گا۔ اور دوسری بات یہ کہ چند دن نہ نہائے تو بدن سے پسینے کی بو آنے لگ جائے۔ سر میں اس کے جوئیں پڑ جائیں۔ نزلہ زکام کی وجہ سے ناک اس کی بہتی ہے۔ پیشاب پاخانہ روز اس کا نکلتا ہے۔ اور پھر اس سے بڑی بات یہ کہ مطلب پرست ہے۔ اب تو

آپ کے پاس ہے آپ ذرا آنکھ بند کریں گے۔ تو یہ کسی اور کی بن جائے گی۔ تو ایسی بے وفا اور ایسی فنا ہونے والی چیز میں اس کی قیمت اتنی ہی دے سکتا ہوں۔ اس سے زیادہ تو نہیں دے سکتا۔ اس مالک نے کہا مگر آپ نے یہ اتنی تھوڑی سی قیمت کیوں لگائی۔ آخر کسی وجہ سے لگائی ہوگی۔ کہنے لگے وجہ یہ ہے کہ ایک باندی مجھے ملتی ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے حسن ایسا دیا کہ اگر وہ اپنا دوپٹہ آسمان دنیا کی طرف کر دے تو سورج کی روشنی مانند پڑ جائے۔ اگر وہ مردے سے کلام کر لے تو مردہ زندہ ہو جائے۔ اگر کھارے پانی میں تھوک ڈال دے تو کھارا پانی میٹھا ہو جائے۔ لباس ایسا پہنتی ہے کہ ستر ہزار رنگ جھلکتے ہیں۔ اور اس کے اندر اتنی خوبصورتی ہمیشہ کے لئے ہے۔ اور اس کے دل کے اندر اس کی محبت اور وفا کے جذبات کو انسان آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔ اور یہ باندی آخری رات میں اٹھ کر دو نفل پڑھنے پر بندے کو مل جاتی ہے۔ تو جب دو نفلوں پر ایسی چیز ملتی ہے۔ تو پھر اسکی تو میں نے کھجوریں بھی زیادہ ہی قیمت لگا دی ہے۔ تو بات ایسی ہے یہ حسن فانی ہے، اس پر انسان دھوکہ نہ کھائے۔

پانچواں سبب...... مال:

پانچویں چیز جس سے انسان میں تکبر آتا ہے وہ انسان کا مال ہے۔ کچھ لوگ مال کے باوجود اپنے اندر عاجزی رکھتے ہیں۔ یہ اس مال کو آخرت کے لئے درجات کے بڑھانے کا سبب بناتے ہیں۔ اور کچھ یہ ہضم نہیں ہو سکتا۔ لیکن جن پر ذرا شیطان سوار ہو جاتا ہے۔ ان میں پھر ''میں'' آجاتی ہے۔ میں آجاتی ہے۔ میں لینڈ لارڈ ہوں...... میں بزنس مین ہوں...... میں فلاں آفس کے اندر جنرل مینیجر ہوں...... میں آجاتی ہے۔ تو ان کے اندر تکبر آجاتا ہے۔ لیکن آپ دیکھتے ہی ہیں کہ قارون کے ساتھ اللہ رب العزت نے کیا معاملہ کیا۔ اس کے مال کو اس کے سر پے رکھ کے اس کو زمین کے اندر ہی دھنسا دیا۔

بڑے بول کی پکڑ:

یہ عاجز ایک واقعہ پہلے بھی کئی دفعہ سنا چکا ہے کہ ہمارے قریب میں ایک زمیندار تھا۔ اتنی زمینیں تھیں کہ ریل گاڑی کے تین اسٹیشن اس کی زمین میں بنے ہوئے تھے۔ گاڑی چلتی تو ایک اسٹیشن اس کی زمین میں آتا پھر چلتی جہاں جا کر رکتی تھی وہ اسٹیشن بھی اس کی زمین میں آتا، پھر گاڑی چلتی تھی اور جہاں جا کر رکتی تھی وہ بھی اس کی زمین میں ہوتا۔ میلوں کے حساب سے اس کی زمین تھی اور اتنے بڑے لینڈ لارڈ کا ایک ہی بیٹا تھا۔

ایک دن وہ شہر کے چوک میں کھڑا دوستوں کے ساتھ آئس کریم کھا رہا تھا۔ دوستوں میں سے کسی نے کہہ دیا میرا کام ذرا آج کل اچھا نہیں، بہت مصروف رہنا پڑتا ہے۔ تو اس کو ذرا نخرہ چڑھا، اپنے دوست کو کہنے لگا، تم لوگوں کے پلے ہی کیا ہے، تم ہر وقت یہی سوچتے ہو کہ آئے گا کہاں سے اور میں تو یہ سوچتا ہوں لگاؤں گا کہاں پر۔ میری تو چالیس نسلوں کو بھی کام کرنے کی ضرورت نہیں۔ جب اس نے یہ تکبر کا بول بولا اللہ تعالیٰ کو ناپسند آیا۔ چنانچہ اس کے بعد یہ بندہ ایسی مرض میں گرفتار ہوا کہ چھ مہینے کے اندر اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اب اس کے بیٹے کی عمر سترہ سال تھی، اٹھتی جوانی تھی اربوں روپے کا اور جائیداد کا وہ مالک بن گیا۔ اب جب مال بھی ہو ہاتھ میں تو پھر دوست بھی طرح طرح کے بن جاتے ہیں۔ کچھ نوجوانوں نے اس کو اس کو شباب اور شراب کے راستے پر لگا دیا اور پھر سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں تو پھر یہ کام جیسے انسان کو متوجہ کر لیتا ہے اور کسی چیز کی طرف دھیان ہی نہیں رہتا۔ چنانچہ اس نے برے لوگوں کے ساتھ تعلقات بنا لیے۔ روزانہ رات کو نئے مہمان۔ اور آگے بات چلی تو کسی نے اس کو بیرون ملک کلبوں کا راستہ دکھا دیا۔ تائیوان، تھائی لینڈ، چلو جی آپ کو وہاں کی سیر کروا کے لے کر آتے ہیں۔ اب وہاں کے ڈسکو کلبوں میں جانا شروع کر دیا۔ مال پیسہ اس نے پانی کی طرح بہانا شروع کر دیا، جتنا بینک بیلنس

تھا دو تین سال کے اندر سب ختم۔ بالآخر زمین بکنی شروع ہوگئی، ہر سال زمین بیچتا اور عیاشی میں گزار دیتا۔ ساری ساری رات عیاشی کرتا۔ چنانچہ پانچ سات سال میں اس کی زمین بھی بک گئی، اس کا مال بھی ختم ہوگیا اور اس کی صحت بھی برباد ہوگئی۔ کیونکہ جب نوجوانی میں انسان ایسے کام کرنے شروع کر دے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ بیمار ہو گا۔ اب صحت ہے نہ مال ہے حتیٰ کہ وہ وقت آیا کہ جس گھر میں رہتا تھا اس کو گھر بھی بیچنا پڑ گیا۔ پھر کیا ہوا؟ لوگوں نے اپنی آنکھ سے دیکھا شہر میں جس چوک کے اندر اس کے والد نے کھڑے ہو کر تکبر کا بول بولا تھا کہ میری تو چالیس نسلوں کو کمانے کی ضرورت نہیں۔ یہ نوجوان اسی چوک کے اندر کھڑا ہو کر لوگوں سے بھیک مانگ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دکھا دیا کہ اگر میں پروردگار دینا جانتا ہوں تو میں پروردگار لینا بھی جانتا ہوں۔

چھٹا سبب......قوت:

چھٹی چیز عام طور پر بدن کی قوت ہے۔ جس کا جسم ذرا اچھا مضبوط ہو، اس آدمی کے اندر طاقت ہو تو پھر تکبر آتا ہے۔ کبھی اس کو دھمکاتا ہے کبھی اس کو کچھ کہہ دیتا ہے۔ وہ ذرا ذرا سی بات پہ دوسرے کا گریبان پکڑنے لگتا ہے۔ او تو مجھے جانتا نہیں ہے، اونچی اونچی باتیں کرتا ہے، یہ طاقت کا نشہ ہے، تکبر ہے۔ تو اگر انسان کو اپنی قوت پر ناز ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ اپنی کمزوریوں کو سامنے رکھے۔

بیکٹیریا اور پہلوان کا مقابلہ:

انسان کی قوت بھی کیا ہے، اتنا سا تو بیکٹیریا ہوتا ہے جو آنکھ سے نظر بھی نہیں آتا۔ وہ بیکٹیریا اگر جسم میں جا کر کچھ عمل کر دے تو بندہ بے چارہ بستر پر پڑا ہوتا ہے۔ اتنی سی تو اوقات ہے۔ ڈاکٹر لوگ کہتے ہیں کہ جس ہوا میں ہم سانس لیتے ہیں، اس میں ہر وقت ملین اور بلین کی تعداد میں بیماریوں کے بیکٹیریا موجود ہیں۔ ہم ان

کو Inhale (بذریعہ سانس اندر) کرتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ ان کو حملہ نہیں کرنے دیتے، وہ ویسے ہی باہر نکل آتے ہیں اور اگر ایک بیکٹیریا کو اٹیک کرنے کی اجازت مل جائے تو اس کا اٹیک ایسا ہوتا ہے کہ وہ پہلوان صاحب فرش کے اوپر لیٹے ہوں. یہ تو اوقات ہے۔ تو یہ اپنی طاقت کے اوپر کیا ناز کرے۔

انسان کی اوقات:

چنانچہ مطرف بن عبداللہ ایک بزرگ تھے۔ انہوں نے ایک دفعہ مہلب جو اپنے وقت کا بڑا پہلوان تھا حاکم بھی تھا، اس کو غرور سے اکڑ کر چلتے ہوئے دیکھا تو مسکرائے۔ اس نے کہا کہ حضرت! مسکرا کیوں رہے ہیں۔ کہنے لگے تو شروع میں تھا ایک ناپاک قطرہ اور آخر پر تیرا انجام ہوگا ایک مردار کا اور درمیان میں تو ہے نجاست کا توبڑا، ہر وقت تیرے اندر کلو آدھا کلو نجاست رہتی ہے۔ ایسا جواب دیا اس کے اندر سے میں نکال کر رکھ دی۔ اور پھر فرمایا کہ مہلب اس بات کو کبھی نہ بھولنا کہ تو ایک دن میں کم از کم ایک یا دو دفعہ اپنے ہاتھ سے پاخانے کو صاف کرتا ہے۔ اللہ اکبر۔ یہ بات تو بڑی عجیب سی لگتی ہے لیکن یہ یقینی بات ہے کہ جو اپنے ہاتھ سے نجاست کو صاف کرتا ہو اس کو بڑائی سجتی ہے۔ تو ان بزرگوں نے اسے شیشہ دکھا دیا، یہی اللہ والوں کا کام ہوتا ہے کہ بندے کو اس کی اوقات دکھا دیتے ہیں۔

ساتواں سبب: تعلقات:

کئی مرتبہ انسان کو اپنے تعلقات یا کثرت احباب پر بڑا ناز ہوتا ہے۔ وزیر بھی میرے واقف ہیں...... امیر بھی میرے واقف ہیں...... فلاں ڈی آئی جی میرا واقف ہے...... اور کمشنر بھی میرا واقف ہے...... بس تمہیں کیا پتہ کہ میں کون ہوں۔ اس میں تکبر آجاتا ہے۔

کثرت احباب پر انسان کیا ناز کرے۔ اس لئے کہ مصیبت کے وقت کوئی کام

نہیں آیا کرتا اور خاص طور پر موت کی مصیبت کے وقت تو کوئی بھی کام نہیں آئے گا۔ اصل مصیبت تو یہی ہے۔

فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ (المائدہ:۱۰۶)

اور موت کے بعد تو پھر سارے دفن کر کے واپس آجاتے ہیں۔ آگے تو انسان کو پھر اکیلا ہی جانا ہوتا ہے۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (الانعام:۱۶۴)

[اور کوئی کسی کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا]

تو جب انسان اس پر نظر کرے کہ قیامت کے دن کوئی میرا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ تو پھر یہ کثرتِ احباب کی وجہ سے تکبر کا خیال دل سے نکل جائے گا۔

آٹھواں سبب: شاگردوں کی کثرت:

آٹھویں چیز جو انسان میں تکبر پیدا کرتی ہے وہ شاگردوں کی اور مریدین کی کثرت اس سے بھی بندے کے اندر 'میں' آجاتی ہے تو بھئی دنیا میں سب سے زیادہ مرید تو شیطان کے ہی ہیں ناں یا اس سے زیادہ بھی کسی کے ہیں کیا تکبر کرے کوئی اور

نواں سبب "حسد":

نویں چیز حسد اور عداوت اس وجہ سے بھی انسان تکبر کرتا ہے۔ جیسے قوم یہود نے نبی علیہ السلام کے ساتھ حسد کی وجہ سے تکبر کیا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ اللہ کے پیارے پیغمبر علیہ السلام ہیں انہوں نے اس بات کو نہیں مانا۔

چار طرح کا عذاب:

دنیا میں جس نے بھی تکبر کیا اس کو اللہ تعالیٰ نے اسی دنیا میں چار طرح کا عذاب دیا۔ دیکھیں، آگ، پانی، ہوا، مٹی۔ یہ چار ہی اجزاء ہیں جس سے دنیا بنی ہے۔ اللہ

تعالیٰ نے متکبرین کو چاروں طرح کا عذاب دنیا میں دیا۔

......فرعون نے تکبر کیا فرعون کہتا تھا۔

اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى [میں تمہارا بڑا رب ہوں]

اللہ تعالیٰ نے اس کو ڈبویا، پانی کے ذریعے اس کو عذاب دیا۔

......قارون نے تکبر کیا مال کی بنیاد پر کہ۔

اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ مِنْ عِنْدِيْ (القصص:۷۸)

کہ یہ تو میرے پاس علم تھا جس کی وجہ سے میں نے ڈیل ایسی کی کہ بڑا نفع ہوا، تو میں نے کمایا ہے۔ جب میں آ گئی تو اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسایا۔ یہ مٹی کا عذاب تھا۔

......قوم عاد دنیا میں گزری ہے، طاقت پہ بڑا ناز تھا، کہتے تھے:

مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً [کون ہے ہم سے زیادہ طاقت والا]

تکبر کیا اللہ رب العزت نے۔ ریحًا صرصرًا۔ ان پر ایک ہوا بھیجی، مومن کے لئے اتنی اچھی کہ وہ کہتے تھے کہ بہت مزا آ رہا ہے لیکن کافروں کے لئے اتنی زیادہ سخت تھی ان کو پٹخ پٹخ کے زمین پر مارتی تھی۔ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ۔ اگلے دن لاشیں اس طرح پڑیں تھیں جیسے بڑے بڑے کھجوروں کے تنے زمین پر بکھرے پڑے ہوتے ہیں۔ یہ ہوا کا عذاب تھا۔

......بنی اسرائیل نے تکبر کیا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کو مانو۔ کہنے لگے۔

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً (البقرۃ: ۵۵)

جب تک آنکھ سے نہیں دیکھیں گے نہیں مانیں گے۔ پھر ان کے ساتھ اللہ نے کیا کیا۔ اخذتهم الصاعقة ان کے اوپر آگ کا عذاب آیا۔

تو آپ دیکھئے کہ متکبرین کو اللہ نے پانی کا بھی عذاب دیا...... مٹی کا بھی عذاب دیا...... آگ کا بھی عذاب دیا...... ہوا کا عذاب دے کر دکھا دیا کہ متکبر لوگو! میں ہر ہر

جز وِ دنیا سے تمہیں عذاب دے کر دکھا دوں گا۔ تم تکبر کرتے ہو! ہوا میری ہے...... پانی میرا ہے...... آگ میری ہے...... یہ زمین میری ہے۔ تم تکبر کے بول بولتے ہو۔ اب انسان اگر تکبر کے بول بولے تو اسے کہاں جگہ ملے گی۔ اونچے بول بولے تو کہاں جگہ ملے گی۔

تکبر کا نتیجہ فوراً سامنے آتا ہے:

کئی مرتبہ، خود پسندی، عجب، تکبر کا نتیجہ فوراً سامنے آجاتا ہے، قرآن مجید سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ جنگ حنین میں جب صحابہ رضی اللہ عنہم گئے تو بارہ ہزار تھے، اور مخالفین چار ہزار، جب سنا کہ آگے دشمن کی تعداد چار ہزار ہے تو پھر اس وقت دل میں خیال آیا کہ یہ تو بات ہی کوئی نہیں ہے۔ اب یہ جو کیفیت ئی کہ یہ تو کوئی بات ہی نہیں، اللہ فرماتے ہیں:

اذ اعجبتكم كثرتكم

[جب تمہاری کثرت نے تمہیں عجب میں ڈال دیا]

اللہ تعالیٰ نے دکھا دیا۔ ابتدا میں ہی دشمن نے ایسی تیراندازی کی کہ مسلمانوں کا لشکر بے بس ہو گیا اور بعض الٹے قدموں بھاگے۔ پھر حضرت عباس ﷺ کو نبی علیہ السلام نے فرمایا، ان کی آواز بہت اونچی تھی، دور تک سنائی دیتی تھی۔ انہوں نے اعلان کیا، اے درخت کے نیچے اللہ کے نبی سے بیعت کرنے والو! اللہ اکبر۔ بس وہ بیعت رضوان کا نام لینا تھا، جس کے کان میں آواز پڑی، وہ پھر سنبھلا، پھر اللہ رب العزت نے سب کو دوبارہ ایسا جمنے کی توفیق عطا فرمائی کہ تاریخی فتح عطا فرما دی۔ مگر شروع میں ایک دفعہ پاؤں اکھاڑ کے دکھا دیئے۔ اونچا بول جب بھی بندے کی زبان سے نکلتا ہے نقد سزا ملتی ہے۔

بندے کو بندگی سجتی ہے:

بنی اسرائیل کا ایک بڑا عبادت گزار تھا بلعم باعورا۔ اس کے اندر 'میں' آ گئی، خواہش نفسانی کی اتباع کرنے لگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلٰكِنَّهُ اَخْلَدَ مِنَ الْاَرْضِ وَ اتَّبَعَ هَوَاهُ

(الاعراف:۱۷۶)

[اور اگر ہم چاہتے تو ان نشانیوں سے ان کے درجے کو بلند کر دیتے مگر تو پستی کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہش کی پیروی کرنے لگا]

چار سو سال اس نے عبادت کی، پھر اس میں 'میں' جو آئی تو اللہ تعالیٰ نے چار سو سال کی عبادت کو ٹھوکر مار دی۔ میرے دوستو! ہمارے پاس تو چالیس سال کی عبادت نہیں ہے، ہم کس کھیت کی گاجر مولی ہیں؟ ہم کیا میں میں کریں اور دعوے کریں، بندے کو بندگی سجتی ہے۔

"انا" پروردگار کو سجتا ہے:

یہ انا کا لفظ صرف ایک پروردگار کو سجتا ہے۔

اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ (طٰہ:۱۴)

فرعون نے بھی یہی انا ہی تو کہا تھا۔

انا ربکم الاعلیٰ [میں سب سے بڑا رب ہوں]

اللہ تعالیٰ نے پھر اسے اس کی اوقات دکھا دی، تو یہ میں بہت بری ہے۔

اسی لئے تکبر وہ گناہ ہے کہ آخرت میں تو اس کا عذاب ہوگا ہی، اللہ تعالیٰ متکبر بندے کو مرنے سے پہلے دنیا میں بھی اس کا عذاب ضرور چکھاتے ہیں۔ یہ پکی بات ہے، متکبر آدمی بچ نہیں سکتا۔ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ اس کی مٹی پلید کر دیتے ہیں، تنگی کا ناچ نچاتے ہیں، اس کی میں کو توڑتے ہیں، یہ میں رہتی نہیں۔ اسی لئے یہ عاجز اکثر

مواقع پر عرض کرتا ہے۔ میرے دوستو اس ''میں'' کو توڑ لیجئے، اس لئے کہ جو انسان اپنی ''میں'' کو خود نہیں توڑتا پھر اس کی میں کو پروردگار توڑتے ہیں اور جس کی ''میں'' کو پروردگار توڑے تو پھر اس کا تماشا دنیا دیکھتی ہے۔

''میں'' 'تو' میں کیسے بدلتی ہے:

''میں'' ٹوٹے بغیر نہیں رہتی، اس نے ٹوٹنا ہی ہے۔آپ نے دیکھا بکری ''میں میں'' بولتی ہے۔تو ایک بزرگ نے عجیب بات کہی۔ کہنے لگے، ''میں میں'' کہتی تھی۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا۔ تیری ''میں'' کا بندوبست کرتے ہیں۔سب سے پہلے تو گلے پر چھری چلوائی، اس کے بعد اس کی بوٹیاں بنوائیں، اور پھر ان کو آگ پر پکوایا گیا، ہڈیوں کو بھی تڑوایا گیا اور بتیس بتیس دانتوں میں چبوایا گیا۔ پھر باقی رہ گئی آنتیں تو بکری کی جو آنتیں بچ جاتی ہیں، پہلے وقت میں ان کو خشک کرتے تھے اور روئی دھننے والی مشین میں اس کو فٹ کرتے تھے۔روئی دھننے والی مشین میں وہ ایک تار کی طرح فٹ ہوتی تھی، پھر جب اس کو ہلاتے تھے تو اس میں سے تو،تو، کی آواز نکلتی تھی۔ فرمایا اس کی ''میں'' اللہ تعالیٰ کو ناپسند آئی، اللہ تعالیٰ نے اس کے اوپر ایسے امتحان بھیجے کہ چھریاں چلیں، آگ پر پکی اور پتہ نہیں کس کس آزمائش میں اتر کے بالآخر پھر ''میں'' ''تو'' میں بدلی۔تو بجائے اس کے کہ ہم بھی ''میں میں'' کریں اور امتحانوں ین پھنسیں، بہتر ہے کہ ہم پہلے ہی ''تو تو'' کہہ لیں۔تو ''میں'' بندے کو سجتی نہیں ہے۔

گفتگو میں ''میں'' کی ممانعت:

ہمارے مشائخ تو گفتگو میں بھی ''میں'' کا لفظ استعمال نہیں کرنے دیتے۔ میں نے یہ کیا میں نے وہ کیا، نہیں۔ خانقاہوں میں باقاعدہ تعلیم دی جاتی ہے کہ اپنے لئے عاجز کا لفظ استعمال کرو، بندہ کا لفظ استعمال کرو، فقیر کا لفظ استعمال کرو۔ عاجز نے یہ

کیا، عاجز وہاں گیا، فقیر نے یہ کہا۔ کوئی لفظ ہی استعمال کرلو ''میں'' کا لفظ استعمال نہ کرو۔ تو گفتگو سے ہی میں کو ختم کر دیا۔ مقصد یہ تھا کہ میں پر نظر رہے ہی نہیں، تو پر رہے۔

عجب کا نتیجہ:

☆...... ایک صاحب تھے حسّام قلبی، بڑے ذہین تھے، اتنے ذہین کہ ایک مرتبہ بیٹھے ہوئے تھے۔ بات چیت ہو رہی تھی کہ فلاں بندہ عالم ہے، حافظ بھی ہے اور قاری بھی ہے۔ فلاں صرف عالم ہے۔ جب ان کا نام آیا تو لوگوں نے کہا عالم تو بڑا ہے، حافظ نہیں ہے۔ تو یہ کہتے ہیں کہ میں نے اسی وقت نیت کر لی حفظ کی اور میں نے وہیں بیٹھے بیٹھے قرآن پڑھنا شروع کر دیا اور تین دن کے اندر میں نے پورا قرآن مجید حفظ کر لیا۔ ایسی قوت حافظہ کہ تین دن میں سارا قرآن مجید حفظ۔ اللہ اکبر کبیرا۔ کہتے ہیں جب لوگوں میں بات مشہور ہوگئی تو میرے اندر بھی خود پسندی آگئی۔ ہاں میں نے ایسا تیر مارا ہے جو کوئی کر ہی نہیں سکتا۔ کہنے لگے، اللہ تعالیٰ نے پھر اس کا مجھے اسی وقت ہی بدلہ دے دیا۔ جمعہ پڑھانے جانا تھا تو میں تیار ہو رہا تھا، اب اپنی تیاری میں خیال آیا کہ میں ذرا اپنی داڑھی کے بالوں کو ٹھیک کرلوں۔ کہنے لگے میں نے قینچی اٹھائی اور ایک قبضہ اپنا ہاتھ یوں رکھا تا کہ اس سے جو بڑے بال ہوں گے میں ان کو برابر کروں گا۔ کہنے لگے قینچی اٹھاتے ہی پتہ نہیں میرے دماغ کو کیا ہوا، میں نے نیچے کی بجائے اوپر سے کاٹ دیا۔ اب جب داڑھی اتنی سی اور میں نے جمعہ پڑھانا تھا۔ کہنے لگے وہ میری ذلت ہوئی کہ بس...... جو پوچھتا اتنے ذہین اور تم نے یہ بے وقوفی کر لی۔ کہنے لگے، ذلت اٹھانی پڑی، میں سمجھ گیا کہ میرے اس عجب کی وجہ سے اللہ رب العزت نے دنیا ہی میں مجھے ذلیل کر دیا۔ تین دن میں جو قرآن مجید یاد کر لیتے ہیں اگر ان کے دل میں بھی عجب آجاتا ہے، تکبر آتا ہے تو اللہ تعالیٰ دکھا دیتے ہیں، ہم چاہیں تو تم سے یہ کام بھی کروا سکتے ہیں۔

☆...... چنانچہ ایک صاحب کہنے لگے تیرہ سال سے میری تکبیر اولیٰ کبھی قضا نہیں ہوئی۔ مجلس ختم ہوئی کہنے لگے آؤ بھئی نماز کے لئے چلیں جب گھر سے باہر نکلے تو دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ کے بھی واپس آ رہے تھے۔ اللہ نے نقد دکھا دیا تم تکبیر اولیٰ باتیں کرتے ہو ہم تمہیں جماعت سے ہی محروم کر سکتے ہیں۔

☆...... اسی طرح ایک اور عالم تھے وہ کھڑے شاگردوں سے باتیں کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ کیا تمہاری ذہانت ہے؟ تمہیں بات یاد ہی نہیں ہوتی ہمیں تو سالوں باتیں نہیں بھولتیں اور خوب اپنی ذہانت کا جب انہوں نے تذکرہ کیا۔ پھر وہ شاگردوں کو ڈانٹ کر بھیجنے لگے تو اپنے غلام کو آواز دی لاؤ میرے جوتے میں نے جانا ہے۔ اس نے کہا، حضرت جوتے تو آپ نے پہنے ہوئے ہیں، وہیں اللہ نے بھلا کر دکھا دیا۔

دستورِ عمل:

تو یہ دستور یاد رکھیں کہ جب بھی کوئی بندہ بڑا بول بولتا ہے، اگر فوراً توبہ کر لے تو قابل معافی، اور اگر توبہ نہ کرے تو مرنے سے پہلے اللہ دنیا میں اس بندے کو ضرور ذلیل کر کے رکھ دیتے ہیں۔

تو اس لئے آج کی محفل میں یہ بات ذہنوں میں بٹھا لیجئے کہ جو بھی ہمیں نعمت ملے، دین کی ہو یا دنیا کی، کبھی اپنی طرف منسوب نہ کریں، کمال ہمیشہ کمال والے کی طرف منسوب کریں۔ کمال تو کمال والے کو ہی سجتا ہے۔ بندہ یہی کہے: جی اللہ کی دی ہوئی چیز ہے، اللہ کی یہ رحمت ہے۔ آج کی اس محفل کے بعد ہم اپنے ہر مسلمان بھائی کو اپنے سے بہتر سمجھیں۔ اور صاف ظاہر ہے کہ جب تکبر ختم ہوگا تو گھر میں ماں باپ بیوی بچوں کے ساتھ پھر ڈیلنگ بھی بندوں والی ہو جائے گی۔ پہلے تو شاہوں والی ڈیلنگ ہوتی ہے نا، ڈیلنگ اچھی ہو جائے گی۔

تصوف کا حاصل:

حضرت سید سلیمان ندوی ﷫ حضرت اقدس تھانوی ﷫ کے پاس آئے۔ بڑے عالم تھے۔ تو انہوں نے ایک بات پوچھی کہ حضرت تصوف کا حاصل کیا ہے۔ تصوف کا Object یعنی مقصود کیا ہے۔ تو حضرت تھانوی ﷫ نے فرمایا کہ تصوف کا مقصود اپنے کو مٹا دینا ہے، چند لفظوں میں بات کو سمیٹ کر رکھ دیا۔ اپنے کو مٹا دینے کا دوسرا نام تصوف ہے۔

چنانچہ ہمارے اکابر اپنے تمام نیک اعمال کے باوجود اپنے آپ کو سب سے کم سمجھتے تھے۔ جنید بغدادی ﷫ فرماتے تھے کہ اگر کوئی بندہ اعلان کروائے کہ اس شہر میں سے جو سب سے بدکار ہے وہ نکل جائے۔ فرمانے لگے: مجھ سے پہلے اس شہر سے کوئی باہر نہیں نکلے گا، یوں اپنے آپ کو سمجھتے تھے۔ اسی لئے تو اللہ نے ان کو ولایت کی دنیا کا جنید بنا دیا تھا۔

تکبر کے دو علاج:

تکبر کے دو علاج ہیں، ایک علمی اور ایک عملی۔

علمی علاج:

علمی علاج تو یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو اپنی اوقات یاد کروائے اور قرآن مجید میں یہی اصول بتایا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ○ خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ ○ (الطارق: ۵،۶)

[دیکھ اے انسان کہ تو کس چیز سے پیدا ہوا، اچھلتے ہوئے پانی سے]

دیکھا پروردگارِ عالم اس طرف متوجہ کر رہے ہیں۔ دیکھ اے انسان! تو کس چیز سے پیدا ہوا۔ تو انسان سوچے کہ میں تو ناپاک قطرے سے پیدا ہوا ہوں۔

قرآن مجید کی ایک اور آیت ہے اس کا معنی بھی سوچنا رہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَا اَكْفَرَهٗ o مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ o مِنْ نُّطْفَةٍ ، خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ o ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ o ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ o ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ o

(عبس: ۱۷-۲۲)

مفسرین نے لکھا ہے کہ تکبر کے علاج کے لئے یہ آیت کافی ہے، اس آیت کے ترجمے پر غور کرنے سے جو بندے کا پتہ ہوگا، اس کے اندر کبھی بھی تکبر پیدا نہیں ہوگا۔ اس کو اپنی اوقات کا پتہ چل جائے گا۔

مٹی سے موانست:

یہ تو انسان کی اوقات ہے اور پھر پیدا ہونے کے بعد جب اس دنیا میں آئے تو کچھ عرصہ یہاں رہیں گے اور اس کے بعد بالآخر قبر میں چلے جائیں گے۔ تو جس نے جانا ہی مٹی میں ہے تو وہ پھر کیا بڑے بول بولے گا۔ اس لیے مٹی میں جانے والو! مٹی سے مانوس ہو جاؤ، اپنے اندر مسکنت پیدا کرلو۔ مٹی کے اندر عاجزی ہے، مسکنت ہے۔ تو جس انسان میں مسکنت ہوگی عاجزی ہوگی، وہ جب مٹی میں جائے گا تو مزاج ملتا ہوگا۔ دو بندوں کا مزاج ملتا ہو تو دونوں ذرا خوش رہتے ہیں۔ تو جس کا مزاج مٹی کے ساتھ ملتا ہوگا جب قبر میں بھیجیں گے تو وہ بھی قبر میں خوش رہے گا۔ تو مٹی کا مزاج بنا لیجیے، تواضع پیدا کر لیجیے۔

مسلمانوں اور ہندوؤں کی تدفین میں فرق:

مسلمان لوگ اپنے مرنے والوں کو مٹی میں دفن کرتے ہیں جب کہ ہندو آگ میں جلاتے ہیں۔ قبر میں دفن کرنا قابیل نے کوے سے سیکھا، قابیل نے ہابیل کو جب قتل کیا تو اللہ تعالیٰ نے کوے کو بھیجا اور اس نے اس کو دفن کرنا سکھایا۔ تو اس وقت سے

انسان کو زمین میں دفن کیا جاتا ہے لیکن ہندو لوگ مردے کو جلاتے ہیں۔

اسلام میں میت کی حرمت:

دینِ اسلام میں مرنے والے کی حرمت کا بڑا خیال کیا گیا۔ چنانچہ ایک صحابی کا جنازہ تھا تو اس کی لاش نبی علیہ السلام جب پکڑنے لگے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا، اپنے بھائی کی لاش میرے حوالے کر دو مگر ان کی عزت اور حرمت کا خیال رکھنا۔ یعنی میت کی بھی حرمت کا خیال رکھنے کا کہا۔ ہم تو زندہ کی حرمت کا خیال نہیں کرتے۔ شریعت کہتی ہے مر بھی جائے تو میت کی حرمت کا خیال رکھو۔ نہلانے والے نے پکڑنا ہو تو سختی سے نہ پکڑے۔ اتنا حرمت کا خیال رکھا گیا۔

زمین اور جسد کی حفاظت:

جب کوئی خزانہ محفوظ کرنا ہو تو لوگ زمین میں دفن کرتے ہیں، کیوں؟ مدتوں کے بعد بھی وہ خزانہ ویسی ہی حالت میں موجود ہوتا ہے، تو زمین امانت کا خیال کرتی ہے اور اس کو اپنے اندر محفوظ کرتی ہے۔ تو جس طرح خزانے کی امانت زمین کے سپرد کی جاتی ہے، اسی طرح مومن اپنے مردہ بھائی کی امانت بھی زمین کے سپرد کرتا ہے اور اگر اس بندے کے اندر گناہوں کا کھوٹ نہ ہو تو پھر زمین اس کے جسم کو نہیں کھاتی۔ زمین ہمیشہ ان لوگوں کے جسموں کو کھاتی ہے جن کے اندر گناہوں کی ناپاکی موجود ہوتی ہے، نجاست موجود ہوتی ہے۔

ایک مثال سنیں: اگر آپ گڑ کو رکھ دیں، دو سال بعد بھی اٹھائیں تو وہ گڑ ہی رہے گا، خراب نہیں ہوگا۔ لیکن سالن کو رکھیں تو دوسرے دن بو پڑ جائے گی، اس لیے کہ سالن کے اندر Impurities (آلائشیں) خراب ہونے والی چیز موجود تھیں۔ لہٰذا یہ دوسرے دن چوبیس گھنٹے بعد خراب ہو جاتا ہے، پلاؤ صبح پکایا شام کو بو آنے لگ جاتی ہے۔ لیکن گڑ چونکہ خالص ہوتا ہے، اندر کوئی ایسی چیز نہیں تھی، دو سال کے بعد بھی وہ

ویسا کا ویسا ہی رہا۔ ایک ڈائمنڈ کو آپ زمین کے اندر ڈال دیں، پانچ سال کے بعد نکال لیں تو ڈائمنڈ اسی طرح نکل آئے گا، کیونکہ اس کے اندر خراب ہونے والی کوئی چیز ہی نہیں تھی۔ یہ جو گناہ ہیں یہ نجاست ہیں اور یہ نجاست جس بندے میں جتنی زیادہ ہوتی ہے، جب وہ مرتا ہے اور اس کے جسم کو زمین میں ڈالتے ہیں تو گناہوں کی نجاست کی وجہ سے بو آتی ہے، کیڑے پیدا ہوتے ہیں اور وہ کیڑے اس کے جسم کو کھانا شروع کر دیتے ہیں، اگر انسان سچی توبہ کر لے اور گناہوں کی نجاست سے پاک ہو جائے تو پھر ایسے بندے کو جب دفن کیا جاتا ہے تو اس میں گناہوں کی آلائشیں تو ہوتی نہیں۔ پھر زمین ایسے اولیاء اللہ کے جسم کو اسی طرح محفوظ کر لیا کرتی ہے۔

ہمارے اپنے شہر میں ایک واقعہ پیش آیا۔ ایک مرتبہ سیلاب آیا تو سیلابی پانی قبرستان میں بھی آ گیا۔ ایک قبر کے اندر پانی گیا اور اس میں لاش ایسی تھی کہ جس کا کفن بھی میلا نہیں ہوا تھا۔ ہم چھوٹے چھوٹے تھے، ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، صدیوں پرانا قبرستان تھا، وہ کب کی قبر تھی کسی کو یاد ہی نہیں۔ اس کا مطلب ہے سینکڑوں سال پہلے کا وہ بندہ دفن تھا لیکن زمین کے اندر ایسے محفوظ کہ ابھی اس کا کفن بھی میلا نہیں ہوا۔ اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا کہ وہ انبیائے کرام کے جسم کو ہرگز نہیں کھا سکتی۔ انبیائے کرام کے جسم جس طرح محفوظ ہو جاتے ہیں، ان کی اتباع کرنے والے جو نیک لوگ ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے تقویٰ کی برکت سے ان کے جسموں کو بھی زمین کے اندر محفوظ فرما لیتے ہیں، تو زمین جسم کو محفوظ رکھتی ہے۔

ایک مرتبہ لاہور میں سیلاب آ گیا۔ تو ایک نہر ہے اس کے کنارے پر ایک قبر تھی پانی کی وجہ سے وہ قبر کھل گئی۔ ہمارے ایک دوست تھے، انہوں نے یہ واقعہ خود دیکھا اور مجھے سنایا۔ کہنے لگے، میں صبح صبح جا رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ ایک تر و تازہ درخت ہے اور اس درخت میں پانی گیا اور نیچے جگہ خالی۔ کہنے لگے: جب میں نے نظر ڈالی تو

نیچے میت پڑی ہوئی تھی اور عجیب بات کہ اس میت کے چاروں طرف درخت کی جڑوں نے جال بنایا ہوا تھا، اس کو محفوظ کیا ہوا تھا۔ کہنے لگے کہ پانی آنے سے وہ مٹی ہٹ گئی اور درخت کی جڑوں کا میت کے گرد پنجرہ سا بنا ہوا تھا اور اس پنجرے کے اندر وہ میت آرام سے سوئی ہوئی تھی، کفن بھی محفوظ، بدن بھی محفوظ۔

تو زمین محفوظ کرتی ہے لیکن آگ جلا دیتی ہے۔ چنانچہ جب کسی ریکارڈ کا نام ونشان مٹانا ہو تو کیا کرتے ہیں؟ اس کو آگ لگا دیتے ہیں۔ تو آگ لگانے کا مقصد نام ونشان مٹانا اور زمین میں دفن کرنے کا مقصد اس کو محفوظ کر دینا۔ تو معلوم ہوا کہ عقلمند انسان اپنے بھائی کو جلا کر نام ونشان نہیں مٹائے گا بلکہ قبر میں لٹا کر اس کو محفوظ کرے گا۔ تو شریعت نے جو دفن کرنے کا حکم دیا، اس میں کتنی خوبصورتی ہے۔ اور ویسے بھی

كل شيء يرجع الى اصله

ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے۔

تو انسان مٹی سے بنا تو دفن بھی مٹی میں ہو تو یہ اصول پورا ہو جاتا ہے۔

مٹی کی آگ پر فضیلت:

مٹی کو آگ پر چار وجوہات سے فضیلت حاصل ہے۔ شیطان نے تو کہا تھا انا خیر منه تو شیطان کا جواب ہماری اس امت کے علماء نے دیا۔ انہوں نے کہا کہ اس مردود کو ہم جواب دیتے ہیں: مٹی آگ پر چار وجہ سے فضیلت رکھتی ہے۔

پہلی وجہ: آگ کے اندر فخر ہے، بلندی ہے جب کہ مٹی کے اندر تواضع ہے۔ تواضع صفت ہے اور فخر بیماری ہے۔ اس وجہ سے مٹی کو آگ کے اوپر فضیلت حاصل ہے۔

دوسری وجہ: یہ کہ جنت میں آگ نہیں ہوگی۔ ایک مرتبہ ایک صاحب مجھ سے پوچھنے لگے، حضرت جنت میں اگر سگریٹ پینے کو دل کیا تو کیا بنے گا؟ ہم نے کہا، بھئی جہنم جانا پڑے گا، چپ ہو گیا بے چارہ۔ تو جنت میں آگ نہیں ہوگی اس لئے مٹی آگ

کے اوپر فضیلت رکھتی ہے۔

تیسری وجہ: آگ عذاب کا سبب بنتی ہے اور مٹی انسان کے لئے راحت کا سبب بنتی ہے۔ زمین پر انسان لیٹ جاتا ہے تو دیکھو اس کو نیند آجاتی ہے۔ آرام مل جاتا ہے سکون مل جاتا ہے۔ تھکا ہوا انسان دوبارہ تازہ دم ہو جاتا ہے اور اگر آگ میں چلا جائے تو نام ونشان ہی مٹ جائے۔

اور چوتھی وجہ: اس کی فضیلت کی یہ ہے کہ اگر پانی نہ ہو تو مٹی انسان کو پاک کرنے والی بن جاتی ہے۔ چنانچہ مٹی سے تیمم کیا جاتا ہے اور انسان پاک ہو کر اللہ کی عبادت کر سکتا ہے۔ وہ وضو کے قائم مقام بھی ہے اور غسل کے قائم مقام بھی ہے۔ کیونکہ مٹی طاہر ہے اس لئے یہ مٹی آگ کے اوپر فضیلت رکھتی ہے۔ تو چار وجوہات سے مٹی کو آگ کے اوپر فضیلت حاصل ہے۔

ایک پنڈت کے اعتراض کا جواب

ایک مرتبہ ایک ہندو پنڈت نے ایک مفتی صاحب کے سامنے اعتراض کیا۔ کہنے لگا جی دیکھو ہمارا بندہ مرتا ہے تو ہم تو اس بندے کو آگ میں جلا کے اس کی راکھ کو پانی میں بہا دیتے ہیں اور تم لوگ اس کو مٹی میں دفن کر دیتے ہو اور مٹی کے اندر پھر اس میں بو پڑتی ہے، کیڑے پیدا ہوتے ہیں تو تم لوگ اچھا نہیں کرتے۔ الٹا زمین کو بھی خراب کر دیتے ہو۔ اور پھر کہنے لگا کہ اگر مجھے یہ بات سمجھ میں آجائے تو میں اسلام قبول کر لوں گا۔ تو مفتی صاحب نے کہا دیکھو ایک بچہ ہے۔ اب اس بچے کو اس کی ماں بھی پالتی ہے اور گھر میں جو باورچن ہے وہ بھی اسے کھانا پکا کر کھلاتی ہے۔ اب اگر خاوند نے کہیں جانا ہے تو وہ اپنے بچے کو کس کے پاس چھوڑ کر جانا پسند کرے گا۔ ماں کے پاس یا باورچن کے پاس؟ تو اس نے سوچ کر کہا کہ نہیں بچے کو تو ماں کے پاس چھوڑ کر ہی جانا پسند کرے گا۔ انہوں نے کہا بس میری بات سمجھ میں آگئی کہ زمین انسان کے لئے ماں کی حیثیت رکھتی ہے اور آگ سے کھانے پکتے ہیں، یہ انسان سے

لئے باورچن کی حیثیت رکھتی ہے۔ جب کسی بندے کو سپرد کرنا ہو تو باورچن کی بجائے ماں کے سپرد کرنا زیادہ بہتر ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ نے اسے ہدایت دے دی اور اس ہندو نے اسلام کو قبول کر لیا۔

تکبر کا عملی علاج:

خیر یہ تو تکبر کا علمی علاج ہے۔ اس کا عملی علاج بھی ہے اور عملی علاج یہ ہے کہ جس انسان کو محسوس ہو کہ میرے اندر تکبر ہے وہ علانیہ تواضع والے کام کرے، تکلفاً کرے تا کہ اس کی میں ٹوٹے۔ مثلاً علماء کے جوتے اٹھائے، تکبر نکل جاتا ہے۔

حضرت محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جب وہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم بنے تو عمر بھی اتنی زیادہ نہیں تھی اور اللہ تعالیٰ نے حسن و جمال بھی دیا تھا اور علم اور کمال بھی عطا کیا تھا، ہر نعمت اللہ تعالیٰ نے دی تھی۔ تو کبھی کبھی ان کو اپنے اوپر ایک خوشی سی ہوتی کہ اس چھوٹی عمر میں میرے اوپر اتنی نعمتیں ہیں۔ تو انہوں نے سمجھا کہ یہ تو خود پسندی ہے، ایسا نہ ہو کہ کہیں میں مہلکات میں پھنس جانے کی وجہ سے اللہ کے دربار سے دھتکار دیا جاؤں۔ چنانچہ اپنے شیخ حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ حضرت [illegible] کبھی اپنے اوپر خود پسندی کا شبہ ہوتا ہے۔ ''میں'' محسوس ہوتی ہے۔ تو اس لئے [illegible] ہو رہا ہوں۔ حضرت نے کہا سب کام چھوڑ دو اور ہمارے پاس چلے [illegible] کام چھوڑ کر چلے گئے۔ حضرت نے وہاں ذکر اذکار تو کیا کروانے تھے [illegible] صرف ایک کام [illegible] لگایا کہ یہ سالکین ہیں اور یہ مسجد میں آتے جاتے ہیں۔ جب یہ جوتے اتار کر مسجد میں جائیں تو ان کے جوتے سیدھے کر دیا کرو۔ حضرت نے چند دن جوتے سیدھے کیے۔ فرماتے ہیں اس کے بعد پوری زندگی وہ خود پسندی کی کیفیت کبھی پیدا نہیں ہوئی۔

تو تکلفاً انسان ایسے کام کرے۔ جس کو اپنے اندر ''بڑائی'' محسوس ہو وہ علماء کے جوتے اٹھائے [illegible] ماں باپ کے جوتے اٹھائے، ماں باپ کے جوتے تو قسمت

والے ہی اٹھاتے ہیں۔ آج کے دور میں ماں باپ کے جوتے اٹھانے والے بہت تھوڑے ہیں۔ بڑے افسوس کی بات ہے حالانکہ یہ ایک عظیم نعمت ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ نوجوان جو اپنے ماں باپ کے جوتے اٹھائیں۔ آپ خود سوچیے کہ ماں نے جب ہم چھوٹے تھے، سینکڑوں مرتبہ اپنے ہاتھوں سے ہمیں جوتے پہنائے۔ ہم نے بڑے ہو کر کبھی ماں جوتے پہننے لگی ہو تو جوتے سیدھے کیے؟ ہم نے کبھی نہیں کیے۔ الا ماشاء اللہ۔ کبھی والد نے جوتے سیدھے کر دیئے ہوں۔ کوئی قسمت والا ہو گا جو کرے گا۔ بہر حال استاد کے، شیخ کے، علماء کے، جوتوں کو سیدھا کرنا، یہ تکبر توڑنے کے لئے تیر بہدف علاج کی مانند ہے۔ تو تکلفاً ایسا کرے۔

نبی علیہ السلام بہت تواضع کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ کھانے بیٹھتے تو بڑے تواضع کے ساتھ اور آپ فرماتے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور میں ایک غلام کی طرح کھانا کھاتا ہوں۔

اور دوسرا کام یہ کہ گھر کے کام کرنے میں آدمی عار محسوس نہ کرے۔ گھر کے کام کرنے کو ترجیح دے، تکبر ٹوٹنا آسان ہو جاتا ہے۔ ذرا کبھی چیزیں خرید کر سر پہ اٹھا کر گھر پر لے کر آئیں پھر اپنے محسوسات دیکھیں۔

اکابرین کی تواضع کے واقعات:

......حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے اہل خانہ کے لئے جب کوئی چیز خریدتے تو اپنے سر پہ گٹھڑی اٹھا کر خود لاتے تھے۔ حالانکہ اس وقت کے امیر المومنین ہوا کرتے تھے۔

...... ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ امیر لشکر تھے لیکن جب نہانا ہوتا تو پانی کا گھڑا اپنے لئے حمام میں خود اٹھا کر لے جاتے تھے۔

......اور حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال تھا، سادہ کپڑا پہنتے تھے۔ جب ان کو خلافت نہیں ملی تھی تو اس وقت وہ ایک ہزار درہم کا لباس پہنا کرتے تھے۔ اور جب ان کو خلافت مل گئی تو پانچ درہم کا لباس پہنا کرتے تھے۔ جن کو اللہ تعالیٰ عزتیں

دیتا ہے تو پھر وہ یوں تواضع کیا کرتے تھے۔

...... حضرت عمرؓ جب بیت المقدس میں فاتح بن کر جب داخل ہوئے تو اس وقت ان کے کپڑے کے اوپر بارہ پیوند لگے ہوئے تھے۔اور فرماتے تھے۔

اعزنا الله تعالیٰ بهذا الدين

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس دین کی وجہ سے عزتیں عطا فرمائیں۔

کسی عارف نے کہا۔

سمجھتا ہے کہ کیوں جاتی نہیں ہے تیری من مانی
محبت کی حقیقت بھی ابھی تو نے نہیں جانی
اسے آغوش رحمت میں وہ لے لیتے ہیں خود بڑھ کر
جھکائی ان کے در پر صدق دل سے جس نے پیشانی

جو بندہ اللہ تعالیٰ کے در پر جھک جاتا ہے تو پھر اس کی میں چلی جاتی ہے۔اور اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ بندہ قبول ہو جاتا ہے۔

اللہ سے مانگیں:

اور حدیث پاک میں ایک دعا ہے۔ یہ بھی مانگنی چاہیے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ فِیْ عَيْنِیْ صَغِيْرًا وَ فِیْ اَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيْرًا

[اے اللہ مجھے اپنی نظر میں چھوٹا اور دوسروں کی نظر میں بڑا بنا دے]

اے اللہ! مجھے اپنی آنکھوں میں چھوٹا بنا دے۔اور لوگوں کی آنکھوں میں مجھے بڑا [illegible] عزت وقار ہوگی تو وہ دین کی بات [illegible] دین کا کام کر سکوں۔ مگر اپنی [illegible] اس آیت پر غور کرنا اور اس [illegible] اندر سے تکبر ختم ہونے کا ذریعہ

موت کے بعد مشہوری کی وجہ:

چنانچہ فوائد الفواد میں ایک عجیب بات لکھی ہے کہ کسی نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ حضرت کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ زندگی میں کوئی انہیں جانتا ہی نہیں لیکن جب ان کی موت آتی ہے تو موت کے آنے کے ساتھ ہی لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت عزت آجاتی ہے اور وہ بڑے مشہور ہو جاتے ہیں۔ اور کئی لوگوں کو دیکھا کہ دنیا میں بڑے مشہور ہوتے ہیں۔ بڑا نام ہوتا ہے ان کا لیکن جیسے ہی مرتے ہیں۔ لگتا ہے ان کا نام بھی ان کے ساتھ ہی قبر میں دفن ہو جاتا ہے کوئی ان کو یاد ہی نہیں کرتا۔ یہ کیا مسئلہ ہے تو خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ جو بندہ دنیا کے اندر یہ چاہتا ہو کہ میری تعریف ہو لوگ مجھے پہچانیں واہ واہ ہو۔ یہ بندہ جیسے ہی مرے گا اللہ تعالیٰ اس کی ساری تعریفوں کو اس کے ساتھ ہی دفن کر دیں گے۔ اور جو بندہ دنیا میں ایسی زندگی گزارے گا کہ اپنے آپ کو چھپا کے رکھے گا، مٹا کے رکھے گا، اس کا جی چاہے گا میں اپنے آپ کو مٹا کے رکھ دوں۔ جو یوں اپنے آپ کو مٹا کے رکھنے کی کوشش کرے گا۔ جیسے ہی اس کی موت آئے گی اللہ تعالیٰ اس کی محبت کو لوگوں کے دلوں میں ڈال دیں گے ساری مخلوق ان سے محبت کرنے والی بن جائے گی۔ تو اصل بات اپنے آپ کو مٹانا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی وجہ فضیلت:

ایک حدیث مبارکہ سن لیجئے پھر بات کو ختم کرتے ہیں۔ امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں یہ حدیث پاک نقل فرمائی۔ جبرائیل علیہ السلام نبی علیہ السلام کے پاس تشریف لاتے ہیں۔ توجہ سے سنیے گا۔ جب جبرائیل علیہ السلام آئے تو ابوذر رضی اللہ عنہ وہ سامنے سے آرہے تھے۔ ان کو دیکھ کر جبرائیل علیہ السلام نے کہا۔

هذا ابو ذر قد اقبل [یہ ابوذر آرہے ہیں]

نبی ﷺ بڑے حیران ہوئے جبرائیل علیہ السلام کی زبان سے ان کا نام سن کر۔ پوچھا جبرائیل! آپ کو کیسے تعارف ہوا ابوذر کے بارے میں۔ تو جبرائیل علیہ السلام جواب میں فرماتے ہیں۔

هو اشهر عندنا منه عندكم

اے اللہ کے محبوب! جتنے ابوذر رضی اللہ عنہ آپ لوگوں میں مشہور ہیں، اس سے زیادہ وہ آسمان پر فرشتوں میں مشہور ہیں۔ نبی ﷺ حیران ہوکر پوچھتے ہیں کہ جبرائیل:

بما ذا نال هٰذه الفضيله [ابوذر کو یہ فضیلت کیسے ملی؟]

کہ دنیا میں مشہور کم ہیں اور فرشتوں میں مشہور زیادہ ہیں۔ تو جبرائیل علیہ السلام نے کہا ۔ **لصغره فی نفسه** ۔ ابوذر اپنے آپ میں اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتے ہیں۔ **و کثرة قرائة** اور قرآن مجید کی کثرت کی وجہ سے اللہ کے ہاں فرشتوں میں زیادہ مشہور ہیں۔

تو جو بندہ اپنے آپ کو اپنی ذات میں چھوٹا سمجھے۔ وہ بندوں میں تھوڑا بھی مشہور ہو تو اوپر آسمانوں پر اس کی مشہوری زیادہ ہوتی ہے۔ جس کی آسمانوں پر مشہوری ہو سبحان اللہ کتنا خوش نصیب انسان ہے۔ لہٰذا آج کے بعد یہی دل میں سوچیے کہ ہم نے اپنے آپ کو چھوٹا بنانا ہے۔ اور دستور کی بات بھی یہی ہے کہ اس دنیا میں جو بندہ بڑا بننا چاہے اس کو چاہیے کہ چھوٹا بن جائے۔

من تواضع لله رفعه الله

[جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلندی عطا فرماتے ہیں]

اللہ اوپر اٹھائیں گے اور عزتوں کے تاج پہنائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عجب اور تکبر سے محفوظ فرمائے۔

و آخر دعوٰنا ان الحمد لله رب العٰلمين .

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہم

کی چند اہم تصنیفات

مکتبۃ الفقیر

223 سنت پورہ، فیصل آباد

+92-041-2618003